زمانہ

جلد ۴۹ جولائی ۱۹۲۷ء نمبر ۱

ہندوستانی اکاڈیمی کے مقاصد

ہز ایکسلنسی سرولیم میرس کے۔ سی۔ آئی۔ ای گورنر صوبہ متحدہ آگرہ واودھ کی افتتاحی تقریر جو ممدوح نے ۲۹ مارچ ۱۹۲۷ء کو قیصر باغ لکھنؤ مین ہندوستانی اکاڈیمی کے پہلے جلسے مین ارشاد فرمائی تھی

جس محکمہ کا آج ہم رسمی افتتاح کر رہے ہین وہ میرے دوست آنریبل وزیر تعلیمات کے اُن تین کارنامون مین سے ایک ہے۔ جنسے ان کی اس گہری دلچسپی کا ثبوت ملتا ہے جو موصوف کو ملکی علوم وفنون کے ساتھ ہے۔ اب تک وہ ہندوستانی تصاویر کے لیے ایک نگارخانہ اور ہندوستانی موسیقی کو ترقی دینے کے لیے ایک کالج قائم کر چکے ہین۔ اب انکی کوشش ہے کہ وہ ہندوستانی ادب کو ایک شاہراہ ترقی پر لے آئین۔ وہ اُردو اور ہندی کی نوشت وخواند کی جانب لوگون مین دلچسپی اور شوق پیدا کرنا اور صحت زبان کو قائم رکھنا چاہتے ہین۔ انکی خواہش ہے کہ دونون زبانون مین تصنیف وتالیف کا معیار بلند رہے۔ جہانتک مین سمجھ سکا ہون ان کا یہ فعل محض علمی ہی نہین بلکہ عملی حیثیت بھی رکھتا ہے۔ وہ اس صوبہ کے باشندون کو وہ چیز عطا کرنا چاہتے ہین جو اکثر ممالک مین شل ہوا کے اشد ضروریات زندگی سے شمار کیجاتی ہے۔ یعنی اپنی زبان مین وہ اُن علوم کا بیش قیمت

خزانہ جس سے ملک مستفید ہو سکے محفوظ کر دینا چاہتے ہیں۔ تاکہ ان کو لوگ فائدہ اور دلچسپی کے لیے پڑھ سکیں۔

مشکلات میرے معزز دوست کے تین کارناموں میں سے یہ کام غالباً سب سے زیادہ مشکل ہے بہر حال میں ان کے مقاصد سے پوری ہمدردی رکھتا ہوں اور سمجھتا ہوں کہ ملکی ادب کا احیا، ملک کی ترقی کے لیے بہت ضروری ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ میرے عہد حکومت میں میرے ایک وزیر نے یہ کمی محسوس کی اور اس اکاڈیمی کی بنیاد ڈالی۔ لیکن راہ میں بہت سی مشکلات حائل ہیں۔ اول بات یہ ہے کہ ملک کے قابل افراد نے حالات سے مجبور ہو کر اپنی تمام کوششیں انگریزی تعلیم کے حصول میں صرف کرنا شروع کر دی ہیں۔ اسمیں کوئی شک نہیں کہ انگریزی تعلیم کے لیے نہایت موزوں ہے اور صحافت کے لیے بھی یہ زبان نہایت مناسب ہے۔ سیاسی مباحث میں زیادہ تر اسی زبان سے کام لیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ملک کے بہترین لوگوں نے اپنی مادری زبان کو چھوڑ دیا ہے۔ اس ملک میں علمی کام کرنے والوں کے اظہار خیال کا ذریعہ انگریزی ہی ہے اور وہ اسی زبان میں اپنی تالیفات اور تصنیفات اپنے ہمخیال لوگوں کے روبرو پیش کرتے ہیں اور اپنی مادری زبان میں اظہار خیال نہیں کرتے۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ مباحث ان لوگوں کی سمجھ میں نہیں آسکتے جو انگریزی سے ناواقف ہیں۔ لہذا وہ حضرات بھی جو ہندوستانی زبان کی تعلیم پاتے ہیں اور جو اس سے دلچسپی بھی لیتے ہیں اگر اپنی زبان پڑھنا چاہیں تو انھیں کتابیں نہیں ملتیں۔

مطبوعات کی تعداد اردو ہندی کی کتابوں کی تعداد اشاعت کم ہے اور وہ بلحاظ مضامین بہت محدود ہوتی ہیں۔ ممالک متحدہ میں سالانہ دو ہزار کتابیں شایع ہوتی ہیں لیکن اس تعداد میں رسائل اور دوبارہ شائع ہونے والی کتابیں اور تراجم بھی شامل ہیں۔ اگر یہ سرکاری تعداد صحیح ہے تو میرا خیال ہے کہ مستقل ذاتی تصانیف کی تعداد ایک ہزار سے زائد نہیں۔ اور ان میں سے اکثر مذہب شاعری سیاست اور افسانوں کے متعلق ہوتی ہیں لیکن فلسفہ تاریخ۔ سائنس، سیرت اور سوانح پر بہت کم لوگ خامہ فرسائی کرتے ہیں۔ تجارتی ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ مذہب اور اخلاق کی کتابیں سب سے زیادہ فروخت ہوتی ہیں اس سے کچھ کم درسی کتابیں بکتی ہیں۔ افسانہ شاعری اور دوسرے موضوع پر جو کتابیں فروخت ہوتی ہیں وہ نسبتاً کم ہوتی ہیں۔ مسئلہ ابھی طے نہیں پایا کہ کتابیں اپنے

پڑھنے والے خود پیدا کرتی ہین یا پڑھنے والون کی وجہ سے کتابین لکھی جاتی ہین۔ لیکن تاریخ سے کم از کم یہ معلوم ہوتا ہے کہ دونون باتین ساتھ ساتھ ہوتی ہین۔ اسمین شک نہین کہ ہمین اپنی ملکی زبان کی ترقی اور توسیع کے لیے جد و جہد کرنی چاہیئے۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ مدرسون مین لوگون کے دلون مین پڑھنے کا شوق پیدا کرایا جائے اور یہ شوق وسیع اور دل سے ہو لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہان ایسے حالات موجود ہین۔ جنسے لوگون مین ملکی زبان مین تصنیف و تالیف کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

مقاصد حقیقت یہ ہے کہ اوّل اوّل مین لفظ "اکاڈمی" کو سنکر چونکا تھا۔ اور مین کیا ہر انگریز کے کان ضرور کھڑے ہو جائین گے۔ کیونکہ اس سے رشلو اور نپولین کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ فرانسیسی اکاڈمی قائم کرتے وقت اس کے بانیون کے پیش نظر حسب ذیل مقاصد تھے۔

سخت محنت اور کوشش سے زبان کے قواعد منضبط کئے جائین۔ زبان سے بھرتی کے الفاظ دور کئے جائین اور زبان کو بیرونی اثرات سے محفوظ رکھکر اس قابل بنایا جائے کہ علوم و فنون کی تالیف اور ان کے ترجمون مین کوئی دقت نہ پیش آئے۔

فرانس کے وہ ارباب علم جو اکاڈمی کی کامیابی کے دعویدار ہین کہتے ہین کہ اکاڈمی نے فرانس کے مذاق ادب کی اصلاح کی اور اسی کا صدقہ ہے کہ آج فرانسیسی زبان مین یہ طرز ادا، خوبی بیان، سلاست، اور نزاکت وغیرہ کی خوبیان پائی جاتی ہین۔ واقعہ یہ ہے کہ فرانسیسی زبان انہین خوبیون کی بدولت دوسری زبانون سے ممتاز ہے۔ اور اسکی نثر تو نہایت ہی لاجواب ہوتی ہے۔ جیسا کہ آنریبل وزیر تعلیمات صاحب نے اپنی دوران تقریر مین فرمایا ہے۔ میتھو آرنلڈ اسکا بے انتہا مداح تھا۔ وہ اکاڈمی کی تعریف اس بنا پر کرتا تھا کہ یہ ادب کو نامانوس طرز ادا اور بھدّی ترکیبون اور الفاظ سے جنسے اسے نفرت تھی۔ پاک رکھتی تھی وہ چاہتا تھا کہ اکاڈمی ایک ایسی انجمن ہو۔ جہان تمام تعلیمیافتہ اشخاص متحد الخیال ہون۔ اور جہانتک طرز ادا اور مذاق سلیم کا تعلق ہو یہ انجمن ماہر فن کی حیثیت سے فتوے دے سکے۔ جہان فرانسیسی اکاڈمی کے ایسے ایسے مداح ہین وہان ایسے آزاد خیال بھی ہین جو اسکی برائی کرتے ہین اور کہتے ہین کہ یہ انجمن، استبدادی دور کا پورا پورا آئینہ ہے۔ اور اسمین اس زمانے کی تمام خرابیان موجود ہین۔ مثلاً اس محکمہ مین بھی وسیع سازشین ہوتی ہین

جیسی دوسرے محکمہ جات مین ہوگی! اثر لوگون کی بیجا رعائتین بھی اُسی طرح حاصل کرتے ہین جیسے دوسرے مقامات مین ہمارا لیکن انجمن کوئی مستقل کوشش کسی کام کے لیے نہین کرسکتی بلکہ چھوٹے چھوٹے غیر ضروری علمی مباحث کے پیچھے پڑے رہتے ہین اپنے وقت کو فضول مقابلون مین خراب کرتے ہین۔ اُن لوگون کو جن مین اہلیت موجود ہے۔ ترقی نہین کرنے دیتے۔ اسی خیال کو انگلستان کے ایک نامور شاعر جان کیٹس نے اپنی ایک نظم لاجواب اور شاعری کے ایک حملہ مین ظاہر کیا تھا۔ اس نظم مین ایسے لوگون کی حالت بیان کی گئی ہے جو ایک جھولنے والے گھوڑے پر سوار تھے۔ مگر خیال یہ کرتے تھے کہ ہم ہوا کے سے تیز گھوڑے پر سوار ہین۔ معاملہ کے دونون پہلو آپ کے پیش نظر ہین ان مین سے جو بہتر ہو اسے اختیار کرنا چاہیئے۔ عام طور سے انگریز اس معاملہ مین میتھو آرنلڈ کے مقابلہ مین کیٹس کی رائے کو تسلیم کرتے ہین۔ بہت سے انگریزون اور خود میرا بھی خیال ہے کہ انگریزی زبان اور ادب، فرانسیسی زبان اور فرانسیسی ادب سے کہین بہتر ہے۔ آجکل انگریزی زبان کی خوبی اور سلاست سستے اور کم قیمت کتابون۔ رسائل اور سینما وغیرہ کی وجہ سے خطرے مین ہے۔ تار سے جو خبرین بھیجی جاتی ہین وہ بھی زبان کو خراب کرتی ہین۔

انگریزی زبان سے محبت رکھنے والے ان خطرون کو محسوس کرتے ہین اور اسکو رفع کرنے کی تدابیر بھی سوچتے ہین لیکن باوجود ان سب باتون کے ابتک برٹش اکاڈیمی کو قائم کرنے کا خیال کسی نے ظاہر نہین کیا۔

ہمت افزائی

لیکن اگر مین اپنے معزز شریک کار کے ایک نونہال کے متعلق یہ خیال کرتا کہ پروان چڑھنے کے بعد اسمین خودنمائی اور بیجا سختی پیدا ہو جائیگی تو ہرگز اسکی اس رسم مین شرکت نہ کرتا لیکن مین نہین سمجھتا کہ ایسا ہوگا۔ حالات بالکل مختلف ہین اور مجھے نظر آتا ہے کہ میرے معزز دوست کا یہ نونہال تمام اختیارات خود اپنے ہاتھ مین لے لینے کی کوشش نہ کریگا مجھے امید ہے کہ اس انجمن کے اراکین اس ہونہار بچے کی ہر طرح امداد کرینگے۔ وہ اسکی ہر طرح ہمت افزائی کرینگے اور کسی طرح بھی اسکی دل شکنی گوارا نہ کرین گے۔ وہ اس چمن کی آبیاری کرینگے اور اسکی بلا ضرورت تراش و خراش نہ کرین گے وہ اسمین طرح طرح کے پھول پتے لگائین گے۔ اور محض کورانہ تقلید

سے کام نہ لین گے۔ یہ لوگ اس باغبان کی شل ہین جس کا کام باغ مین پھول پیدا کرنا ہے نہ کہ گملون مین پھول لگانا اور چونکہ ان کا کام نئی نئی باتین پیدا کرنا ہے۔ اسلئے یہ مناسب نہین ہے کہ صرف چند مقررہ طریقون پر کام کیا جائے۔ میرا خیال ہے کہ گورنمنٹ کا یہ رزولیوشن کہ طریق کار جہانتک ممکن ہو پریسیڈنٹ اور اراکین کی رائے سے طے ہو بہت مناسب تھا۔ اس لیے اگر مین وہ چند طریقے پیش کرون جو میری سمجھ مین آئے ہین تو اس مین کسی کو غلط فہمی نہ ہونا چاہیئے۔

سب سے پہلے مین یہ استدعا کرون گا کہ لوگون مین اسکا اصلی شوق پیدا ہو اور وہ ذاتی طور سے اس کے لئے کوشش کرین۔ اکاڈمی کے اراکین وہ لوگ منتخب کئے گئے ہین جو تمام صوبہ مین اس کام مین بہت کچھ امداد دے سکتے ہین۔ میرا خیال ہے کہ ہر رکن انجمن اسکو اپنا فرض سمجھے گا۔ کہ وہ اکاڈمی کے مقاصد کو لوگون تک پہونچاتا رہے گا۔ اور وہ انفرادی واجتماعی طور سے جو کچھ بھی کر سکتا ہے کرے گا۔ ان مین سے بعض لوگ اپنے حلقۂ اثر مین ادبی مباحث پر تقریرین کر سکتے اور مضامین پڑھ سکتے ہین۔ بعض لوگ اپنے اپنے شہرون مین ادبی حلقے قائم کر سکتے ہین بعض حضرات گشتی کتب خانے یا دیہاتی کتب خانے قائم کر سکتے ہین۔ مین اکاڈمی کو ایک بالکل علیحدہ شے نہین دیکھنا چاہتا۔ بلکہ میری خواہش ہے کہ یہ ایک ایسا محکمہ ہو کہ تمام ملک کی ضرورت کو پورا کرے اور افراد مین ایک بیداری کی روح پیدا کر دے۔ مجھے امید ہے کہ اکاڈمی کا ہر رکن یہ محسوس کرے گا کہ میرے سامنے ایک عمدہ مقصد ہے اور اسکے لیے تمام امکانی جدوجہد کرنا میرا فرض ہے اگر کہین اس کے لیے ذاتی کوشش نہ کی گئی اور اس کا کام اگزیکٹو کمیٹی کے جلسون اور مراسلات تک محدود رہ گیا تو مین سمجھتا ہون کہ یہ تحریک کچھ زیادہ مفید نہ ثابت ہوگی۔

اکاڈمی کی کتابین

دوسری بات جو مین دیکھنا چاہتا ہون یہ ہے کہ ہر وہ کتاب جو صوبہ مین شایع ہو۔ اکاڈمی کے پاس موجود ہو۔ اگر ضرورت ہوگی تو اس بارہ مین قانون آپ کی امداد کرے گا۔ اس طریقہ سے اور ہوشیاری سے انتخاب کرنے سے مجھے امید ہے کہ آپ کے پاس ایک بہت اچھا کتبخانہ تیار ہو جائے گا۔ جسمین تمام بہترین کتابین موجود ہونگی۔ ممکن ہے کہ آیندہ اکاڈمی تمام مطبوعات کی تنقید بھی اپنے ذمہ لے لے اور سالانہ ان کے متعلق ایک مکمل رپورٹ تیار کرے حالانکہ آجکل گورنمنٹ نے کفایت شعاری کے خیال سے اس کو ترک کر دیا ہے۔ اگر اکاڈمی ہر سال

ضروری کتابوں پر انصاف اور اُصول تنقید کی رُو سے صحیح رائے پیش کر سکے تو ملک ضرور اسکی قدر کرے گا - یہ تجویز بھی غور کے قابل ہے کہ اکاڈیمی فرانسیسی اکاڈیمی کی تقلید میں بعض غیر معمولی تصنیفات کے مصنفون کو اعزازی امتیازات عطا کرے - لیکن شرط یہ ہے کہ یہ اعزاز صرف اُن لوگون کے لیے مخصوص ہونا چاہیئے جنھون نے کوئی غیر معمولی کتاب تصنیف ہو -

زمانۂ حال کی ترقی

اسی ضمن مین اکاڈیمی کو اس بات کا لحاظ رکھنا چاہیئے اور کبھی اسے نظر انداز نہ کرنا چاہیئے کہ مطبوعات کی حیثیت اور تعداد دونون چیزین معقول ہون صوبہ مین بہت سے عمدہ مطابع موجود ہین اور انہون نے اپنی طباعت مین حال مین بہت کچھ ترقی کی ہے - یہ بہت اچھی بات ہے اور ہمکو لازم ہے کہ اس سے فائدہ اُٹھائین - مین جانتا ہون کہ اگر کتاب زیادہ تعداد مین فروخت کرنا منظور ہے تو اسکی قیمت کم رکھنا ہوگی - لیکن کفایت کا لحاظ رکھتے ہوئے جہانتک ممکن ہو عمدہ کاغذ اور عمدہ طباعت کا انتظام ضروری ہے - اور اگر تصاویر کی ضرورت ہو تو عمدہ تصویرین بھی ہونا چاہیئے -

خاص بات جو اس سلسلہ مین مین کہنا چاہتا ہون یہ ہے کہ موجودہ زمانہ مین بہت ضروری ہے کہ لوگون مین عمدہ اور ذاتی تصانیف کا شوق پیدا کیا جائے - مجھے قوی امید ہے اکاڈیمی ایک ایسی مشین ہوکر رہ نہ جائے گی جسکا کام صرف یہ ہوگا کہ وہ درسی کتابون کے انتخاب کرنے والی کمیٹیون کے لیے مطبوعات پیش کرے - مجھے احساس ہے کہ بعض حضرات کے نزدیک اکاڈیمی کا خاص مقصد یہ ہوگا کہ وہ مغربی علوم کو دیسی زبانون کے ذریعہ سے ملک مین روشناس کریگی - یہ خیال اچھا ہے اور مین اسے پسند کرتا ہون - لیکن میرا خیال اسکے برعکس ہے اور مین سمجھتا ہون کہ اکاڈیمی کا مقصد دوسرا ہے - یہ سچ ہے کہ اعلےٰ تعلیم انگریزی زبان مین دیجاتی ہے اور مڈل اسکولون مین ہمارے طالبعلمون کو تاریخ ادب - سائنس وغیرہ کے تراجم کی بہت ضرورت ہے اور خاص کر اُن مضامین مین جنکا تعلق زندگی کے عملی شعبون مثلاً زراعت صنعت حرفت اور صحت عامہ سے - بغیر تراجم کے کام نہین چل سکتا - لیکن پھر بھی اکاڈیمی کے پیش نظر ترجمہ کے علاوہ اور چیزین بھی ہونا چاہیے -

اکاڈیمی کو اپنی تمام قوت اُن کتابون کے شایع کرنے پر صرف کرنا چاہیئے جو ذاتی تحقیق اور

کاوش سے لکھی گئی ہون - ان مین ہندوستانی خیالات کا اظہار کیا گیا ہو اور صوبہ کی خصوصیات کا رنگ جھلکتا ہو - میرا خیال ہے کہ اسکا کام صرف یہی نہین ہے کہ زبان کے قواعد کے لحاظ رکھے یا ادب کو ترقی دینے کے لیے مخصوص علوم کی تلقین کرے - اگر ادب کو زندہ رکھنا ہے اور اُسے مفید بنانا ہے تو وہ کسی دوسرے زبان کے سہارے زندہ نہین رہ سکتا بلکہ اسے خود ترقی کرنا چاہیے - ہندی اور اُردو دونون کی اکثر کتابین دوسرون کی خوشہ چینی کا نتیجہ ہین -

ناول | زمانہ حال کے مغربی ادب مین ناول کا عنصر بہت زیادہ ہے - ہم لوگ عام طور سے ناول کی کچھ زیادہ وقعت نہین کرتے اور اگر کرتے ہین تو صرف اُن ماہرین فن کے ناولون کی قدر کرتے ہین جن کی عظمت و بزرگی مسلّم ہوتی ہے اور یہ سمجھتے ہین کہ ناول قریب قریب وہی خدمت انجام دیتے ہین جو سینما کرتا ہے - کیونکہ ناولون مین صرف کسی جیتی جاگتی تصویرین دکھائی دیتی ہین جو جذبات سے اپیل کرتے ہین اور جن سے قوّت فیصلہ پر کوئی زور نہین پڑتا - مین اس انکار نہین کر سکتا کہ بعض عمدہ ناولسٹس کے متعلق یہ کہنا کہان تک صحیح ہے - لیکن ناولون کی متعدد قسمین ہین اور جو ناول بہترین شمار کیے جاتے ہین وہ نہ تاریخی ہوتے ہین نہ وہ جنمین کہا[illegible] واقعات بیان کیے جاتے ہین - نہ وہ جن مین سراغرسانی کے تجربات بیان کیے جاتے ہین - بلکہ سب سے بہتر قسم کے ناول وہ ہوتے ہین جو معمولی انسان کے متعلق ہوتے ہین - اکثر لوگون کو ناو[illegible] سے صرف اس بنا پر دلچسپی ہوتی ہے کہ ناولون کے افراد کچھ اس قسم کے لوگ ہوتے ہین - جیسے وہ خود ہین - اور وہ یہ محسوس کرتے ہین کہ ہم اپنے ہی سے چند اور اشخاص سے روشناس ہوئے ہین - اُن سے ہمسے ملاقات ہوگئی ہے - ان کے حالات سے زندگی کے متعلق جو ان کے خیالات [illegible] ہین ان مین وسعت پیدا ہو جاتی ہے - ہم صرف اپنی زندگی بسر کر سکتے ہین ہم کتابین اس لیے پڑ[illegible] ہین کہ اپنی پریشانیون سے تھوڑی دیر کے لیے تو نجات پا جائین - یا اپنے روزانہ کے معمولی کام سے ذرا دیر کے لیے آزادی ملجائے اگر اس بحث کو ملتوی رکھا جائے کہ اس سے ہماری تر[illegible] ہوئی ہے اور ہم اپنی عادات کی اصلاح کر سکتے ہین - تو بھی ہم دلچسپی خوشی اور آرام کے لیے ضروری ہے - ناول کی یہ خدمت سب [illegible] ہم ہے - ایک اچھا قصہ پڑھنے سے ہم یہ محسوس کرنے لگتے ہین کہ ہم بھی اس قصہ کا ایک جزو ہین - ناول کے افراد کی مشکلات - غلطیان

ناول میں ہمکو خود اپنی معلوم ہونے لگتی ہیں۔ ہمین کوئی شک نہین کہ ہمارے ملک مین ایسے لوگ کم ہین جنکو فرصت میسر ہو۔ یا جنکو پڑھنے کی عادت ہو۔ لیکن ملک مین ذاتی ادب نہ موجود ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ابھی تک کسی نے ہندوستانی مذاق کے موافق ناول نہین لکھے۔

کتبخانے — ہمکو دیسی اور گشتی کتبخانے قائم کرنا ہونگے لیکن مجھے معلوم ہوا ہے کہ عمدہ اور مناسب کتابون کی بہت کمی ہے لیکن اسکی وجہ کیا ہے ؟ ہندوستان مین ایسے مصنفین کی تعداد بہت خاصی ہے جو وقائع نگاری کر سکتے ہین لیکن شاید وجہ یہ ہے کہ ان کے ہاتھون تک عمدہ چیزین نہین پہنچی ہین۔ مین نے اکثر قصے ہندوستانی زبان مین ایسے دیکھے ہین جو مغربی زبانون سے لیے گئے ہین، درحقیقت افسانہ کے واقعات کو ذرا تغیر و تبدل کے ساتھ ہندوستانی زبان مین بیان کر دیا گیا ہے مثلاً مغرب کے سراغرسانی اور جرائم پیشہ لوگون کے پورے پورے واقعات ہندوستانی رنگ مین عجیب طور پر پیش کئے گئے ہین۔ اسکے علاوہ وہ افسانے ہندوستانی معاشرت کو انگریزی مین پیش کرتے ہین۔ وہ ایسی زبان مین ہوتے ہین جو معمولی ردّی رسالون کی زبان ہے۔ ان دونون کے متعلق میرا خیال ہے کہ یہ بہت غلط طریقہ ہے۔ لیکن کوئی وجہ نہین معلوم ہوتی کہ اصلی اور سیدھے سادے افسانے نہ لکھے جائین اور انھین لوگ نہ پڑھین۔ لیکن ان افسانون مین جو واقعات لکھے جائین وہ ایسے ہون جن کا تعلق ملکی معاشرت سے ہو۔ یہ میدان افسانہ نگاری کے لیے بہت وسیع ہے۔ فطرت سے جنگ کرنا۔ اس ملک مین بھی اتنا ہی ضروری ہے۔ جتنا امریکہ کے مغربی اضلاع مین تھا۔ علوم کے حاصل کرنے اور روزی کمانے مین یہان اتنی ہی جد و جہد کرنا پڑتی ہے جتنی اسکاٹ لینڈ کے طالبعلمون کو عرصہ تک کرنا پڑی تھی۔ ہندوستانی ادب مین اتنی گنجائش ہے کہ وہ مذہبی افسانے پیش کر سکے۔ پیدائش۔ حیات و ممات۔ شادی غمی کے ایسے واقعات ہین جو کسی ملک اور کسی وقت کے لیے مخصوص نہین کیے جا سکتے ان کے لیے تلاش کرنے مین دقت نہ ہوگی۔ بلکہ ان مین زمیندار کا اشتہار، وکلاء، سوداگر، پنشن یافتہ۔ سپاہی۔ اخبار نویس، خانساماں، صوفی اور سب کام دے سکتے ہین اور ہندوستانی افسانے کی دنیا مین وہ ایسے ہی بھلے معلوم ہونگے۔ جتنے اسکاٹ اور بالزاک کے صفحات مین۔ صرف ضرورت اس بات کی ہے کہ ایک سنجیدہ مصنف غور سے نظر کرے اور ہمدردی سے انکی

تصاویر کھینچے اگر اسکے الفاظ مین تصاویر کی سی دلکشی ہوگی تو اسکی کتابین لوگ دل سے پسند کرین گے - ان کو خریدینگے اور پڑھین گے تاکہ ان سے ان کی ضرورتین پوری ہون -

شاعری مین نے اب تک افسانہ نگاری کی وسعت کا ذکر کیا ہے کہ جہانتک کوشش کرنے سے یہ صنف ترقی کر سکتی ہے - اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ صنف بہت کچھ ترقی کر سکتی ہے اور نتیجہ خیز ثابت ہوسکتی ہے - اسکے بعد شاعری کا نمبر آتا ہے - شاید یہ اُمید بیجا نہ ہوگی اگر ہم ہندوستانی شاعری سے یہ توقع کرین کہ وہ قومی زندگی کو مالامال کردے گی - اسوقت لوگ بیدار ہورہے ہین اور خیالات مین ہیجان سا ہورہا ہے پھر کوئی وجہ نہین معلوم ہوتی کہ ان جذبات کا نظمون مین اظہار کیون نہ کیا جائے - مین نے سنا ہے کہ ہندوستانی نظمون مین آجکل زیادہ تر وقائع نگاری ہوتی ہے - وہ یا تو عوام کی فہم سے بالاتر ہوتی ہے یا ادب سے دلچسپی رکھنے والون کے لیے پست ہوتی ہین - اگر ہندوستانی شاعری کا مستقبل شاندار بنانا ضروری ہے تو اس بات کی سخت کوشش ہونا چاہیئے - کہ زبان محدود محاورون اور روزمرہ کے اندر محدود نہ رہ جائے یہ شاعری درباری رسوم اور شاہی لوازمات کی بنا پر رسمی سی ہوگئی ہے - اسکے علاوہ یہ بھی ضروری ہے کہ عام نظمون کی زبان کو صاف کیا جائے میری اس رائے کو قطعی اور یقینی نہ سمجھ لینا چاہیئے - کیونکہ اُن لوگون کو اس مین ترمیم کا پورا حق ہے جو مجھے بہتر رائے دے سکتے ہین - لیکن جہانتک مین سمجھ سکا ہون دیہات کے گیتون اور راگون مین بہت سے ایسے موجود ہین جن کی زبان عمدہ ہے اور جو دلپذیر بہ نسبت بعض مسلّم اُستادون کے کلام کے زیادہ زیادہ اثر کرتے ہین - کم از کم مین سمجھتا ہون کہ اس تجویز کی ضرورت ہے کہ ملکہ الزبتھ کے زمانے سے جو شان انگریزی زبان مین پیدا ہوئی ہے اسکی اُردو مین کمی ہے - ہندوستان مین فطری حُسن بہت کافی ہے - جو لوگون کو اپنے جذبات شاعری کی شکل مین ظاہر کرنے پر مجبور کرسکتا ہے - مجھے اُمید ہے کہ اکاڈیمی شعرا کی ہمّت افزائی کرے گی -

ترجمہ ترجمہ کے متعلق مین کچھ بحث اوپر کر چکا ہون - ممکن ہے کہ یہ ایک مفید ضرورت ہو - لیکن ترجمہ اور مستقل ہوتی تصنیف مین جو فرق ہے وہ ہمین کبھی فراموش نہ کرنا چاہیئے - میرا خیال یہ بھی ہے کہ جتنی زیادہ اہمیت ترجمے کو دی جائیگی - اتنی ہی مستقل تصانیف کی راہ مین دِقّتین

پیدا ہونگی۔ اصل چیز یہ نہین ہے کہ آپ دوسرون کے خیالات کے متعلق اپنی زبان مین الفاظ تلاش کرین بلکہ ضروری یہ ہے کہ خیالات بھی آپ کے ہون اور زبان بھی آپ ہی کی ہو۔ لیکن اگر ترجمے نہایت ہی ضروری ہون تو مجھے امید ہے کہ ایک چیز کا ضرور ہی لحاظ رکھا جائے گا۔ ترجمہ خود کوئی عمدہ کام نہین ہے۔ اسکی خوبی یہ قرار دی جاسکتی ہے کہ وہ عمدہ طور پر کیا گیا ہے۔ لیکن یہ کام کبھی عمدگی سے نہین ہو سکتا اگر وقت کے بعد کیا جائے بے اصول ترجمہ مین کوئی روح نہین باقی رہتی، بلکہ بعض اوقات تو یہ اصل کی خوبی کو بھی برباد کر دیتا ہے۔ اگر کسی سے کوئی ترجمہ کرایا جائے تو پہلے یہ معلوم کر لینا چاہیئے کہ وہ ہندی یا اُردو زبان سے واقف ہے اور جس مضمون کا ترجمہ کر رہا ہے اسکو بھی پوری طور پر سمجھتا ہے اور تب اسکے ترجمہ پر ان لوگون کو رائے دینا چاہیئے جو خود بھی واقف ہون۔

اُردو ہندی

گورنمنٹ رزولیوشن جسکے روسے اکاڈیمی قائم کی گئی ہے۔ اُردو ہندی کو ایک درجہ دیتا ہے اور دونون کو اس صوبہ کی زبانین تسلیم کرتا ہے۔ اور دونون کو ہندوستانی کے لفظ سے خطاب کرتا ہے۔ اگر مجھے اسکا گمان ہوتا کہ اس انجمن کے قیام سے اُردو ہندی کا جھگڑا از سر نو پیدا ہو جائے گا۔ تو مین اپنے معزز رفیق کار کی اس تجویز کی تائید نہ کرتا۔ مجھے یقین ہے کہ یہ جھگڑا اب نہ پیدا ہوگا۔ مجھے یاد ہے کہ موسیقی کے بارہ مین آنریبل رائے راجیشور بلی نے کہا تھا کہ اسمین سارے اختلافات کی راگنیان دب گئی ہین۔ کیونکہ موسیقی کی دیوی دنیا مین، امن اور اتفاق پیدا کرنے آئی تھی نہ کہ نا اتفاقی۔ بالکل یہی ادب کے معاملہ مین ہونا چاہیئے۔ انسان کو زبان اسلیے عطا کی گئی ہے۔ کہ وہ ایک دوسرے سے تبادلہ خیالات کر سکین نہ اس لیے کہ وہ ایک دوسرے سے ٹڑائی مول لیت۔ لیکن مین دیکھتا ہون کہ اکاڈمی کو ابتداء سے چند مشکلات کا سامنا کرنا پڑیگا۔ اور ان پر بہت کافی غور کرنے کی ضرورت ہے۔ مین یہان اس سے بحث نہ کرونگا کہ اُردو اور ہندی ایک ہین یا دو مختلف زبانین ہین۔ مین صرف یہ کہتا ہون کہ چند باتوں مین دونون مین اختلاف ہے۔ جیسا آپ کو معلوم ہے حکومت کا منشاء اس مسئلہ پر بحث کرنے سے صرف یہ تھا کہ مدارس مین کیا اصول برتا جائے۔ اور اس منشاء کو پورا کرنے کے لیے کچھ ادب مہیا کیا گیا ہے۔ جو دونون زبانون مین مشترک ہے۔ اس سے صرف ایک مقصد بہت محدود طریقہ پر پورا ہوا ہے۔ اور مین سمجھتا ہون کہ اکاڈمی جسکا منشاء، دونون زبانون کو

ترقی دینا ہے اس پر قانع نہین رہ سکتی مین نے ایک مضمون کسی ہندوستانی کا لکھا ہوا دیکھا جسمین مضمون نگار نے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ "ادبی حسن اور محاورون کی خوبی انتہائی درجہ پر اسی وقت ظاہر ہو سکتی ہے جب زبان خود اپنے بازوٗن کے زور پر ترقی کرلے۔ اگر زبردستی زبان کا سرکاری کمیٹیون سے تعلق باقی رکھا گیا تو زبان کی خوبی تشریف لیجائے گی۔ ۔ ۔ ۔ یہ عقلمندی سے بعید ہے کہ زبان پر مصنوعی اور خارجی طور سے دباوٗ ڈالکر ادب کی ترقی مین کوشش کی جائے۔"

مین زبان کے طالبعلم اور ادب سے ذوق رکھنے والے کی حیثیت سے ان باتون سے بالکل متفق ہون۔ اگر اُردو اور ہندی دونون انتہائی سرگرمی سے کام لین تو دونون کو ترقی کا پورا پورا حق ملنا چاہیئے۔ لیکن عملی حیثیت سے ہمین دیکھنا چاہیئے کہ نتائج کیا ہونگے اور ہمین کیا کیا پیش بندیان کرنا چاہیئے۔ ایک خطرہ یہ ہے کہ ادبی منافع جو کچھ ہون انکو سیاسی نقصان برباد کردے گا۔ زبان کا اختلاف ہندو مسلمانون کے تعلقات مین ایک حد تک کشیدگی پیدا کرنے کا ذمہ دار ہے۔ لیکن اگر اسکی کوشش کی گئی کہ یہ کشیدگی اور بڑھے تو مین اسکے لیے آمادہ ہون کہ اسے غداری قرار [illegible]دن۔ یہ معاملہ ایسا ہے جس کے لیے کوئی قانون نہین بنایا جا سکتا۔ بلکہ صرف لوگون کے احساس سے ممکن ہے کہ اسکی اصلاح ہو سکے۔ ہر ہندی سے لکھنے والے کے پیش نظر یہ مقصد ہونا چاہیئے کہ وہ مسلمانون کے پڑھنے کے لیے کتاب لکھ رہا ہے۔ اور اسی طرح مسلمانون کو یہ خیال رکھنا چاہیے کہ انکی لکھی ہوئی کتاب کو ہندو پڑھین گے۔ ممکن ہے کہ یہ امید پوری نہ ہو۔ لیکن مین یہ امید کر سکتا ہون کہ اکاڈیمی کے اراکین اس پر بالکل تیار رہین گے کہ وہ کسی زبان مین فرقہ وارانہ شان نہ پیدا ہونے دینگے اور زبانون کو ایک مخصوص جماعت کی زبان نہ ہونے دینگے مثال کے طور پر یون سمجھئے کہ اگر اُردو لکھنے والے عربی کے جملے استعمال کرین۔ جیسا کہ بعض پولیس کے روزنامچے لکھنے والے کچھ دن پہلے کیا کرتے تھے یا ہندو مصنفین سنسکرت کے الفاظ خواہ مخواہ اپنی عبارت مین بھرین تو یہ لوگ دوہری مصیبت ڈھاتے ہین۔ پہلا جرم ان کا یہ ہے کہ وہ خود بھی دوسرے فریق سے دور ہوتے جاتے ہین اور اپنے ناظرین کو بھی ان سے دور کرتے ہین۔ اسطرح یہ ادبی جرم سے زیادہ معاشرتی جرم ہے۔ اس کے علاوہ اس طریقہ سے وہ اپنی کتابون کو ناقابل فہم بناتے ہین۔ جنکو عام آدمی نہین سمجھ سکتے۔ [illegible] ایک ایسے

گنا دب جودہ اکاڈیمی کے مقاصد کے خلاف کرتے ہین اور مجھے اُمید ہے کہ اراکین اکاڈیمی اسکا خیال رکھین گے۔

مبارکباد آخر مین مجھے اپنے معزز رفیق کار کو مبارکباد دینا چاہیئے۔ ہم اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھتے ہین کہ ہمین سر تیج بہادر سا علم دوست اور عالم باعمل شخص اسکی صدارت کے لیے ملگیا۔ مین ان کا اور نیز دوسرے اراکین کا بھی شکریہ ادا کرتا ہون جنہون نے اسکی رکنیت قبول کی ہے مین اکاڈیمی کے باقاعدہ افتتاح کا اعلان کرتا ہون اور اُمید کرتا ہون کہ جن لوگون کی سرپرستی مین اکاڈیمی کام کریگی ان کے زیر سایہ یہ انجمن صوبہ کے ادب کی ہمت افزائی کریگی اور اسکا معیار بلند کر دیگی ۔ اور ان کتابون کے ذریعہ سے جو ملکی زبان مین لکھی جائینگی یہ انجمن ملک مین علمدوستی کا احساس پیدا کر دے گی۔ اگر یہ اُمید پوری ہوئی تو سب اسکو تسلیم کرینگے کہ یہ انجمن دور موجودہ کے مفید خلائق کامون مین سے کم درجہ کی چیز نہین ہے۔

---

(۱) خوبصورتی سے عورت مغرور ہوجاتی ہے۔ نیکی سے اسکی تعریف ہوتی ہے۔ حیا سے وہ دیوی بنجاتی ہے۔

(شکسپیر)

(۲) عورت اپنی میٹھی پیاری آواز سے شوہر کو نیکی کرنے پر مستعد و مائل کرسکتی ہے۔ اسکا غم غلط کرسکتی ہے اور اپنے خویش و اقارب کی راحت کا باعث بن سکتی ہے۔

دنیا عورت کی کتاب ہے۔ وہ کتابون سے اسقدر نہین سیکھتی جسقدر کہ مشاہدہ سے

رنج ہو تو عورت ساتھ دیتی ہے۔ راحت ہو تو اسکو دوبالا کر دیتی ہے۔

عورت برکت ہے نیک کام اسطرح ہوتے ہین جسطرح آسمان سے باران رحمت۔ اسکو معلوم ہی نہین کہ برکت دینے سے بڑھکر بھی کوئی آسان کام ہے۔

بھاشا اور اسکے نورتن

(۸)

دیودت

دیودت جی کا مکان اٹاوہ تھا ۱۶۷۳ء مین آپ کی پیدائش ہوئی دیو تخلص کرتے تھے۔ آپکا شمار محض نورتنون ہی مین نہین بلکہ نورتنون مین سورداس اور تلسی داس کو چھوڑکر سب سے بلند پایہ پر ہے۔ آپ کی واقفیت و تجربہ سب سے بڑھا ہے آپکی شاعری سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے سارے ہندوستان کی سیر کی ہے۔ آپ کی تصانیف مین بہتر کتابین بتائی جاتی ہین مگر اسوقت تک چھبیس کتابون کا پتہ چل سکا ہے۔

آپ نے ہندی شاعری کے جملہ اقسام پر طبع آزمائی کی ہے۔ تشبیہہ تمثیل کی ندرت۔ جذبات کی مصوری جیسی آپ نے کی ہے کسی نے نہین کی ان کی شاعری مین رطب ویابس کا پتہ نہین۔ اگر کہین ہے تو ایسا کہ نہ ہونے کے برابر۔ نفیس و لطیف تخیل سے آپکا کلام لبریز ہے۔ بھاشا کا کلام ہر لحاظ سے آپ کی شاعری مین موجود ہے اچھے اچھے جذبات پاکیزہ تخیلات آپ کے کلام مین کوٹ کوٹ کر بھرے ہین۔

آپ کے متعلق مشر بندھو ؤن نے اپنے "مشر بندھو بنود" مین یون تحریر فرمایا ہے۔ جیسے سنسکرت کی شاعری مین کالیداس سب سے بڑے شاعر مانے جاتے ہین ویسے ہی بھاشا مین ان کا مقابل تلاش کرنا مشکل کام ہے مہاتما تلسی داس کی مثال سورج اور چاند سے دی گئی ہے مگر مختلف ہندی عالمون کی یہ رائے ہے کہ ان کی جامعیت دیکھکر ان کو آسمان سخن ماننا پڑے گا جسمین چاند اور سورج گشت لگاتے ہین۔ بہت سے ایسے بھی موجود ہین جو مہاتما تلسی داس اور سورداس سے انکو افضل مانتے ہین مگر ہملوگون کی یہ رائے نہین ہے۔

لیکن ساتھ ہی ساتھ ان لوگون سے کوئی کمی بھی نہین بتا سکتے"

... حالت کا لحاظ

نہ کرنا بھی ظلم ہے۔ اب اگر کوئی بیچارے چندر بردائی کو دیودت کے مقابلہ مین لائے اور سلاست زبان کا مقابلہ کرے اور اس لحاظ سے دیودت کو ترجیح دے تو یہ سراسر ظلم ہے۔ ہر زبان کی شاعری مین آپ دیکھین گے کہ پہلے سادے الفاظ اور سادے خیالات رہے ہین اور ساتھ ہی ساتھ زبان کی ناہمواری بھی سدّراہ رہی ہے۔ عربی فارسی اُردو کے شعرائے متقدمین، متوسطین، متاخرین کے کلام اس دعوے کے ثبوت ہین۔ یہی حال بعینہ بھاشا کا بھی ہے چندر بردائی کا زمانہ اسکی ابتدا کا زمانہ تھا۔ دیودت کا زمانہ اس کے شباب کا۔ جو جو دشواریان زبان مین تھین رفع ہو چکی تھین۔ پرانے شعراء نے راستہ صاف کر دیا تھا۔ اب یہ زمین اس قابل بن گئی تھی کہ اچھے اچھے گل بوٹے پیدا کر سکو البتہ ہوشیار مالی کی ضرورت تھی۔

چندر بردائی، جلھن، نرسنگھ ناتھ وغیرہ کے کلام کو دیکھیئے اور پھر متی رام اور دیودت کے کلام کو تو صاف صاف نظر آئے گا کہ وہی باتین وہی خیالات وہی مضامین لطیف و پاکیزہ پوشاک مین جلوہ گر ہین۔ ان کی زبان مین اگر کرختگی ہے تو ان کے یہان لوچ اور گھلاوٹ ہے دیودت کے کلام دیکھنے کے بعد ماننا پڑتا ہے کہ شاعر مطالعہ فطرت مین کتنی غائر نظر رکھتا ہے۔ اور کلام کو لفظون کے منترون سے کیسا جادو بنا دیتا ہے۔ دیودت جی کو محاکات مین زبردست ملکہ ہے۔ آپ کے کلام مین زبان کی سلاست کے ساتھ ساتھ متانت کا جوہر زائل نہین ہونے پاتا مجھے ان کے کلام کے انتخاب مین سب سے بڑی دقت یہ پیش آئی کہ جس کبت یا چھند پر نگاہ پڑی دل فریب نظر آیا جی چاہا کہ اسکو انتخاب کر لون مگر ایک مختصر مضمون مین اتنی گنجائش کہان کہ ان کا سارا کلام جمع کر دیا جائے۔ واقعہ یہ ہے کہ ان کے کلام کے خوبیون کے لحاظ سے ایک ایک چھند یا ایک ایک کبت لی جائے تو کتاب تیار ہو جائے۔ مین نے تو ان کے کلام سے سیر ہونے کی تمنا ہی چھوڑ دی کیونکہ جب جب دیکھا نیا نیا لطف اُٹھایا ؎

دامان نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار
گلچین بہار تو ز دامان گلہ دارد

مضامین کے لحاظ سے متقدمین کے کلام مین ہمیشہ سادگی رہی جون جون زمانہ ترقی کرتا گیا جدت، استعارات، تشبیہات، مضامین مین ندرت پیدا ہوتی گئی۔

اب مین نذر ناظرین ذیل مین [illegible] ان کے کلام کا نمونہ باختصار پیش کرتا ہون اور انشاءاللہ

اگر ناظرین نے پسند فرمایا تو آیندہ بھی ان کا چیدہ کلام پیش کرتا رہونگا۔

रीझि रीझि रहसि रहसि हंसि उठे।

ریجھ ریجھ رہس رہس ہنس ہنس اُٹھے

सांसे भरि आंसू भरि कहत दई दई॥

سانسین بھری آنسو بھری کہت دئی دئی

चौंकि चौंकि चकि चकि उचकि उचकि देव।

چونک چونک چک چک اوچک اوچک دیو

जकि जकि बकि बकि परत बई बई॥

جک جک بک بک پرت بئی بئی

दुहुन को रूप गुन दोउ बरनत फिरै।

دُھنی کو روپ گن دُوُ برنت پھرے

घर न थिरात रीति नेह की नई नई॥

گھر نہ تھرات ریت نیہہ کی نئی نئی

मोहि मोहि मोहन को मन भयो राधिका में।

موہی موہی موہن کو من بھیو رادھکا مین

राधा मन मोहि मोहि मोहन मई मई॥

رادھکا من موہی موہی موہن مئی مئی

مطلب

مختلف جذبات وکیفیات جو عاشق ومعشوق پر طاری ہوتے ہین انکا مرقع ملاحظہ ہو۔
کرشن جی مبہوت ہو ہو کر خوش ہو ہو کر ہنس ہنس کر اُٹھتے ہین۔ اور رادھا آنسو اور ٹھنڈی سانسین بھر بھر کر "دئی، دئی" کہتی ہین۔ دیو دت کہتے ہین رادھا بھی سراپا حیرت ہوتی ہے چونک چونک پڑتی ہے، یا کبھی اُچک پڑتی ہے۔ کبھی سودائیون کی طرح زق زق بق بق کرتی ہے رادھا کی خوبی کرشن بیان کرتے ہین اور کرشن کی [illegible] رادھا بیان کرتی ہین

دونوں کو مکان پر قرار نہیں، رادھا کی خوبصورتی پر کرشن جی کا من عاشق ہوکر رادھا میں محو ہوگیا ہے۔ اور کرشن جی کی من موہنی مورت رادھا کا من عاشق ہوکر کرشن جی میں محو ہوگیا ہے۔"

सखी के सकोच गुरु सोच मृग लोचनि री

سکھی کے سکوچ گرو سوچ مرگ لوچن ری

सानी पिय सों जू उन नेकु हंसि छुयो गात

سانی پیہ سون جو اُن نیک ہنس چھویو گات

देव वै सुभाय मुसुकाय उठि गये यहि।

دیو دے سبھاؤ مسکائے اُٹھ گئے یہی

सिसिक सिसिक निसि खोइ रोय पायो प्रात॥

سسک سسک نس کھوئی روئے پایو پرات

को जानै री बीर बिनु बिरही बिरह बिथा।

کو جانے ری بیر بنو برہی برہی بتھا

हाय हाय कार पछिताय न कछु सोहात।

ہائے ہائے کر پچھتائے نہ کچھو سہات

बड़े बड़े नैनन सों आँसू भरि भरि ढरि।

بڑے بڑے نین سون آنسو بھری بھری ڈھرے

गोरे गोरे मुख आज ओरों सो बिलानो जात॥

گورے گورے مکھ آج اورو سون بلا نون جات

مطلب

"رادھا کرشن جی پر اس وجہ غصہ ہوئی کہ کرشن جی نے سکھیوں کی موجودگی اور گرو کے سامنے ہی ہنس کر ذرا سا گال چھو لیا" اور "دیو دت" کہتے ہیں کہ کرشن جی عادتاً مسکرا کر اُٹھ گئے۔ مگر یہاں رادھا کا یہ عالم ہوا کہ رات سسکتے گزر گئی اور رو رو کر سویرا کر دیا

اس دردِ محبت کو کون سمجھ سکتا ہے کہ سری کرشن جی کی جدائی مین کون ہائے ہائے کرتا ہے
اور چھپا چھپا کر ہاتھ ملتا ہے رادھکا کا یہ عالم ہے کہ بڑی بڑی آنکھون سے آنسو ٹپکتے ہین
اور چہرہ طپشِ غم سے یون اُڑا جاتا ہے جیسے اولا۔ اس کبت پر معترضون کے چند
اعتراض ہین اوّل گرو کے سامنے یہ حرکت خلاف تہذیب دوسرے हरी व सादानी الگ الگ
خلاف ہے ایک نقطہ یون توڑنا مناسب نہین۔ یہ دونون باتین مجھے بھی تسلیم ہین۔ مرگ لوچنا
اور مرگ لوچنی کے اعتراض کی نسبت میرا خیال ہے کہ درحقیقت مرگ لوچن کے بجائے
مرگ لوچنی ہی تھا یہ کاتب کی غلطی ہے۔ निस کھونا प्रात پانا
پر اعتراض یہ کہ کوئی ایسی چیز نہین کہ کھوئی اور پائی جائے میرے رائے مین اس قسم کا معنی
داخل حسن ہے نہ کہ قبح اردو مین اسکی مثال ہزارون مین ممکن ہے کہ بھاشا اسکو برداشت
نہ کرسکے۔ گنگال کو اوسے سے تشبیہہ غیر مکمل ہے یہ مجھے بھی تسلیم ہے۔

औचक अगाध सिन्धु स्याही को उमड़ि आयो

اوچک اگادھ سندھو سیاہی کو اُمنڈ آیو

योमें तीनों लोक बूड़ि गयो एक संग में।

ے تینون لوک بوڑگیو ایک سنگ مین

कारे कारे आखर लिखे जु कारे कागद

کارے کارے آکھر لکھے جو کورے کاگد

सुन्यारे करि बाँचै कौन जाँचै चित्त भंग में।

سونیارے کر باچے کون جاچے چت بھنگ مین

आँखिन में तिमिर अमावस की रैनि जिमि।

آنکھین مین تمر اماس کی رین جسم

जम्बु नद बुन्द जमुना जल तरंग में

جمبو ند بوند جمنا جل ترنگ مین

योंही मन मेरो मेरे काम को न रह्यो माई।

یون ہی من میرو میرے کام کو نہ رہیو مائی

स्याम रंग ह्वै करि समान्यो स्याम रंग मैं

سیام رنگ ہوکر سمانیو سیام رنگ مین

مطلب

رادھا نے سری کرشن جی کو بلانے کے لیے خط لکھا جسکا جواب لیکر قاصد آیا ہے۔ اس کیفیت کے اظہار کا کمال دیکھئے۔

یکبیک سیاہی کا بحر نا پیدا کنار اُمنڈ آیا اور اس مین تینون لوک ڈوب گئے مین منتظر تھی کہ کرشن جی تشریف لاتے ہونگے مگر قاصد تنہا واپس آرہا ہے۔ اور ہاتھ مین خط لیے ہے، کہان خیال یہ تھا کہ جواب مین قاصد کے ہمراہ خود آوینگے کہان قاصد تنہا اور خط کا جواب لیے ہوئے آتا نظر پڑتا ہے، اس صورت مین رادھکا کی آنکھون مین اندھیرا نہین چھا گیا بلکہ ایک سیاہی کا سمندر اُمنڈ آیا۔ مین تینون لوک ڈوب گئے۔ اے سکھی یہ کالے کالے حروف جو خط مین لکھے ہین۔ اس دل شکستگی کے عالم مین کون پڑھے ہماری آنکھون مین اندھیرا چھایا ہے۔ جس طرح جمنا ندی کی بوند جمنا کی لہرون مین بہ سبب سیاہی و ہمرنگی ملجاتے ہین اسی طرح "اے مائی" میرا من بھی میرے کام کا نہین رہگیا وہ کالا تھا اور اپنے ہمرنگ یعنی کرشن جی مین ملگیا۔

कोई कहो कुलटा कुलीन अकुलीन कहौ।

کوئی کہو کلٹا ، کلین ، اکلین کہو

कोइ कहौ रङ्किनी कलङ्किनी कुनारि हौं।

کوئی کہو رنکنی کلنکنی کونا ری ہون

कैसे यह लोक नर लोक वरलोकने मैं॥

کیسے یہ لوک نرلوک برلوکن مین

लीन्हीं मैं. अलोक लोक लोकनि ते न्यारी हौं।

یعنی من الوک لوک لوکن تے نیاری ہون

तन जाउ मन जाउ देव गुरु जन जाउ।

تن جائے من جائے "دیو" گروجن جائے

जीव किन जाउ टेक टरत न टारिहौं।

جیو کن جائے ٹیک ٹرت نہ ٹاری ہون

वृन्दा बनवारी बनवारी की मुकुट वारी।

برندا بنواری بنواری کی مکٹ واری

पीत पट वारी नहिं मूरति पै वारी हौं।

پیت پٹ واری نہین مورت پے واری ہون

مطلب

مین ان کے عشق مین اسکی پروا نہین کرتی کہ کوئی مجھے کیا کہہ رہا ہے۔ میرے افعال حرکات جو بیخودی عشق مین سرزد ہوتے ہین۔ اس سے کوئی مجھے خراب کہے یا بُرا خاندان والا یا بڑے خاندان والا کہے۔ کوئی غریب کہے۔ کلنکنی یا بری عورت کہے اتنا میرا وجود بھی دنیا مین کیسا نرالا ہے۔ اب تو یہ میری ضد نہین ٹوٹتی چاہے جسم، جان، دیوتا گرو حتی کہ تمام لوگ ہی کیون نہ چھوٹ جائین۔ مین بندرابن جہان پر اُس مرکز محبت سے ملاقات ہوتی تھی۔ اسپر نثار، کرشن جی کی پیاری مکٹ پر نثار، ان کے پیلے لباس پہ نثار، یہ چیزین تو ایک حیثیت رکھتی ہین مین ان کی صورت پر نثار۔

ऐसो जो हौं जानतो कि जैहै तू विषै के संग,

एरे मन मेरे, हाथ पांव तेरे तोरतो

आजु लौं हौं कत नर नाहन को नहीं सुनि,

नेह सों निहारि हारि बदन निहोरतो

चलन न देतो देव चंचल अचल करि,

चाबुक चितावनीन मारि मुँह मोरतो।

भारी प्रेम - पाथर नगारि दै गरे सेा बाँधि,

राधा वर विरुद्ध के वारिधि में बोरतो॥

مطلب

اے دل اگر مجھے ایسا معلوم ہوتا کہ تو علائق دنیاوی میں پھنس جاوے گا تو میں تیرے ہاتھ پاؤں توڑ کر رکھ دیتا - آجتک میں نے راجاؤں کو بھی اس طرح حکومت کرتے نہیں دیکھا " میں محبت سے مجبور ہو کر تجھے نہ دیکھتا -

دیودت کہتے ہیں کہ اے من تجھے بھٹکنے نہ دیتا بلکہ مستقل اور مضبوط رکھتا اور عبرت نصائح کے تازیانے مار مار کر علائق دنیاوی سے موڑتا - اور کرشن جی کی محبت کا بھاری پتھر تیرے گلے میں ڈالکر ان کی محبت کے سمندر میں ڈبو دیتا -

धाये फिरो ब्रज में, नचाये नित नंद जू के।

गोपिन सधाये, नाचो गोपन की भीर में।

देव मति मूढ़े तुम्हें ढूँढ़े, कहाँ पावे चढ़े।

पारथ के रथ पैठे जमुना के नीर में॥

आँकुस है दौरि हरनाकुस को फारयो उर,

साथी ना पुकारयो, हते हाथी हिय तीर में।

विदुर की भाजी, बेर भीलनी के खाय,

विप्र चाउर चबाय, दुरे द्रोपदी के चीर में॥

مطلب

کرشن جی کبھی برج میں دوڑتے پھرتے ہیں - کبھی نند جی کے گھر میں رہتے ہیں کبھی گوپیوں کے ساتھ رہتے ہیں کبھی گوپوں کے ساتھ ناچتے ہیں

دیودت کہتے ہیں کہ میرا بے وقوف دل تمہیں کہاں پاوے - کبھی تم ارجن کی گاڑی بان بنے رہتے ہو - کبھی جمنا کے کنارے رہتے ہو کبھی ہرنکس ناکس کو مارنے

کے لیے اپنے ناخن سے اسکا کلیجہ پھاڑا کبھی ہاتھی کے بچانے کے لئے مگر (گھڑیال) کو مارا
کبھی دھرتراسٹر کے خوانِ نعمت کو چھوڑ کر بدر کا ساگ پات قبول کیا - کبھی سدا ما
کا چاول پسند فرمایا اور کبھی دروپدی کی ساری میں اپنی کرامات ظاہر کی غرض تمہیں
ڈھونڈھنے میں میرا بیوقوف دل حیران ہے تمہیں بتاؤ کہاں ڈھونڈھے -

सवैया

सुनि के धुनि चातक मोरन की चहुँ ओरन कोकिल कूकिन सों।
سن کے دھن چاتک موران کی چہون اورن کوکل کوکن سون
अनुराग भरे हरि बागिन मैं सखि रागत राग अचूकन सों।
انوراگ بھرے ہری باگن مین سکھی راگت راگ اچوکن سون
कवि देव घटा उनई जुनई बनभूमि भई दल दूकनि सों।
کوی دیو گھٹا اونئی جونئی بن بھومی بھئی دل دوکن سون
रंगरात हरी हहरातीं लता झुकि जात समीर के झूकनि सों
رنگرات ہری ہہرات لتی جھکی جات سمیر کے جھونکن سون

مناظر

مطلب - پپیہے، مور، اور کوئل کی آواز چاروں طرف سنائی دیتی ہے - اور اے سکھی
ہرے ہرے باغ میں چڑیاں محبت سے بھری ہوئی اچوک راگ گاتی ہیں "دیو" کوی
کہتے ہیں کہ گھٹا کے گھر آنے سے تمام زمین ہری ہوگئی ہے - ہوا تیزی سے چلتی ہے اور اسکے جھونکے
سے خوبصورت سبزے جھک جھک جاتے ہیں -

شرح نویسوں نے دیو جی کے کلام پر بے لاگ تبصرہ کیا ہے - مگر ان کو بھی [illegible]
ان سے کے علاوہ چارہ نہیں رہا مضمون بہت زیادہ طویل ہوگیا ورنہ انکی شاعری
کی خاص خاص خوبیاں پیش کرتا - میں نے معمولی مطلب خیز ترجمہ کردیا ہے - نکات ناظرین
کے ذوق پر چھوڑ کر رخصت ہوتا ہوں -

کلیم اعظم گڈھی

فلکیاتِ یونان

اس سلسلہ مین یونان کے بہت سے کارنامے ہین جنکو پروفیسر بل Prof BOLL
نے ایک مستقل کتاب مین لکھا ہے - یہ کتاب سنہ ۱۹۰۳ء مین جرمن زبان مین شائع ہوئی ہے اور اسکی
بدولت یونانی علم الفلک کے بہت سے عقدے حل ہو گئے ہین -

اسمین کچھ شک نہین کہ آسمان کو سات طبقے ماننا قدمار بابل کا خیال ہے - اور اُسکی نہ صرف
یونان بلکہ تمام دنیا نے اس معاملہ مین علانیہ تقلید کی ہے - تاہم یونانیون نے اس پر بہت کچھ اضافہ
کیا ہے - جو کسی طرح نظر انداز نہین کیا جا سکتا - چنانچہ اسطرلاب (Astrolabe Plan
جسسے ستارون کا بُعد معلوم ہوتا ہے یہین کی ایجاد ہے،[1] آلہ ذات الحلق[2] بھی جو اسطرلاب کے بجائے
کام آتا ہے - یہین بنایا گیا - اور اُسکا مجسطی مین ذکر آیا ہے،[3] اسی طرح ذات الشعبتین اور حلقہ
عندائیہ بھی یہین بنائے گئے ہین -

علم الفلک کی بہت سی اصطلاحات یہین وضع ہوئین - اور اُنکو دوسری قومون نے اپنے
یہان رواج دیا - مثلاً درجہ عربی مین برج کے تیسرے حصے اور دقیقہ برج کے پانچوین حصے کو کہتے ہین اور
یہ دونون لفظ یونانی اصطلاحات کے ترجمے ہین۔[4] اسی طرح صورت کا لفظ بھی ہے،[5] تو دیا تختر کا خیال
بھی یونانیون سے لیا گیا ہے جسکو وہ لوگ ابیمیسیا کہتے ہین -[6]

یونانیون کا علم الفلک مین ایک مستقل مذہب ہے - جو بابل اور مصر سے بالکل مختلف ہے -

---

[1] کنز العلوم صفحہ ۱۹۰
[2] Sphere armillaire
[3] علم الفلک صفحہ ۱۸۰ - [4] علم الفلک صفحہ ۱۹۰ [5] علم الافلاک ۱۱۱ [6] علم الافلاک صفحہ ۱۳۳ -

چنانچہ قدماء یونان نوء کے قائل تھے۔ اور شمسی سال کے زمانے اور فصلین متعین کرنے کے لیے وہ ستارون کے طلوع و غروب کو دیکھا کرتے تھے۔ کیونکہ اُنکا سال آفتاب و ماہتاب دونون کی حرکت[ل] سے ماخوذ تھا۔ ان باتون کے علاوہ آیندہ ہونے والے موسمی واقعات کو بھی وہ اُنھی کے ذریعہ سے معلوم کرتے تھے۔ مثلاً پانی کب برسے گا؟ ہوا کب چلے گی؟ سردی اور گرمی کب پڑے گی۔ وغیرہ اور اسکو وہ جدولون مین تقویم کی صورت مین لکھکر عوام کی آگاہی کے لیے ستونون پر لٹکاتے تھے اور ان جدولون کو "پراپغما" کہتے تھے[۲]

علماء فلکیات مین سے ثاوفرسطس ستارون کو ذی عقل، ذی روح، اور صاحب تدبیر تسلیم کرتا تھا لیکن اُنکی روح کو نباتی نہین مانتا تھا۔ یعنی اُسمین گھٹنے اور بڑھنے کی قابلیت نہین ہے۔ اسی بنا پر وہ کہا کرتا تھا کہ جسطرح زمین انسانون کا مسکن ہے، آسمان ستارون کا مسکن ہین[۳]

ستارون کے مقامات اور شکلون کی نسبت بھی یونانیون کے خاص خیالات تھے جن کو بطلیموس نے مجسطی مین لخص کرکے بیان کیا ہے۔ بطلیموس کے نزدیک ستارون کے اڑتالیس جھنڈ یا شکلین ہین، جنمین سے اکیس کرۂ فلک کے نصف شمالی مین، بارہ منطقۃ البروج مین، اور پندرہ آسمان کے نصف جنوبی مین واقع ہین۔ چنانچہ انھی کے مطابق اُسنے مجسطی (باب اول مقالہ ہشتم) مین ایکہزار بائیس ستارون کا تذکرہ کیا ہے۔ اور اُن کے نام اور اُن کے طول و عرض وغیرہ پر گفتگو کی ہے[۴]۔

لیکن یونان مین ان شکلون کے علاوہ اور شکلین بھی مانی گئی ہین، جو نجومیون کی کتابون مین مذکور ہین۔ اور جنمین سے بعض کا ذکر تیوکرس (Teukros) کی کتاب مین آیا ہے[۵]۔

اِن لوگون کے علاوہ ارسطرخس (Aristarches)، درونیوس (Dorotheos) انطیقوس (Antichos)، اور ثاذوسیوس (Theodosios) وغیرہ نے بھی ان مباحث پر کتابین لکھین تھین جو دوسری قومون کا ماخذ قرار پائین۔

سعید انصاری

ل — Anne Lunisolaire

[۲] علم الفلک صفحہ ۱۳۳۔ [۳] شہرستانی صفحہ ۰۰۔ [۴] علم الفلک صفحہ ۱۲۱۔ [۵] علم الفلک صفحہ ۲۰۰۔

افسق برہان پوری

فنون لطیفہ مین موسیقی، بت تراشی۔ مصوری اور شاعری اپنے موضوع کے لحاظ سے بہترین فن مین لیکن ارباب ذوق نے بعض اسباب سے ان مین شاعری کو ترجیح دی ہے۔ کیونکہ ایک برجستہ اور لطیف شعر انسان کے تمام جذبات کو آن واحد مین مشتعل کر دیتا ہے اور اسکے عام اثر سے حواس خمسہ بھڑک اٹھتے ہین اور انہین قوی جذبات کا نتیجہ ہے کہ شعراء اپنے گروہ کو "تلامیذ الرحمٰن" کہتے ہین گویا۔ براہ راست خدائی یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ ہین۔

ہر قوم مین کسی نامور شاعر کا پیدا ہونا اسکے فخر و مباہات اور بقائے دوام کے لیے کافی ہے اور یہ بھی ایک مسلمہ مسئلہ ہے کہ شاعری تمدن و معاشرت کے مختلف شعبون پر اپنا اثر ڈالتی ہے۔ مثلاً شعرائے عرب نے عہد جاہلیت مین شاعری سے جوہر شجاعت کو خوب چمکایا۔ اسی طرح ہندوستان اور ایران کی قدیم شاعری نے فن حرب، اخلاق اور تصوف کو نمایان کیا۔ لیکن جب کسی قوم کے اخلاق بگڑتے ہین تو اسکی شاعری بھی خراب ہو کر مایۂ فساد بن جاتی ہے۔ اور اس عہد کی شاعری قومی اخلاق اور تہذیب و آداب کا آئینہ ہوتی ہے۔

ہندوستان مین جب ہندی (اردو) شاعری کا آغاز ہوا تو ایک زمانہ دراز تک وہ دوہرون، پہیلیون اور مکریون وغیرہ کی صورت مین جلوہ گر رہی اس کے بعد مذہبی نظمین لکھی گئین اور شعرائے دکن نے مرثیے سلام اور نوحے لکھے چنانچہ ولی دکنی سے پہلے نظم کا جو ذخیرہ موجود ہے وہ اسی قسم کا ہے۔ اسکے بعد عاشقانہ شاعری عالم وجود مین آئی۔ اور فارسی بحرون مین ہندی غزلین لکھی جانا شروع ہوئین اور شاہ ولی اللہ (ولی) گجراتی نے غزل مین خسرو اور سعدی شیرازی کی چاشنی پیدا کی اس زمانہ تک عربی اور فارسی الفاظ کے ساتھ بھاشا کا عنصر غالب تھا۔ لیکن جب ولی دکن سے دہلی (سنہ جلوس

محمد شاہی مطابق ۱۷۲۱ء ۱۱۳۳ھ) مین آئے اور شعرائے دہلی کی صحبت نصیب ہوئی تو تیغ زبان کے جوہر اور زیادہ چمک گئے۔ الفاظ کی ثقالت مین نرمی پیدا ہوئی اور سادگی کے ساتھ فصاحت بڑھ گئی۔ لیکن ولی کے بعد برہان پور (ممالک متوسط) مین ایک ایسا ہزال شاعر پیدا ہوا جسکے کلام نے نہ صرف شاعری کو بدنام کیا بلکہ ہندی علم ادب کو اقوام عالم کے سامنے منھ دکھانے کے قابل نہ رکھا۔ اب ہم ناظرین زمانہ سے ان حضرت کا تعارف کراتے ہین۔

میر غلام حسین افسق

میر صاحب کا وطن برہان پور ہے۔ اور افسق تخلص تھا یعنی آپ فسق و فجور اور بدکاری اور بداعمالی مین سب سے بڑھکر تھے۔ عام تذکرے ان کے حالات سے خالی ہین۔ لیکن ان کے ایک ہمعصر[۱] دوست منشی لچھمی نارائن شفیق اورنگ آبادی نے اپنے تذکرہ چمنستان شعرا مین ان کا مختصر حال لکھا ہے جو بجنسہ نقل کیا جاتا ہے۔

"اسمش میر غلام حسین، افسق تخلص از شعرائے این عصرست از بسکہ مزاجش بہ ہجو مائل است در شعر تیغ زنی می نماید اکثر مزاج او بطرف ہزل می آید۔ شوخی طبعش از کلامش ہویداست و خوبی مزاحش از تخلص پیداست۔ کاشکے این خیال در دل او جا نیافتے و آفتاب اشعار رنگین بر شیشہ آتش نتافتے۔ انشاءاللہ رفتہ رفتہ ازین تائب شود و تخلص خود ہدایت قرار دہد۔ درین ایام از راقم الحروف ارتباط کلی دارد۔ چنانچہ دیوان را بخط خود نقل کردہ بہ فقیر ارزانی داشت"

میر صاحب کا یہ قلمی نسخہ ہمارے پاس دکن سے آیا اسکی تاریخ کتابت سنہ ۱۱۹۳ھ تھی جس پر شفیق کی مہر (سنہ ۱۱۸۶ھ) ثبت تھی ان سنین سے معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۱۱۹۳ھ تک میر صاحب اور شفیق بقید حیات تھے۔

یہ دیوان الف سے یائے تحتانی تک کمل تھا۔ غزلیات کے علاوہ رباعیات، مستزاد

۱؎ منشی لچھمی نارائن خلف رائے منسارام کھتری لاہور سے دکن آئے اور اورنگ آباد مین سکونت اختیار کی۔ ابتدا مین صاحب تخلص کرتے تھے۔ مولوی غلام علی آزاد بلگرامی کی شاگردی سے بعد شفیق تخلص رکھا۔ ولادت ۲۰ صفر سنہ ۱۱۵۸ھ ہے۔

مخمس، واسوخت اور ایک مثنوی گنجینۂ آفاق بھی شامل دیوان تھی۔

مثنوی مین چار کمان، مکہ مسجد، چوک میدان، دائرہ میر، چادرگھاٹ، چارمحل اور چوک حیدرآباد پر نظمین تھین۔ اور حیدرآباد کی اخلاقی حالت جو اس زمانہ مین تھی اسکو بھی تفصیل سے دکھایا ہے اور اپنے حالات بھی لکھے ہین۔ (عیاشانہ زندگی) غزلیات سراپا فحش ہین۔ جن مین جابجا تاجو، رحمت، حبشی بیگم، جمیلہ، تاج النسار، لالن، بی جان، چندا، زہرہ، گلابو، نبا اور حسنا کا نام آیا ہے۔ یہ میر صاحب کی زمانہ کی مشہور حیدرآبادی طوائفین تھین جن کے دربار مین میر صاحب کی رسائی تھی۔ اور غالباً شاعری کی زمین کو ظرافت کا کھاد اسی خطے سے ملتا تھا۔

تاجو، لالن اور زہرہ کا بار بار ذکر کرتے ہین یہ گویا ان کی لیلے اور سلمٰی ہین اور بعض کی ہجو بھی لکھی ہے۔ ہمعصر شعرا مین قاسم اور عاجز کا بھی نام لیا ہے۔ جتنی مین جسقدر حروف ثقیلہ اور غیر ثقیلہ ہین اور ان سے جسقدر فحش الفاظ مدون ہوئے ہین وہ تمام الفاظ غزلون مین جمع ہین اور ان کی شرح اس جامعیت سے کی ہے جسکو ہزلیات کی انسائیکلوپیڈیا (قاموس العلوم والفنون) کہنا چاہیے۔ کنایہ اگرچہ تصریح سے ابلغ ہے، لیکن میر صاحب جو کچھ کہتے ہین وہ صاف صاف کہتے ہین اور ان کا تمام کلام بے نقاب ہے۔

غزل کے ایک مقطع سے معلوم ہوتا ہے کہ میر صاحب زانی کے شاگرد رشید تھے اور انصاف یہ ہے ایسی ہی استاد کی درگاہ سے افسق جیسا شاگرد پیدا ہو سکتا تھا۔ زانی کون تھے اور ان کا کیا نام تھا یہ کچھ حال معلوم نہ ہو سکا۔ افسق نے اپنے استاد کی غزل پر جو خمسہ لکھا ہے وہ دیوان مین موجود ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ استاد اور شاگرد دونون ایک ہی مذاق اور خیال کے ہین۔ میر صاحب فرماتے ہین

افسق کے اس سخن کا ہوا شہرہ اس سبب
ہے فیض لبکہ زانیٔ عالم نواز کا

میر صاحب کے دیوان کا طغرائے امتیاز "لسم اللہ شیطان الرجیم" تھا کوئی شریف اور مہذب اس دیوان کو پڑھ نہین سکتا ہے۔ لیکن دل پر جبر کرکے

اور ہزاروں مرتبہ لاحول پڑھکر دیوان ختم کیا گیا اور یہ چند سطرین لکھی گئین۔ کیونکہ ہندی علم ادب کی جب تاریخ لکھی جائیگی تعمین میر[1] ٹل (نارنولی) اور میر جعفر زٹل[2]، زانی[3] - اور افسق[4] کا ترجمہ بھی لکھا جائے گا - اور ممکن ہے کہ یہ چند سطرین مورخ کو اسوقت کچھ مدد دین -

انتخاب کلام افسق

غزلیات مین جو اشعار مضمون اور بندش الفاظ کے لحاظ سے قابل انتخاب ہین - وہ فحش کی وجہ سے نقل نہین ہوسکتے ہین، تاہم وہ اشعار جن مین فحش الفاظ برائے نام ہین نقل کئے جاتے ہین - فرماتے ہین -

قطرۂ آب . . . کو دیکھ بولے دُرفروش　　ہمنے کم دیکھا ہے موتی جلت مین ایسی آب کا

قطرۂ آب . . . کی آب سے　　چہرۂ گوھر پہ ہے پانی ہنوز

بحر طویل کے یہ اشعار ملاحظہ ہون -

جب اے قحبہ کل تجھکو رے کے نشہ نے چمن مین خرد کے خیابان سے کھینچا
ادھر سے بہار اور ادھر سے جنون آکے دونون نے مجھکو گریبان سے کھینچا

شفق سے لالہ مین تجھ لبون کے سیاہی مستی کی مثل بادل
شعاع دندان سے مثل بجلی دہن تر اسب چمک رہا ہے

ہے ماہتابی کا فرش گلشن مین غنچے پھولون کے کھل رہے ہین
چل ایسے موسم مین ساتھ افسق کے باغ مین کرلے بے حجابی

حیدرآباد مین سیندھی کا اس زمانہ مین بڑا زور تھا

آجکل ہے دور سیندھی کا دکھی حق آبرو　　ہے مدد گردون دون کی مال دانون کیطرف

زمانہ کی گردش ملاحظہ ہو -

اس گردش فلک مین اشراف ہین پریشان
بھڑوون کو تت میسر شال اور دوشالہ ہین

بارہ صدی کے دور مین راحت نہین رہی　　اک ذرہ زندگی کی حلاوت نہین رہی

ایک غزل کا مطلع ہے -

حسن کی تجھ پر سے اے قحبہ بہار اب ڈھل گئی

مان مت کر، مان لے، خوبی کی ساعت ٹل گئی

ہندی الفاظ اور فارسی جلوں کے ترجمے اور محاورات قابل لحاظ ہین -

میرزا معز موسوی خان فطرت عہد عالمگیر مین ایک ایرانی شاعر تھے - ہندی دوستون کی فرمائش سے انھون نے ریختہ گوئی شروع کی ایک مشاعرہ مین غزل پڑھی جبکا یہ شعر بہت مشہور ہے -

(ایرانی لہجہ مین)

از زلف سیاہ تو بدل دوم پری ہے

در خانۂ آئینہ گھٹا جوم پری ہے

(ہندی لہجہ مین)

از زلف سیاہ تو بہ دل دھوم پڑی ہے

در خانۂ آئینہ گھٹا جھوم پڑی ہے

افتن نے بھی اس زمین مین گلکاری کی ہے یہ دو شعر ملاحظہ ہون -

کس دکھ سے کہہ اے شوخ تو مغموم پڑی ہے

غربت کی ترے مکھ پہ گھٹا جھوم پڑی ہے

یا مکر ہے یا بھوت چڑھا تجھپہ تو سچ کہہ

یکبار تو بیٹھی ہوئی کیون گھوم پڑی ہے

ہولی کی بہار دیکھئے -

اٹھو یارو تماشہ کو چلو ہنگام ہولی ہے   کیسکی لال ساڑھی ہے، کیسکی زرد چولی ہے

ہمعصرون پر چوٹ کرتے ہین -

سن کے افتن کے شعر کا شہرہ   غم سے سوزان ہین قاسم و عاجز

ایک رقاصہ کی مدح و ذم مین لکھتے ہین -

باتون کے حق مین گرچہ طوفان ہے گلا بو

گانے کے حق مین لیکن حیوان ہے گلا بو

تمام دیوان مین جو اشعار قابل نقل تھے وہ لکھدیئے گئے ہین اب ہم مختلف

غزلوں سے ایک ایک مصرعہ لکھتے ہیں اہلِ ذوق اور شعراء صرف عالمِ خیال میں ان مضامین سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔

۱۔ کیوں سو جائے بیٹھی ہے تو آج اپنا تھوتڑا (جھوجڑا وغیرہ)
۲۔ محرم ہے کون فسق کے رازِ دنیاز کا۔
۳۔ چشمۂ آب بقا تھا مجھے معلوم نہ تھا۔
۴۔ لگا ہے چو طرف سے مورچہ پیادے تلنگوں کا
۵۔ حسرت سے جلکے آگ میں سنبل ہوا کباب
۶۔ جیوں ناک میں مرغی کا پر آدھا ادہر، آدھا اودھر
۷۔ سخت اسمیں ہے حرام کی عادت علی الخصوص
۸۔ القصّہ ہوں سو ہوں غرض آفت رسیدہ ہوں
۹۔ شمشیر ایسی چاہی تکبیر ایسی چاہی
۱۰۔ مت توڑ دل کسی کا مروّت اسی میں ہے

معلوم ہوتا ہے کہ مرتے وقت تک میر صاحب ہزلیات کے دائرہ سے نہیں نکلے۔ اور شفیق اورنگ آبادی کی آرزو پوری نہیں ہوئی۔

اس موقع پر ایک نکتہ لکھا جاتا ہے جسپر ہمارے شعراء کو توجہ کرنا چاہیئے اور وہ یہ ہے کہ اصنافِ شاعری میں کسی ایک صنف پر شاعر کو قناعت نہیں کرنا چاہیئے بلکہ اسکی جولانگاہ غیر محدود ہونا چاہیئے ورنہ تمام عمر ایک ہی محور پر آفتاب کی طرح گھومتا رہے گا۔ اور اس دائرہ سے کبھی باہر نہیں نکل سکے گا۔

شاعری میں ظرافت کا چٹخارہ معیوب نہیں ہے۔ بلکہ بعض وقت اسمیں خاص چاشنی اور لذت پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن اُسی حد تک جیسا کہ مشہور ہے "الہزل فی الکلام کالملح فی الطعام" نہ یہ کہ سارا کھانا نمک۔ اور اس کی مثال مولانا سید اکبر حسین مرحوم الہ آبادی کی شاعری ہے۔ سید صاحب نے سترہ سال کی عمر سے ظرافت آمیز مضمون لکھنا شروع کئے اور یہ سوں اودھ پنچ لکھنؤ میں نامہ نگاری کی اس ضرورت سے نثر کے ساتھ ظریفانہ نظم بھی لکھنا پڑی اور یہ رنگ ستقدر

پسند آیا کہ اپنی تمام عمر مذاقیہ شاعری مین صرف کر دی لیکن چونکہ صاحب فراست تھے انھون نے اپنی شاعری کو خاص سانچہ مین ڈھالا اور ناصح مشفق بنکر قوم کے عیوب کو ظریفانہ انداز مین بیان کیا۔ اور اپنے رنگ کے وہ موجد قرار پائے۔ اور شاعری کی یہ صنف انھین کی ذات پر ختم ہوگئی لیکن یہ واقعہ ہے کہ سید صاحب تمام عمر اس کوچہ سے نکل نہ سکے اور کیونکر نکلتے طبیعت ایک خاص اسلوب کی خوگر ہو گئی تھی لہذا ہر شاعر کا میدان عمل وسیع ہونا چاہیے۔ اخلاق، ادب، مذہب، فلسفہ سیاست، تاریخ، عشق، محبت پر وہ بہت کچھ لکھ سکتا ہے۔ لیکن ظرافت کا حد سے زیادہ بڑھنا شاعری کو تباہ کرتا ہے۔ زمانہ حاضرہ کے شعرا مین قومی شاعر سر اقبال لاہوری کا طرز نہایت اچھا ہے۔ اور دوسرے نوجوانون کے لیے قابل تقلید ہے۔

محمد شاہ کے عہد مین شاعری کا مذاق بگڑ چکا تھا اور ہزل و ظرافت کی شاعری بڑھتی جاتی تھی اسلیے اس عہد کے خاص شعرا نے روک تھام شروع کی لیکن اس پر بھی ریختہ کے ساتھ ریختی ایجاد ہو گئی۔ مہذب طبقہ اگرچہ ریختی کو پسند نہین کرتا تھا۔ لیکن ملک کے قدیم مذاق کا مٹانا آسان کام نہین تھا۔ اسلیے ریختی بھی ادب کی ایک شاخ قرار پائی۔

سعادت یار خان رنگین دہلوی نے اگرچہ ریختی کو ایک حد تک ترقی دی تھی۔ لیکن جان صاحب عصمت اور صاحب قران لکھنوی کی بدولت ریختی بھی مقبول ہوئی اور نازنین دہلوی پر اس صنف کا خاتمہ ہو گیا۔ نمونہ کے طور پر نازنین کے چند شعر لکھے جاتے ہین۔

ہوئی عشاق مین مشہور، یوسف ہما جوان تا کا
ہُوا ہم عورتون مین تھا بڑا دیدہ زلیخا کا

وہ سانولا مجھ گوری سے ہم خواب نہین تھا
چاندی کا یہ چھلا تھا، وہ نیلم کا نگین تھا

اوڑتے تھے مزے دھوکے ہی دھوکے مین بہت سے
جن روزون مین اُن کو میری عفت کا یقین تھا

اے نازنین رنڈی کے لیے لڑ نہ خصم سے
سر چڑھا بہت مرد کے بہتر نہین ہوتا

ایک قطعہ
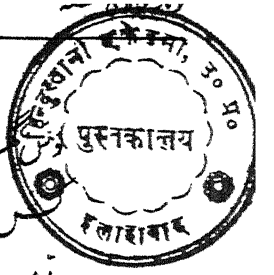
[illegible] سر تو چھٹ چکے ہین، کہان تک کرون خصم
[illegible]س جا بٹھائے دیکھئے اب آسمان سے
علامہ بن گئی ہین اوڑا کر مرے ہی ڈھنگ
اوستانی اب سمجھنے لگین کسبیان مجھے

ذوق دہلوی کی موت پر نازنین نے جو قطعہ لکھا ہے وہ بھی بہت مشہور ہے۔

نہین نازنین رنج کرتی کسی کا	کیا جب سے یار اور حرمت کھوئی
بلاسے رکھون شاد دلکو تو اپنے	اگر مین نے کنبے کی عزت ڈبوئی
خصم جب موا الونڈیون کو رولایا	کہ اس پردے مین نام رکھے نہ کوئی
ولیکن مجھے، کالمون سے ہے الفت	غم ذوق مین رات بھر مین نہ سوئی
لکھی انکی تاریخ اور یہ ہوا غم	میان ذوق کو مین بڑا آپ روئی

ہزلیات کے ساتھ ریختی کا ذکر ایک جملہ معترضہ تھا۔ ریختی شاعر اب مفقود ہین۔ ریختی کسی قدر باقی ہے۔ لیکن وہ زمانہ قریب ہے کہ شاعری کی یہ شاخ بھی مرجھا جائے گی۔ اور صرف تذکرون مین ریختی کے نمونے باقی رہ جائین گے۔

محتسب کانپوری

رسید کتب

فسانہ جوش از مسٹر سلطان حیدر جوش مطبوعہ الناظر پریس لکھنؤ عہ ر

مجموعہ قصائد مومن۔ مرتبہ ضیاء الدین احمد صاحب بدایون۔ ایم۔ اے الناظر پریس لکھنؤ۔

آیاتِ وجدانی۔ از مرزا یگانہ صاحب۔ مطبوعہ کریمی پریس لاہور۔

پیارے دلبر۔ از حافظ عبداللہ صاحب شرار مطبوعہ پنجاب۔ فائن آرٹ پریس بہو بازار کلکتہ قیمت عہ ر

شاعر اور تشاعر

نوجوان کمرے مین بیٹھا ہوا اپنے دل سے باتین کر رہا ہے اس کا نام رام ہے۔ وہ رُک
رُک کہ۔

بیوہ ہے ! ہان ! وہ ایک ایسا پژمردہ غنچہ ہے جو شبنم اشک سے تر ہے ! آہ وہ شاخ
جدا کر دیا گیا ! مگر اسلئے نہین کہ کسی دُلھن کے کام آئے ؟ نہین بلکہ اسواسطے کہ کسی کے
سے پر ڈالا جائے ! افسوس !

مین دل ہی دلمین اسکی پرستش کرتا ہون۔ ہان میرے دلمین اسکی جسقدر محبت ہے اُسکا
پرستش کے سوا اور کسی لفظ سے ہو بھی نہین سکتا ! اور مین کوئی دوسرا لفظ استعمال
پسند بھی نہین کرتا۔

اس محبت کی خبر میرے دلی دوست کرشن کو بھی نہین ! ہان یہ خوشبو میرے ہی شیشۂ
مین بند اور محفوظ ہے۔ مگر قلبی جوش پہاڑی نالے کی مانند بند رہنا نہین چاہتا۔
ن دیکھ رہا ہون کہ وہ باہر نکلنے کی راہ تلاش کر رہا ہے۔ گو کامیاب نہین ہوتا !
ی تو میرے سینہ کے اندر بیٹھا بیٹھا درد پیدا کر رہا ہے ! — تو کیا مین اپنا جوش شعر
مین نکالون ؟ نہین یہ بھی مشکل ہے ؟ خدا جانے طبیعت کو کیا ہو گیا ہے۔ اب تو ایک
بھی موزون نہین ہوتا ! — سمجھ مین نہین آتا کہ کیا کرون۔ اور کیا نہ کرون —
مکتلا ! تم نے یہ کیا کر دیا !

(۲)

اور کرشن بیٹھے باتین کر رہے ہین۔
م کب سے شاعر بن گئے ! یار تمنے مجھسے پہلے تو کبھی اس بات کا ذکر نہین کیا۔ مگر یہ یکایک
کیا ؟ مین تو نقشِ حیرت بن گیا ہون۔

ے ګل به تو خو مخدم تو بوے کسے واري

اشکان
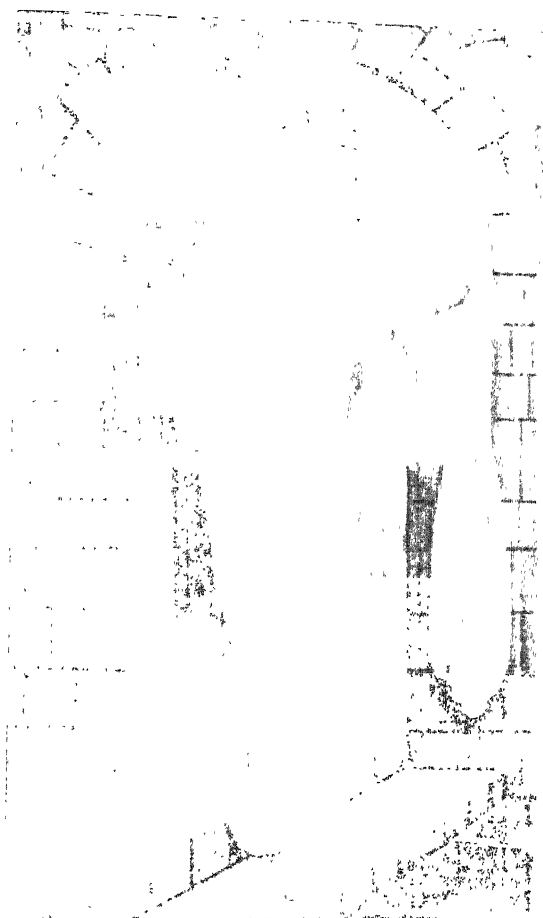
کرشن - ہاں - کچھ زلزلہ ہی آگیا! مگر اب آپ میرا مذاق نہ اُڑائیے بلکہ اصلاح کر دیجئے - مین اسی غرض سے تو آپ کی خدمت مین حاضر ہوا ہون - یہ مین بھی جانتا ہون کہ میری یہ نظم " بیوہ" بہت کمزور ہے -

رام - اچھا شاید تم پر یہ مصیبت پہلی بار ہی نازل ہوئی ہے اور مین خیال کرتا ہون کہ تم اسے برداشت نہین کر سکتے ؟

کرشن - یہ بات مین بھی سمجھتا ہون کہ مجھے شعر کہنے کی تمیز نہین ہے - اور یہ بالکل تک بندی ہے -

رام (ہنسکر) ہان تمہاری شاعری، گویا بڑھاپے کی دوسری بیوی ہے - جو تمہارے سر پر سوار ہو گئی ہے

کرشن - مگر کیا میرے شعرون مین جدّت اور ندرت نہین ہے ؟

رام - ہے بھی اور نہین بھی ــــ خیر مین اصلاح تو کر دونگا مگر یہ تو کہو کہ وہ ہے کون بھاگوان ؟

کرشن (مسکرا کر) یہ تو مین بھی نہین جانتا ــــــــ

رام نے نظم کی اصلاح کر دی اور کرشن لیکر چلا گیا -

اب تو یہ سلسلہ جاری ہو گیا - چنانچہ اس قسم کی نظمین رام کی اصلاح کے بعد کرشن کے نام سے رسالہ "ادیب" مین جلد جلد شائع ہونے لگین -

رام کو اصلاح دینے مین خاص مزہ آتا تھا - نام تو کرشن کا تھا - مگر جذبات رام کے ظاہر ہو رہے تھے - اور اُسی کا دلی جوش نکل رہا تھا - گویا دریا کا بند ٹوٹ گیا تھا -

جس طرح کوئی مرغی یہ ہنس کے انڈے اپنے پرون مین دبا کر بیٹھ جاتی ہے - اسی طرح رام کرشن کی شاعری مین اپنا دلی جوش اور اپنے جذبات صرف کر رہا تھا - اور سچ یہ ہے کہ یہ جذبات زیادہ رام ہی کے ہوتے تھے -

کرشن، ایک روز اصلاح لینے کے بعد بولا - مین بھی تو یہی جذبہ ظاہر کرنا چاہتا تھا - مگر نہین کہ سکا خدا جانے ایسے خیالات اور جذبات آپ کے دلمین کہان سے آجاتے ہین -؟

رام (مسکرا کر) خیال مین بڑی طاقت ہے - خیال ہی شاعری کی روح ہے اور وہی گویائی

کرشن : (سوچ کر) درست! ہان ٹھیک! مگر درحقیقت یہ شاعری آپ ہی کی ہے - اور اسلئے آپ ہی کے نام سے شائع ہونی چاہیئے -

رام ۔ نہین شعر تو آپ ہی لکھتے ہین ۔ مین تو بس ذرا اصلاح کر دیتا ہون ۔

کرشن ۔ ہان !

(۳)

کرشن، اپنے مکان مین اکیلا بیٹھا ہے ۔

بیوا ؤن کی قسمت بھی عجیب ہے ! یہ کلیان مرجھا کر خاک مین ملجاتی ہے ۔
مگر کیا مین دیوانہ ہو گیا ہون، شکنتلا تو ناخواندہ ہے ۔ پھر میرا اُس کے بھائی رام لال کے نام رسالہ ادیب جاری کرا دینا دیوانگی نہین تو اور کیا ہے ۔ مگر اظہار محبت کا یہ طریق میری ہی ایجاد ہے !۔ اور مین تو اُس دیوی کا پجاری ہون ۔ پس میرا کام یہی ہے ۔ مین اُسکی طرف نسیم عطر بیز بھیجون خواہ اُس تک پہنچے یا نہ پہنچے ۔ لیکن دل کو تو تسلی ہو جاتی ہے ۔
—— رام لال ابھی نہین آیا —— خدا جانے کیا بات ہوئی ۔ مجھے اس بچے سے بھی محبت ہو گئی ہے ۔ کیون نہ ہو پیاری کا پیارا ہے !

(۴)

رام کے دلی جذبات روز بروز ترقی پر تھے جبطرح نجومی ستارون کے انتظار مین آسمان کی طرف دیکھا کرتے ہین ۔ اسی طرح رام بھی شکنتلا کی کھڑکی کی طرف نگاہ بازی کیا کرتا تھا اور کبھی کبھی آفتاب حسن نظر بھی آجایا کرتا تھا ۔ مگر یہ اتفاق، رام کے دل کی بیقراری کچھ زیادہ ہی کر دیا کرتا تھا ۔

وہ ایک روز اپنے دلمین کہنے لگا کہ کیا ہمارے چاند مین بھی آگ اور پانی ہے ؟ کیا شکنتلا کے دلمین بھی شعلۂ محبت روشن ہے ؟

ساون کی تیسری تاریخ تھی آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے آندھی کے آثار بھی موجود تھے اور کبھی کبھی بجلی بھی کوندجاتی تھی ۔!

نازنین شکنتلا کھڑکی کے پاس تنہا کھڑی تھی ۔ اُسکا منھ آسمان کی طرف اُٹھا ہوا اور نگاہ دور تک جا رہی تھی ۔ آج رام نے اُسے جی بھر کر دیکھا ! مگر اُسنے اپنے دل سے کہا کہ ہمارے چاند کی دنیا مین بھی تاریکی ہے ۔ ! افسوس !

پھر وہ بولا ـــــ آدمی دیوتا کے لیے نہین - بلکہ دیوی دیوتا ہی آدمیون کی خاطر بنائے جاتے ہین رام کو معلوم ہوا کہ گویا شکنتلا کی نگاہین آندھی سے گھبرائے ہوئے پرندون کی مانند اڑی جا رہی ہین :-

مگر اُس نے اپنے دل سے سوال کیا ؟ کدھر ؟ کس کی طرف ؟ کیا بہشت کی طرف ؟ -

جواب ملا - نہین بلکہ انسانی قلب کے آشیانے کی طرف ! ہان اُسی کی تلاش مین رام چند منٹ تک خاموش رہنے کے بعد بولا - صرف اسی قدر کافی نہین ہے کہ مین دوسرون کی نظمون کی اصلاح کرتا رہون ! ـــــ نہین بے شک یہ کافی نہین ! ـــــ

ہان ! مجھے کام کرنا چاہیے کام ! ـــــ بس مین اسوقت قسم کھاتا ہون کہ مین اپنی تمام طاقتین شادی بیوگان کی تحریک مین صرف کر دون گا - مگر صرف تقریرین کر کے یا مضمون لکھکر ہی نہین بلکہ عملی رنگ مین ! ـــــ

رام نے اُسی دن سے کام شروع کر دیا -

(۵)

شکنتلا کا چھوٹا بھائی رام لال بیمار ہے - اور کرشن کوئی ایک ہفتے سے اُسکی تیمارداری مین مصروف ہے - اُسکی گفتگو اسی تقریب سے شکنتلا سے بھی کئی بار ہوئی

رام نے یہ سب کچھ ارادتاً نہین کیا بلکہ حسنِ اتفاق سے ہو گیا - شکنتلا کو کرشن کی شاعری اور اسکی محبت کی خبر ہو گئی -

اسی سلسلے مین شادی بیوگان کا ذکر بھی آگیا - شکنتلا اول اول تو راضی نہین ہوئی مگر جب کرشن نے زیادہ زور دیا تو وہ خاموش ہو گئی - لیکن بیوہ سے شادی کرنا کرشن کے لیے بھی کچھ آسان کام نہین تھا - بلکہ اس راہ مین سخت مشکلات تھین -

(۶)

رام اور کرشن باتین کر رہے ہین -

رام - بھائی عقد بیوگان کی اشاعت کے لیے صرف نظمین لکھنا ہی کافی نہین ہے - بلکہ تمہین اخلاقی جرات دکھا کر خود ہی مثال قائم کرنی چاہیے -

کرشن - خیالی دنیا کا کیا کہنا - دوست مین تو بس اسی مین خوش ہون -

رام - واہ بھوکون کا پیٹ پھولون کی خوشبو یا پرندون کے نغمہ سے نہین بھر سکتا -

کرشن - تاہم پھولون اور راگ کے لطف سے انکار کرنے کی جرات کون کرسکتا ہے -

رام - تصویر کو مکان مین کون رہ سکتا ہے۔ وہ خواہ کسی قدر بھی عمدہ کیون نہ ہو۔ بس دوسرون کے سہارے شاعری کرنا کافی نہین بلکہ کام کرنا چاہئے کام!

کرشن نے یہ سنکر ایک گہرا سانس لیا - پھر بولا - آپ سچ کہتے ہین - کچھ دیر بعد بولا! شادی تو مین کرلون مگر . . . . —

رام - مگر کیا -

کرشن - میرے پاس روپیہ نہین ہے -

رام - اس بات کی فکر نہ کرو - مین انتظام کردونگا - چاہے ابھی لیجاؤ -

کرشن - شکریہ - مگر ایک بات اور بھی ہے - والد صاحب مجھ سے ناراض ہوجاینگے اور مجھے خرچ دینا بند کردینگے - پھر گزارہ کیسے ہوگا -

رام - مین اسکا بھی انتظام کردونگا - روپیہ میرے پاس کافی ہے -

رام نے اسکے بعد پانسو روپیہ کا چیک کاٹکر کرشن کے حوالے کیا اور بولا! اچھا تو اب اُس پری کا نام و نشان بھی بتادو - جب مجھ سے کوئی پردہ یا خوف نہین ہے تو پھر چھپانا فضول ہے - اچھا مین قسم کھاکر کہتا ہون کہ مین اُسے مخاطب کرکے کوئی نظم نہین لکھونگا - اور اگر لکھونگا بھی تو اُس کے پاس نہین بلکہ تمہارے پاس بھیجدیا کرونگا -

کرشن - (مسکراکر) اجی مین ایسی باتون سے نہین ڈرتا - مگر اُس نے منع کردیا ہے - تاہم اب چھپانا فضول ہے - سنئے! وہ بیوہ تمہاری ہمسائی شکنتلا ہے - تم یقیناً اُس سے واقف ہو -

رام یہ سنکر حیران رہ گیا - اور بیقرار ہوگیا - اگر اُسکا دل فولادی ہوکر نہ ہوتا تو اس صدمہ سے یقیناً پھٹ جاتا -

وہ کچھ دیر تک خاموش رہا - پھر سنبھلکر بولا - تو کیا وہ بھی رضامند ہے؟ -

کرشن " ہان "

رام - مگر کیا وہ تمہاری نظمین ہی پڑھکر تمہارا دم بھرنے لگی! یا کیا؟

اب کرشن نے اپنے دوست کو تمام قصہ من وعن کہہ سنایا۔ جسے سنکر وہ سناٹے مین آگیا۔ مگر زبان سے ایک حرف تک نہ نکالا۔

اس کے بعد رام اور کرشن کی تمام زندگی عقد بیوگان ہی کی ترویج مین صرف ہوئی اور شکنتلا بھی ان کی مددگار بنی رہی۔

مگر رام نے عمر بھر شادی نہین کی۔

کرشن کو چند روز بعد اس بات کی خبر ہو گئی کہ اُسکا دوست رام بھی شکنتلا کا دم بھرتا تھا۔ اور یہی راز اُسکی شاعرانہ اصلاح کا تھا۔ اُسے بڑی حیرت ہوئی لیکن اُسے زیادہ متعجب رام کے خاموش اور مخفی ایثار اور قربانی نے کیا۔

رام نے بیشک وبشبہہ نہ صرف اپنی محبت ایک دوست کے لیے قربان کردی۔ بلکہ دوست کی امداد روپے سے بھی کی۔ کسقدر شریفانہ سلوک ہے۔ واہ! وہ کس قدر عالی ظرف اور بلند خیال انسان تھا۔ ورنہ معمولی انسان جوش رقابت مین جو کچھ کر گزرتے ہین۔ اُس سے دنیا ناواقف نہین ہے

حکیم مظفر حسین اظہر دہلوی

رسید کتب

حکایات و احساسات از سید سجاد حیدر صاحب بی۔ اے۔ رجسٹرار مسلم یونیورسٹی علیگڈھ قیمت ایک روپیہ چار آنہ۔

سبز گل یعنی مختصر افسانون کا مجموعہ از مسٹر جلیل احمد قدوائی۔ بی۔ اے۔ مطبوعہ مسلم یونیورسٹی پریس علیگڈھ قیمت عہ/ر۔

دیوان نوشاد۔ یعنی مجموعہ کلام راجہ نوشاد علیخان صاحب تعلقہ دار میلا رائے گنج۔ مطبوعہ نامی پریس لکھنو۔

اُنیس حرفی قاعدہ۔ مرتبہ منشی مقصود حسن صاحب متوطن رڑکی قیمت ۲ر

دُرِ ثمین۔ یعنی مسز سروجنی نیڈو کی نظمون کا منظوم ترجمہ۔ از مسٹر تصدق حسین صاحب مطبوعہ احمدیہ پریس چار مینار حیدرآباد دکن عہ/ر

تنقید کتب

باقیات فانی

یہ جناب فانی بدایونی کا منتخب دیوان ہے، اس کے شروع میں جناب فانی کی تصویر اس کے بعد اُردو شعر و شاعری پر ایک نظر" کے عنوان سے پروفیسر رشید احمد صاحب صدیقی کا ایک طویل مقدمہ ہے۔ جسمین آپ نے اپنے خاص انداز تحریر مین اُردو شاعری کے ساتھ ساتھ جناب فانی کی سخن سنجی پر بھی تبصرہ کرنے کی کوشش فرمائی ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک اس طولانی تحریر کی وقعت ایک رسمی مقدمہ یا تبصرہ سے زائد نہین۔ ہان پروفیسر صاحب کے انداز تحریر نے ایک دلکشی ضرور پیدا کر دی ہے۔ آپ نے ایک جگہ تحریر فرمایا ہے کہ شاعری کے لیے یہ بھی نہایت ضروری ہے کہ کم از کم ایک سے زیادہ زبانون پر عبور ہو" غالباً یہی فقرہ روح تنقید کے مصنف نے "تنقید کے" متعلق لکھا ہے۔ میری راے مین تنقید کے لیے کئی زبانون کی قید کسی حد تک درست ہے۔ لیکن شاعری کے لیے یہ شرط فضول ہے۔ کیا آپ بتا سکتے ہین کہ عرب مین ایام جاہلیت کے شعراء کتنی زبانون سے واقف تھے اور ہندوستان مین تلسی داس، سورداس وغیرہ سنسکرت کے علاوہ اور کتنی زبانین جانتے تھے۔ پھر اب یہ شرط کیسی کہ شاعر کے لیے کم سے کم ایک سے زیادہ زبانین جاننا نہایت ضروری ہین اصل یہ ہے کہ جذبۂ شاعری بہ انداز ودیعت فطرت جاہل اور عالم دونون کے دلمین پیدا ہوتا ہے۔ البتہ اداے مفہوم مین کچھ فرق ہوتا ہے۔ ایک اپنے مافی الضمیر کو سادہ الفاظ مین بیان کرتا ہے۔ اور دوسرا پُر تکلف الفاظ مین ظاہر کرتا ہے۔ البتہ جاہل و عالم دو ایک سے زیادہ زبان جاننے والے کا فرق انشا پردازون مین صاف صاف نظر آتا ہے۔ اور اسلیے یہ کہنا درست ہو گا کہ انشا پرداز کے لیے ایک سے زیادہ زبانین جاننا ضروری ہین لیکن ایک شاعر کے لیے یہ کلیہ درست نہین۔

پروفیسر رشید احمد صاحب نے فانی صاحب کے مقابلے کیلئے صرف غالب کو منتخب کیا ہے اور جا بجا دونوں کے تخیل اور انداز بیان کا مقابلہ کیا ہے ایک موقع پر یہ دو شعر بھی پیش کئے ہیں ۔

(غالب)
لو وہ بھی کہتے ہیں کہ یہ بے ننگ و نام ہے
یہ جانتا اگر تو لٹاتا نہ گھر کو میں

(فانی)
بہلا نہ دل نہ تیرگی شام غم گئی
یہ جانتا تو آگ لگاتا نہ گھر کو میں

پروفیسر صاحب نے بھی اس موقع پر غالب کا پایہ بلند تر مانا ہے۔ اور میرے نزدیک بھی ان شعروں کے تقابل سے فانی صاحب کی شاعری کا پایہ بہت گر جاتا ہے، کاش فانی صاحب اس شعر کو اپنے دیوان سے خارج کر دیتے اور غالب کے جواب کی کوشش نہ فرماتے۔

شاید پروفیسر صاحب ذیل کے شعروں میں فانی صاحب کے شعر کا پایہ بلند مانتے ہیں کیونکہ پیش کردہ اشعار سے پہلے آپ یہ تحریر فرما چکے ہیں کہ پہلے دو اشعار میں غالب کا پایہ بلند تر ہے لیکن چونکہ یہ تیسرا شعر ہے اسلیے یہ قیاس ہوتا ہے کہ اسمیں غالب کا پایہ بلند تر نہ ہوگا۔ حالانکہ اس شعر میں بھی غالب کا پایہ بلند تر ہے۔

اشعار ملاحظہ ہوں۔

(غالب)
اُگ رہا ہے در و دیوار سے سبزہ غالب
ہم بیاباں میں ہیں اور گھر میں بہار آئی ہے

(فانی)
یاں میرے قدم سے ہے ویرانے کی آبادی
واں گھر میں خدا رکھے آباد ہے ویرانی

کون کہہ سکتا ہے کہ فانی صاحب کا شعر غالب سے اچھا ہے یا غالب کا پایہ بلند تر نہیں غالب کے یہاں در و دیوار کے سبزے نے جو دلکش منظر پیش کیا ہے۔ اسکی داد نہیں دیجا سکتی، لیکن فانی صاحب کے یہاں کوئی خاص بات نہیں۔ بلکہ یاں واں کا استعمال اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ غالب کے شعر سے حسرت ٹپکتی ہے۔ لیکن فانی کے شعر میں کچھ بھی نہیں۔ بہرحال دونوں شعروں میں اصل اور نقل کا فرق ہے۔

بلاشبہ فانیؔ صاحب ایک پختہ مغز اور کہنہ مشق سخنور ہین از مذکورہ بالا متواردشعرون کے تقابل سے ان کے شاعرانہ کمال کا اندازہ کرنا سراسر بے انصافی ہے۔ ان کے دیوان مین بہت سے ایسے شعر نظر آتے ہین جنکو زبان و بیان کا بہترین نمونہ کہا جا سکتا ہے۔

زندگی بھی تو پشیمان ہے یہان لاکے مجھے	ڈھونڈھتی ہے کوئی حیلہ مرے مرجانے کا

جگ سونا ہے تیرے بغیر آنکھون کا کیا حال کہون	جب بھی دنیا بستی تھی اب بھی دنیا بستی ہے

بجلیان ٹوٹ پڑین جب وہ مقابل سے اٹھا	ملکے پلٹی تھین نگاہین کہ دھوان دیکے اٹھا

دشمن جان تھے تو جان دعا کیون ہو گئے	تم کسی کی زندگی کا آسرا کیون ہو گئے

ہم پروفیسر صدیقی کے اس خیال کے بھی موید ہین کہ اشعار ذیل کے پہلے مصرعے پست ہین۔

شعبدے آنکھون کے ہمنے ایسے کتنے دیکھے ہین	آنکھ کھلی تو دنیا تھی بند ہوئی افسانہ تھا

دو تین ہچکیون مین دم نزع کہہ گیا	شرح دراز زندگی مختصر کو مین

البتہ ذیل کے شعر کی معنویت ضرور قابل اعتراض ہے۔ تعجب ہے کہ اس کو باقیات فانی مین کیونکر جگہ ملی،

جگر خراش ہے حال اُن تباہ حالون کا	جنھین مٹا کے رہا حوصلہ خیالون کا

لیکن اس قسم کے معدودے چند شعرون کو دیکھکر باقیات فانیؔ کی خوبیون کے متعلق کوئی غلط خیال قائم کرنا صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ باقیات فانیؔ کی اصل خوبیون کا اندازہ ان خوشرنگ پھولون سے ہو سکتا ہے جو باقیات فانیؔ کے صفحات پر اپنی بہار دکھا رہے ہین۔

کتابت و طباعت نفیس حجم تقریباً ۲۰۰ صفحہ قیمت عہ شائقین جناب فانیؔ - بی - اے - ایل - ایل - بی بدایون سے طلب فرمائین۔

دیوان حافظ مظلّا

حال مین مطبع کریمی بمبئی نے دیوان حافظ کا یہ مطلّا نسخہ ہمارے پاس ریویو کے لیے بھیجا ہے۔ اُسکی جلد پر نہایت خوبصورت اور نظر فریب سنہرے نقش و نگار ہین اسکا ہر صفحہ متعدد سنہری و رنگین جدولو

سے آراستہ اور نظر فریب بیل بوٹون سے پیراستہ ہے اسمین اعلیٰ درجہ کا حنائی کاغذ لگایا گیا ہے کتابت وطباعت کی پاکیزگی کا یہ عالم ہے کہ کتاب کا ہر صفحہ دیکھکر یہ دھوکا ہوتا ہے کہ یہ قلمی ہے۔

ہمارے خیال مین آجتک دیوان حافظ کا ایسا خوشنما اڈیشن شایع نہین ہوا۔ جو حضرات کلام حافظ کے قدردان ہین ان کے لیے یہ ایک نادر تحفہ ہے ہر کتب خانہ ولائبریری مین اس دیدہ زیب اڈیشن کا ایک نسخہ ہونا ضروری ہے۔

اسکا حجم ۲۹۴ صفحہ ہے شایقین مطبع کریمی بمبئی سے طلب فرماوین

اصلاح سخن

یہ کتاب دراصل اسم با مسمےٰ ہے اسکے مولف محمد عبدالعلی صاحب شوق سندیلوی نے یہ جدّت کی ہے کہ اپنی ایک ہی غزل پر بہت سے استادون سے اصلاحین لی ہین اور وہی تمام اصلاحین اس کتاب مین ان حضرات کے اسماء گرامی کے ساتھ نام بنام شایع کی ہین۔ پہلے شوق صاحب نے اپنا اصلی شعر لکھا ہے اور اس کے نیچے جس اُستاد نے جو اصلاح دی ہے اُسے درج کر دیا ہے اِن اصلاحات کے مطالعہ سے مصلح حضرات کے شاعرانہ مذاق اور قوت طبع کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے اور اصلاح کا حسن و قبح بخوبی ذہن نشین ہو جاتا ہے۔

اس سے پہلے جناب صفدر مرزا پوری نے بھی شاطہ سخن مین بعض اساتذہ کی اصلاحین جمع کی ہین۔ لیکن اسمین یہ معرکہ آرائی نہین جو اصلاح سخن مین ہے۔

ممکن ہے کہ بعض حضرات شوق صاحب کی اس جراءت تالیف کو پسند نہ فرماوین اور ممکن ہے کہ آیندہ شوق صاحب اس آزادی سے ایک ہی غزل پر اتنی اصلاحین نہ فراہم کر سکین لیکن سچ یہ ہے کہ اصلاح سخن کی اشاعت سے انھون نے اردو شاعری مین ایک نئی چیز کا اضافہ کیا ہے اور یہ اضافہ مستحق ستایش ہے۔ اس کتاب مین ۸ غزلین اور ۴۲ استادون کی اصلاحین جمع کیگئی ہین کتاب کے آخر مین بعض اساتذہ کے خطوط بھی شایع کیے گئے ہین۔ جو بسلسلۂ اصلاح جناب مولف کو موصول ہوئے ہین کاغذ عمدہ کتابت وطباعت نفیس قیمت ۸ھ ملنے کا پتہ حکیم محمد بہاءالدین صدیقی۔ داتا گنج ہردوئی۔

کایا کلپ (ہندی)

اُردو اور ہندی کی ادبی دنیا مین منشی پریم چند کا نام نامی کسی تعارف کا محتاج نہین آپ عرصہ سے چھوٹی چھوٹی کہانیان لکھتے چلے آرہے ہین جو ملک کے مشہور و معروف رسالون اور اخبارون مین شائع ہوکر مقبول عام ہونے کی سند حاصل کرچکی ہین - اب اسطرح آپ کے چند ضخیم افسانے بھی کتابی صورت مین طبع ہوئے ہین اور کتاب زیر تنقید اسی سلسلے کے تازہ ترین تصنیف ہے - "پریم آشرم" اور "رنگ بھوم" کے مطالعہ کے وقت تک خیال تھا کہ اختصار و دلکشی کے اعتبار سے جو بات آپ کی کہانیون مین ہے وہ بڑے قصّون مین نہین ہے - مگر کایا کلپ کے مطالعہ نے ہمارے اُس خیال کو دُور کردیا ہے یہ کتاب مصنف کی پختہ مشقی کا ایک بیّن ثبوت ہے -

منشی صاحب کے قصّون کی یہ ایک نمایان خصوصیت ہے کہ جہان وہ مردون اور عورتون کو شوہرون اور بیویون کو، اطفال و طلباء کو، رعایا و حکّام کو، زمیندارون اور کاشتکارون کو، مہاجنون اور قرضخواہون کو و نیز دیگر مستحقین کو مفید مشورہ دیتے ہوئے اُن کے فرائض سے آگاہ کرتے ہین وہان واقعات حاضرہ پر بھی رائے زنی کرکے ملکی و قومی مسائل کی بڑی بڑی گتھیون کو سلجھاتے ہین یہی ان کا کمال اور یہی ان کی جدت طبع ہے " وہی روزمرّہ کی معمولی باتین جو کسی قومی رفارمر کے زبان سے نکلکر روکھی پھیکی اور بے مزہ معلوم ہوتین - جب منشی صاحب کی زبان سحر بیان سے ناول کے پیرایہ مین ادا ہوتی ہین تو ان مین ایسی تاثیر پیدا ہوجاتی ہے جو دلون کو مسخر اور دماغون کو مسحور کئے بغیر نہین رہتی -

علوم و فنون کے دیگر شعبون مین ترقی ہونے کے ساتھ ہی اب فسانہ نویسی کے روش مین بھی گونہ تبدیلی واقع ہوگئی ہے - نقّادانِ فن کے نزدیک اب ایسے افسانے کوئی وقعت نہین رکھتے جنہین تہذیب و تمدن و آداب و اخلاق کے کسی پہلو پر روشنی نہ ڈالی گئی ہو - اور جو وقت کاٹنے کی غرض سے لکھے گئے ہون - واقعی عموماً کل دنیا کو اور خصوصاً ہمارے ملک کو ایسے لٹریچر کی ضرورت ہے - جو ہماری موجودہ پستی و تباہی کا نقشہ ہماری آنکھون کے سامنے کھینچتے ہوئے ہمین اعلےٰ ترین انسانی معیار کی

جانب متوجہ کرے۔ یہ کام قصّے اور کہانیوں کے ذریعہ جس خوبی اور سہولیت کے ساتھ ہو سکتا ہے اتنا اور ذرائع سے نہیں۔ کثیر التعداد انسانوں کی دماغی حالت ایسی ہوا کرتی ہے جو مشکل اور فلسفیانہ باتوں کی افسانوں میں فی الجملہ سب نہیں رکھتی وہ صفائی اور دلکشی چاہتی ہے اور انھیں سے متاثر ہوتی ہے۔ منشی صاحب کے افسانوں میں فی الجملہ وہ ساری باتیں موجود ہیں جو انکو بیشتر ملکی نقطۂ خیال سے، زمانۂ حال کے ایک کامیاب اور مستند فسانہ نویس ہونے کا اہل قرار دیتی ہیں وہ انھیں باتوں کو نئے نئے لطف کے ساتھ نئے نئے اسلوب سے پیش کرکے دلنشین بنانے کی کوشش کرتے ہیں انکی تکرار تکرار نہیں معلوم ہوتی بلکہ تاکید کی صورت اختیار کرلیتی ہے اور قند مکرّر کے مزہ کے ساتھ کتاب زیر تنقید بھی اسی قسم کی تصنیف ہے اور انھیں تمام خوبیوں سے مزیّن ہے۔

ایک بات اور۔ جب مادیت میں روحانیت کا استعمال ہوتا ہے تو ہمیشہ اسی قسم کے کتب میں جان سی پڑ جاتی ہے۔ منشی صاحب بیشتر اپنی تصنیفات میں بعض روحانی امور کا تذکرہ کچھ اس انداز سے کرتے ہیں کہ قصص کی عام دلچسپی میں بھی کوئی فرق واقع نہیں ہونے پاتا سوچنے سمجھنے والے دماغوں کے لیے بھی کافی مسالہ مہیا ہو جاتا ہے۔ ساتھ ہی حسن و عشق کے چرچے بھی کچھ نہ کچھ ضرور ہی موجود رہتے ہیں مگر اس غیر معمولی قابلیت کے ساتھ کہ ایسے چرچے قوم کی اخلاقی حالت کو پست کرنے والے نہیں بلکہ بلند کرنیوالے ہوں اور ملک میں بجائے تنزلی کے ایک عام ترقی کی فضا پیدا کریں۔ نتیجہ یہ کہ ان کے ناول صنف نازک کے ہاتھوں میں بھی بلا کسی پس و پیش کے دیئے جا سکتے ہیں واقعی یہ بہت بڑی بات ہے کیونکہ کسی گری ہوئی قوم کو اُٹھانے کے لیے عورتوں کے کمزور ہاتھوں میں زیادہ شکت ہے۔

مندرجہ بالا اوصاف کے علاوہ منشی صاحب کی دیگر تصنیفات کی طرح کایا کلپ میں ایک وصف اور بھی ہے جسے ہم لائق مصنف کے طرز تحریر کی خصوصیت میں خیال کرتے ہیں وہ یہ کہ ساری کتاب میں سیاق عبارت سے مطابقت رکھتے ہوئے ہمکو جا بجا ایسے متعدد جملے ملتے ہیں جو اپنی سبق آموزیوں کے اعتبار سے ضرب المثل ہونے کے قابل ہیں اور جن سے مصنف کے انتہائی غور و خوض کا پتہ چلتا ہے۔ مثلاً ملاحظہ ہوں۔

"ملک میں وہی طرز حکومت ہوتا ہے جسکا کہ وہ مستحق ہوتا ہے" "انسانی ترقی کے لئے مشکلات سے بڑھکر کوئی مکتب نہیں"۔ "خوش اعتقادی کو نکتہ چینی سے رغبت نہیں" "اپنا گھر وہی ہے جہاں اپنے ہاتھوں کی کمائی ہو"

"ستیا بنانے کے لیے رام جیسا مرد چاہیئے" وغیرہ وغیرہ۔

منشی صاحب نے خیال شاعر کا پایا ہے اور قلم نثار کا۔ وہ بعض مقامات پر اپنے حسنِ تخیل سے عبارت مین ایسی رنگینی پیدا کر دیتے ہین کہ نثر مین نظم کا مزہ آجاتا ہے اور دل سے بے اختیار کلمۂ تحسین نکلتا ہے۔ ہمارا خیال تو یہ ہے کہ قدرت نے منشی صاحب کو فکر شاعرانہ عطا کر کے اور پھر بھی اُنھین شاعر نہ بنا کر اُن پر اور اُن کے ہموطنون پر واقعی ظلم کیا ہے۔ اُن کی نازک خیالی کے چند بہترین نمونے کایا کلپ سے اقتباس کر کے درج ذیل کئے جاتے ہین۔ ناظرین پڑھین اور لطف اُٹھائین۔

(۱) منورما اور اہلیا کا موازنہ ﴿ یہ دلکو فریفتہ بناتی ہے اور وہ اسکو زیر کرتی ہے۔ یہ کسی پالتو چڑیا کی طرح پنجرے مین گانے والی، وہ کسی صحرائی پرند کی طرح آسمان پر اُڑنے والی۔ یہ کسی شاعرانہ تخیل کی طرح شیرین اور لطف افزا، وہ کسی فلسفیانہ مسئلہ کی طرح مشکل اور ناقابل فہم۔

(۲) چکردھر منورما سے ﴿ ہمارے یہان شادی کی بنیاد محبت و رغبت پر نہین بلکہ فرض و مذہب پر ہے۔ رغبت متلون ہے اور لمحہ لمحہ بدلتی رہتی ہے۔ فرض مستقل ہے جسمین کبھی تبدیلی نہین ہوتی۔ (۳) حکومت حیوانی طاقت کی مجسم ضرورت ہے۔ وہ سادھو نہین جس کی طاقت دھرم ہے، وہ عالم نہین جس کی طاقت بحث ہے، وہ سپاہی ہے جو ڈنڈے کے زور سے اپنا مطلب پورا کرتا ہے (۴) زیور جذبات کے فقدان پر پردے کا کام دیتے ہین۔ حسن کو زیور کی ضرورت نہین۔ نزاکت زیور کا بوجھ نہین اُٹھا سکتی۔ (۵) شباب زندگی کا بہشت ہے۔ اگر طفلی مین ہم تخیل کا راگ الاپتے ہین تو شباب مین ہم اُسی تخیل کا مشاہدہ کرتے ہین اور پھر پیرانہ سالی مین ہم اُسی مشاہدہ کا خواب دیکھتے ہین تخیل بے بس ہوتا ہے اور خواب بے بنیاد۔ زندگی کا ماحصل صرف عملی مشاہدہ ہے۔

کایا کلپ مین قابل مصنف نے مختلف افراد کی زبان سے شادی کے متعلق اپنے خیالات کا مزید اظہار کیا ہے۔ منشی جسودا نندن اہلیہ کی تصویر منگاتے ہوئے کہتے ہین۔ مین تو یہانتک کہتا ہون کہ بر (دولھا) اور کنیا (دُلھن) مین (قبل شادی) دو چار بار ملاقات بھی ہو جانی چاہیے کنیا لڑکی کے لیے تو یہ نہایت ضروری ہے۔ مرد کو عورت پسند نہ آئی تو وہ اور شادیان کر سکتا ہے عورت کو مرد پسند نہ آئے تو اُسکی تو ساری عمر روتے ہی کٹے گی"۔ نادلسٹ کی آزاد خیالی قابل داد ہے اور حقوق کی مساوات کو دیکھتے ہوئے سرسری نقطۂ خیال سے یہ بات کسی طرح بھی بیجا نہین معلوم ہوتی مگر اس بارہ مین کاونٹ ہرمین کیسر لنگ کی رائے مختلف ہے۔ وہ کہتے ہین کہ جو شادیان

رشتہ داروں کے ذریعہ سے تکمیل پاتی ہیں وہ عشق و محبت کی شادیوں کے مقابلہ میں زیادہ مسرت و شادمانی کا باعث ہوتی ہے" اگر لڑکا اور لڑکی میں دوستی ہو تو اُنھیں باہم شادی نکرنی چاہیئے۔ کیونکہ ایسی شادی ارتقائے نسل کی مانع ہے" ہم یہ دیکھکر شک میں پڑجاتے ہیں اور خیال ہوتا ہے کہ ہمارے آباؤ اجداد نے شادی کے موجودہ طریقوں کو رائج کر کے شاید کوئی بڑی غلطی نہین کی۔ خیر مصنف صاحب آگے چلکر پھر لکھتے ہیں۔

"نام سے کوئی بیاہتا نہیں ہوتی، سیوا اور پریم سے ہوتی ہے"۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جب کسی مرد کا کسی عورت سے تعلق ہوجاوے تو مرد کا فرض ہے کہ جبتک عورت کی جانب سے کوئی بیجا طرز عمل نہ دیکھے اُس رشتہ کو نباہے۔ خواہ عورت کسی ذات کی ہو" شادی کے اغراض کو دیکھتے ہوئے اور انسانوں کی سطحی مساوات کا خیال رکھتے ہوئے ہم حضرت مصنّف کی اس رائے سے اتفاق کر سکتے ہیں۔

اس ناول میں موجودہ ہندو مسلم تنازع کے تعلق سے بھی چند خاص افراد لائے گئے ہیں۔ خواجہ محمود مسلمانوں کے لیڈر ہیں۔ وہ شدھی کے جواز کو تسلیم کرتے ہوئے بھی اُسکو ایک مردہ حق کا زندہ کرنا بتلاتے ہیں کہ مسلمانوں کی طاقت کم ہوجاوے۔ اور پس اُن کے مقابلہ مین قربانی (گاؤ) کو اپنا حق بتلاتے ہوئے اُس پر دوگنی طاقت سے کاربند ہونے کی دھمکی دیتے ہیں۔ یہاں ہم اسقدر کہدینا چاہتے ہین کہ اوّل تو شدھی کے مقابلہ کے لیے انصافاً صرف تبلیغ ہی کافی ہے جو کبھی بند نہیں رہی اور دوسرے قربانی کی زیادتی سے نہ صرف ہندوؤن کا بلکہ تمام ملک کا نقصان ہے۔ خیر ایسے حالات رکھتے ہوئے بھی خواجہ صاحب نہایت شریف اور انصاف پرور مسلمان ہیں۔ ہندوؤن کے لیڈر جیودانندن اُنکے پُرانے دوست ہیں۔ لیدہ دونوں لیڈروں میں قدرتاً سخت مغائرت ہونے کے باوجود بھی جیودانند کے مارے جانے پر خواجہ محمود رونے لگتے ہیں۔ جیودانندن کی منھ بولی لڑکی اہلیا ہے جو چکردھر کی منگیتر ہے۔ ہندو مسلم فساد کے وقت خواجہ صاحب کا اکلوتا بیٹا اُسے بہ نیت فاسد اُٹھا لیجاتا ہے۔ اہلیہ چھتّرانی ہے وہ اپنی عصمت کی حفاظت میں اُسکو قتل کرڈالتی ہے۔ خواجہ محمود قتل کو واجب قرار دیتے ہوئے اہلیا کی ہمّت کو سراہتے ہیں اور پھر اُسکی شادی میں پانچ ہزار روپیوں کا جہیز بھی دیتے ہیں۔ فی زمانہ ایسے فراخدل بزرگ کاہے کو ملین گے۔؟ موجودہ ہندو مسلم قضیہ کو تمام کرنے کے لیے ایسے چند ہندوؤن کے بھی ضرورت ہے۔ مگر ابھی وہ دن دور معلوم ہوتا ہے۔ جبتک منشی پریم چندکی یہ رائے صائب معلوم ہوتی ہے کہ ہندوؤن کو اپنا کوئی جائز حق نافذ کرنے کے لیے دوسروں کی جان نہ لیکر خود اپنی جان دینے پر تیار رہنا چاہیئے۔ اس غرض کے لیے منشی صاحب نے چکردھر کا ستیہ گرہ دکھلا

جو مسلمانون کو متاثر کرکے قربانی گاؤ کے روکنے مین بالآخر کامیاب ہوکر رہتا ہے۔

اب جیل کے متعلق منشی صاحب کے خیالات ملاحظہ فرمائیے:۔ کہتے ہین کہ "جیل حکومت کا جزو نہین بلکہ حیوانی تجارت ہے۔ آدمیون سے جبراً کام لینے کا بہانہ، ظلم کا سیدھا ذریعہ۔ دو روپئے روزانہ کا کام لیکر دو آنہ کا کھانا کھلانا ایسی بے انصافی ہے جس کی نظیر کہین نہین ملسکتی جس حیثیت سے ایک کنبہ کی پرورش ہوتی وہ اپنا پیٹ بھی نہین بھر سکتی۔ انصاف تو جب جانین جب ملزم کو سزا دیجئے اُس سے خوب کام لیجئے مگر اُسکی مشقت کے پیسے اُسکے گھر پہونچا دیجئے۔ ملزم کے ساتھ اُسکے گھر والون کا خون نہ کیجئے۔ ..... اوّل سے آخر تک یہ ساری تجارت شیطنت آمیز اور قابل نفرت و حقارت ہے۔ ......"

منشی پریم چند تارک موالات رہ چکے ہین اُنھون نے ملک کی ضرورت پر اپنی بائیس سالہ سرکاری ملازمت کو خیرباد کہکر اپنی آن کو نباہا ہے۔ پس ناممکن ہے کہ وہ کچھ لکھین اور سرکاری حکّام کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار نہ کرین۔ اس اظہار خیالات مین شاید بعض اصحاب سخت گیری کے شاکی ہون۔

اب ہم کتاب کی وجہ تسمیہ پر غور کرینگے۔ دیوپریا جگدیش پور کے رانی ہے۔ وہ بیوہ ہے اور مسن ہونے پر بھی بیحد عیش پسند ہے۔ بناؤ سنگار۔ اور مصنوعی ذرائع کی مدد سے نوجوان امیرزادون کو اپنا گرویدہ بنانے کی کوشش کرنا اُسکی زندگی کا خاص کام ہے۔ رانی کا شوہر حسرت بھرے دل کو لیے ہوئے دنیا سے چل بسا تھا۔ وہی حسرت اُسکو پھر دنیا مین ملکر رانی سے ملنے کا موقع دیتی ہے۔ جگدیش پور کا راجہ ہرش پور کے راجکمار کا قالب اختیار کرتا ہے۔ بڑی کاوش و تلاش کے بعد ہمالہ کے ایک مہاتما سے اُسکی ملاقات ہوتی ہے جو اُسکو سائنس کے عجیب کرشمے دکھلاتا ہے۔ وہ مہاتما کی بدولت اپنے اگلے جنم کے واقعات کا مشاہدہ کرتا ہے اور پھر رانی دیوپریا کو اپنے ساتھ لیجا کر مہاتما کی بتلائی ہوئی تدبیرون کے مطابق اُسکا کایا کلپ (تبدیلی قالب) کرکے اُسکو دوبارہ حسن و شباب کی دولت سے مالامال کر دیتا ہے۔ مگر ابھی رانی کے ساتھ گناہون کا کفارہ ہونا باقی ہے۔ اُسے ابھی بیوگی کی صورت مین اپنے پاپون کا پھل بھوگنا پڑا ہے۔ بس جیسے ہی راجکمار اُسکی طرف راغب ہوتا ہے وہ لقمۂ اجل ہو جاتا ہے اور دیوپریا کملا دتی بنکر ہرش پور کی رانی ہوتی ہے۔ حسرت وصال راجکمار کو پھر کھینچ لاتی ہے۔ وہ چکردھر اور اہلیا کا اکلوتا بیٹا سنکھ دھر بنکر اور جگدیش پور کے راج کا وارث ہوکر پھر دنیا مین آتا ہے۔ اور بالغ ہوکر اتفاقاً ہرش پور جا پہونچتا ہے۔ رانی کملا دتی

کا قالب دوبارہ تبدیل کیا جاتا ہے مگر جیونہی دو ارمان بھرے دل ملنا چاہتے ہین کہ رانی دفعتاً
پھر بیوہ ہو جاتی ہے اور اسی حالت مین بالآخر وہ پھر جگدیش پور کی رانی ہوتی ہے۔ لائق مصنف نے
مسئلہ تناسخ اور وجہ تناسخ کو جس خوبی سے سمجھایا ہے۔ وہ بہرحال قابل تعریف ہے۔ اگرچہ جس
امر کے سبب کسی کتاب کا نام قائم کیا جاوے۔ اُس کی تشریح معمول سے زیادہ ہونی چاہیئے۔ پھر بھی
ہمارے خیال مین جو کچھ مصنف نے لکھا ہے وہ سوچنے اور سمجھنے کے لیے کافی ہے۔ ہم اسکے
متعلق صرف اتنا اور کہدینا چاہتے ہین کہ ہمارے رشیون نے ان سب ہی باتون کا ہونا بالکل
ممکن بتلایا ہے۔ اور کایا کلپ تو دوا اوشدن (اسکی ایک دوا "سوم لتا" نامی بیل ہے) سے ہو ہی
سکتا ہے۔ رہا سائنس کے کرشمون کے متعلق، سو زمانۂ حال کی نئی نئی ایجادون کو دیکھتے ہوئے کوئی
ایسی بات بھی ناممکن نہین معلوم ہوتی۔ البتہ سائنس کی مدد سے مکتی (نجات) کا حاصل ہونا نہ اب ممکن
ہے۔ اور آیندہ ممکن ہوسکے گا۔ سائنس کی رسائی وہین تک ہے جہانتک کہ مادی تعلقات یعنی قلمونیون کی حد
ہے۔ مکتی اس سے آگے کی چیز ہے۔ اُسمین خالص روحانیت ہے۔ اور اُسکے حصول کے لیے خالص
روحانی ذرائع کی ضرورت ہے۔

اس ناول کا ہیرو اگرچہ ظاہر مین چکردھر ہے مگر غور سے دیکھنے پر منورما کا پایۂ اُس سے
بلندتر معلوم ہوتا ہے۔ اسمین شک نہین کہ چکردھر مین حب الوطنی، ہمدردی، نفس کشی، فقر و غنا،
غرض وہ سبھی باتین ہین جو کسی شخص کو ہیرو بنا سکتی ہے۔ مگر پھر بھی وہ جا بجا گرد و پیش کے حالات
سے متاثر ہوکر لغزش کر جاتا ہے۔ برخلاف اسکے منورما نہایت مستقل اور صحیح المزاج ہے۔ ہم کو تو
واقعی اس سارے ناول مین صرف وہی ایک ایسی برگزیدہ ہستی نظر آتی ہے۔ جو ابتدا سے انتہا
تک اپنے خود دارانہ اصولون پر برابر قائم رہتی ہے۔ دیوی منورما رانی منورما ہوکر بھی دیوی منورما ہے
اُسکی زندگی خاموش ایثار کی زندگی ہے جسمین ذرا بھی غوغا نہین۔ منورما کو چکردھر سے عشق ہے
چکردھر کی شادی اہلیا سے ہوجاتی ہے۔ اور تب منورما کا عشق بیغرضانہ ہوجاتا ہے۔ جسکے نباہنے
کے لیے وہ راجہ وشال سنگھ سے بیاہ کرکے اپنے سارے ولولون اور ارمانون کا خون کر دیتی ہے۔
پھر بھی اپنی حالت پر غیر مطمین نہین معلوم ہوتی۔ ناول مین تیسری قابل قدر حیثیت لونگی کی ہے۔ یون تو یہ ایک
داشتہ عورت ہے۔ مگر اُسکا تیاگ، اُسکی سیوا۔ اُسکا پتی برت، بڑی بڑی بیاہتا عورتون کے رشک
کی چیزین ہین۔

اِن کے علاوہ ایک چوتھی قابل ذکر ہستی اور بھی ہے۔ جسمین تیاگ اور تپسیا تو نہین مگر وضعداری کا

فخر اور دکھاوا کا شوق اُسی طرح موجود ہے جیسا کہ ہم آج بھی کہین کہین پرانے لوگون مین دیکھتے ہین غالب مرحوم شاید ایسے ہی افراد کے لیے کہہ گئے ہین ؎

اگلے وقتون کے ہین یہ لوگ انھین کچھ نہ کہو — جو مے و نغمہ کو اندوہ رُبا کہتے ہین

مگر ان باتون کے ساتھ ان مین ایک بہت بڑی خوبی ہے۔ اُنھین کے الفاظ مین سنئے۔
"ایشور نے جس حالت مین رکھا خوش رہا۔ فاقے بھی کئے ہین اور آج ایشور کی کرپا سے پیٹ بھر کھانا بھی کھاتا ہون۔ مگر رہا ایک ہی طریقہ پر۔ نہ ساتھ کچھ لایا ہون، نہ لیجاؤنگا۔ بیفائدہ کیون روؤن؟"

ناولسٹ نے رانی دیوپریا کے جسمانی کایا کلپ کے علاوہ دو اور ہستیون کا دماغی کایا کلپ بھی نمایان طریقہ پر دکھلایا ہے۔ ایک اہلیا کا اور دوسرے اُسکے باپ (جسکا بعد مین علم ہوا) راجہ بشال سنگھ کا۔ وہی اہلیا جو بعد شادی بھی ایک ہندو استری کی طرح اپنے شوہر کے سکھ دُکھ مین برابر شریک رہتی ہے، وہی اہلیا اپنے باپ سے ملتے ہی آرام پسند اور خود پرست اہلیا بنجاتی ہے۔ گویا باپ کا علم ہونے کے ساتھ ہی باپ کی فطرتی کمزوریان بھی جو اہلیا کے فطرت مین پوشیدہ تھین۔ یکدم عود کر آتی ہین اور پھر مرتے دم تک اُسکا پیچھا نہین چھوڑتین۔ دوسری طرف خود اُسکے والد راجہ بشال سنگھ ہین۔ تلوّن طبعی کے تصویر ہوس پرستی کے مجسّمہ۔ بھوگ کے اوتار۔ عدل گستر اور رعایا پرور بننے کی کوشش کرتے ہین مگر ہین دراصل ظالم اور رعایا کش۔ شادیون سے اُنھین سیری نہین۔ متعدد رانیون کے طفیل سے ہر وقت خانہ جنگی ہوتی رہتی ہے۔ جس سے ان کا ناکون دم رہتا ہے۔ منشی پریم چند نے راجہ کا مزاج اور ان کے گھر کی خانہ جنگی کا نقشہ پیش کرتے ہوئے ان باتون کا انجام دکھلاکر، ہمارے راجاؤن رئیسون کو اچھا خاصا سبق دے ڈالا ہے۔ ناول مین یہ نقشہ بھی آنکھین کھولکر دیکھنے کی چیز ہے۔

آخر مین ہم اس ناول کے متعلق چند ضروری باتین اور کہنا چاہتے ہین۔ جنھین ہم خامیان سمجھتے ہین۔ صفحہ ۵۶ و ۵۷ پر بالگیشوری اہلیا سے شادی کی گفتگو کرتی ہے۔ اس موقع پر بھی اہلیا کا جواب ہندوؤن کے موجودہ رسم و رواج کو دیکھتے ہوئے کچھ بیجا یا نہ سا معلوم ہوتا ہے۔ شادی کے بعد ایک اور موقع پر جب اہلیا اپنے کسی مضمون کا معاوضہ لینے پر مجبور ہوتی ہے تو چکردھر خود کو لعنت ملامت کرتا ہے۔ یہ کیون؟ اگر عورت مرد کے کام مین یا مرد عورت کے کام مین ضرورت کے وقت تھوڑی بہت مدد کر سکے تو کیا ہرج ہے خصوصًا جب اُس کام کا تعلق خدمت خلق

سے ہو ؟ -

منشی پریم چند ایسے ناول لکھنے کے زیادہ شائق معلوم ہوتے ہین جنمین رنج وغم کا عنصر زیادہ ہو اگرچہ یہ عنصر بھی اپنا ایک دلچسپ پہلو رکھتا ہے - مگر ہماری ناقص راے مین اگر رنج مین کچھ خوشی بھی شامل کیجا سکے تو پڑھنے والے کو ناول کے خاتمہ پر بڑی فرحت محسوس ہوتی ہے - عموماً ناول کے آخری منظر کا اثر دیر پا ہوا کرتا ہے اور ہمارے خیال مین تھوڑی کوشش سے ناظرین کی تشفی کا ذریعہ نکل سکتا تھا - کیا یہ بہتر نہ ہوتا کہ چکردھر کے آجانے پر اہلیا صحت پا جاتی اور اُسکی یہ زندگی ہرتی مین نئی زندگی ہوتی (منورما بطور (محافظ فرشتہ) کے دونون کے ساتھ رہتی اور ان سبھون کی زندگی خدمت عامہ مین بسر ہوتی - خیر آخر مین چڑیان پالنے کا مطلب بھی ہماری سمجھ مین نہ آیا - مغموم منورما تو اپنا دل بہلانے کو پال سکتی تھی مگر مخلوق کی سیوا کا دم بھرنے والے چکردھر کے لیے ایسا کرنا کہانتک مناسب تھا - ؟ پھر چکردھر کا منورما کے باغ مین پنجرا رکھکر چلے جانے سے کیا مطلب . کیا وہ منورما سے اپنی محبت جتانا چاہتا تھا ؟ پھر اس واقعہ کے بعد چکردھر اور منورما کا کچھ بھی پتہ نہین چلتا کہ انکی زندگی کیسے گزری - راجہ وشال سنگھ (مرحوم) کی رانیون (وسبومتی اور رام پریا) کے متعلق بھی کوئی مزید بات نہین کہی گئی کہ پھر اُن پر کیا بیتی خصوصاً لونگی جیسی آدرشی استری کا اسٹیج سے یکدم غائب ہوجانا بہت کھٹکتا ہے ہم اُسکے متعلق کچھ اور جاننا سننا چاہتے ہین مگر ہمین مایوسی ہوتی ہے -

ہماری راے مین منشی پریم چند کو اس بات کا کافی خیال رکھنا چاہیے کہ افراد قصہ مین کوئی ایسا نہ رہ جاے جسکے لیے پڑھنے والون کے دلمین کچھ نہ کچھ Curiosity. باقی ہی رہے -

ہمین ایک بات اور کھٹکی - منشی پریم چند کے دیگر ناولون کو دیکھتے ہوے کایا کلپ مین ظرافت تقریباً غنقی کے برابر ہے - اگرچہ اس سے ناول کی دلچسپی مین کوئی فرق نہین واقع ہوا - پریم آشرم اور رنگ بھوم کی بہ نسبت کایا کلپ مین جذبات نگاری بہت کم ہے مگر دلکشی بہت زیادہ - پلاٹون کی ترتیب عمدہ ہے اور عبارت مین کہین بھی بیجا طوالت نہین - غرضکہ کتاب ہر طرح قابل قدر ہے -

یہ ناول موٹے سفید کاغذ پر صاف چھپا ہے اور کپڑے کی خوشنما جلد بھی ہے - حجم ۶۲۲ صفحے قیمت ہے - ملنے کا پتہ :- بہار گوپستکالیہ گاے گھاٹ بنارس -

اقبال ورما سحر (ہنگامی)

—— - ❊ ——

پرستارِ حسن

یہ نظم پنڈت آنند نرائن ملّا لکھنوی خلف پنڈت جگت نرائن صاحب کی تصنیف ہے حسن و عشق کا قصہ تو پرانا ہے اور پرانا ہونے پر بھی نیا۔ افراد کی حیات مہد سے لحد تک اور کائنات کی زندگی ازل سے ابد تک اس دلچسپ افسانے کی رنگینیوں سے پُر ہے۔ مگر ایک خاص نکتہ ہے جو اس نظم کو اس طرح کی عام نظموں سے جدا کرتا ہے اور جو اس کا مایۂ امتیاز ہے یعنی

حسن کا شیدا نہین جو دل کہ ہرجائی نہین

ناظرین پڑھین اور اسکا لطف اُٹھائین کیا عجب ہے کہ اس نظم کی اشاعت سے دوسری رنگین طبیعتون کو اس موضوع پر طبع آزمائی کی تحریک ہو۔

اپنے سوزِ غم کی شرحِ داستان کیونکر کرون — دل کی جو باتین ہین وہ نذرِ زبان کیونکر کرون
راز جو مجھسے بھی پنہان ہے بیان کیونکر کرون — اپنی ہستی کو زمانہ پر عیان کیونکر کرون

دردِ دلکو غم کہون۔ الفت کہون۔ سودا کہون
مین یہی حیران ہون کس سے کہون اور کیا کہون

اے شعاعِ برق زائے خاورِ بینائے حسن — اے شرابِ دلگداز ساغرِ مینائے حسن
اے نگاہ فتنہ خیز دیدۂ بینائے حسن — اے شرارِ عقل سوز شعلۂ سینائے حسن

تو نے سینہ مین یہ کیسا درد پیدا کر دیا
میری ہستی کو مرے دل سے شناسا کر دیا

آرزوئین دل کی ساری بیخبر تھین مست خواب — جانتا تھا کون کہتے ہین کسے جوشِ شباب
یک بیک تو نے رخِ پرنور سے الٹی نقاب — دیکھتے ہی ہاتھ سے جاتی رہی تسکین و تاب

عقدۂ دل اک اشارہ سے ترے کھلنے لگا
محورِ رازِ آفرینش کا پتہ چلنے لگا

سامنے تھا جلوہ گر حسنِ ازل مستانہ وار دلفریب و دلگداز و دلربا و دلفگار
آفتِ صبر و تحمّل دشمنِ ضبط و قرار اور کیا کرتا اگر کرتا نہ دل اپنا نثار

دل تو یوسفؑ تھا او دہر تھی دولتِ بیدارِ حسن
لے ہی آئی کھینچکر آخر اُسے بازارِ حسن

تو اُمنگوں مین مری مجھکو نظر آنے لگا تو تصوّر مین مجھے رہ رہ کے تڑپانے لگا
مین نے جب دیکھا مرے قابو سے دل جانے لگا نقشۂ عبرت دکھا کر اُسکو سمجھانے لگا

کچھ نہ کچھ لیکن ارادون مین مرے خامی رہی
لاکھ کوشش کی مگر افسوس ناکامی رہی

مین نے پہلے تجھسے بچنے کی بہت تدبیر کی دل کے بہلانے کو دنیا اِک نئی تعمیر کی
جب نہ یون مانا تو پھر دھمکی بھی دی تعذیر کی بیڑیان تجھکو پنہائین عقل کی زنجیر کی

تو مگر میرے خیالون مین بھٹکتا ہی رہا
آرزو بنکر کلیجہ مین کھٹکتا ہی رہا

آخرش مجبور ہو کر مین ہوا تیرا غلام جستجو ہی مین تری مین نے بسر کی صبح و شام
عقل و دانش کو کیا بس دور سے مین نے سلام آنکھ مین تھی شکل تیری اور لب پہ تیرا نام

جب سے دیکھی بتکدہ مین تیری مورت دیکھ لی
مین نے جس صورت مین چاہا تیری صورت دیکھ لی

تو ہر اک غنچہ کے دلمین ضَو فگن مجھکو ملا رنگ نکو صورت آرائے چمن مجھکو ملا
تو ہر اک محفل مین شمعِ انجمن مجھکو ملا بزمِ دنیا مین تو ہی ہنگامہ زن مجھکو ملا

جلوہ گر آنکھون مین کچھ ایسی تری تنویر تھی
میرے ہر آنسو کے قطرہ مین تری تصویر تھی

اس تلاشِ حسن سے پر دل کچھ ایسا ہو گیا اِک نئی صورت کا ہر روز جویا ہو گیا
آج شیرین پہ تو کل لیلیٰ پہ شیدا ہو گیا جس حسین کو اس نے دیکھا بس اُسی کا ہو گیا

مین نے اِس نکتہ مین خامی آج تک پائی نہین
حسن کا شیدا نہین جو دل کہ ہرجائی نہین

...ن سے مجکو غرض جز خوبیِ صورت نہین — جز پرستش کے مرے دلکی کوئی حاجت نہین
...ی شوق و تمنا سے مجھے رغبت نہین — حسن کے بندے جو ہین وہ بندۂ الفت نہین

پاک نیت ہو تو جھگڑے عشق مین پڑتے نہین
شمع کی الفت مین پروانے کبھی لڑتے نہین

...ن جس پر ختم ہو، ایسی تو صورت ہی نہین — جو نہ ہو محو طلب انسان کی فطرت ہی نہین
...ہ گلشن مین جو آوارہ۔ وہ نکہت ہی نہین — ایک کی ہو کر رہے جو، وہ طبیعت ہی نہین

دل ہے شیدائے چمن۔ اسکی محبت عام ہے
شہد کی مکھی ہے یہ۔ ہر گل سے اسکو کام ہے

آنند نرائن ملّا (لکھنوی)

لسان القوم جناب مولانا صفی صاحب لکھنوی

مٹکر بھی یادگار دلِ داغدار ہون — اپنے خزان رسیدہ چمن کی بہار ہون
پیری مین وقفِ گریۂ بے اختیار ہون — کہتی ہے ہر خزہ رگِ ابرِ بہار ہون
صید کمندِ حسنِ تغافل شعار ہون — مرہون منتِ ستمِ روزگار ہون
ہے جو ہرون پہ گرد کی چادر پڑی ہوئی — بزم جہان مین آئینۂ پُر غبار ہون
دنیا سرا ہے۔ عالم ارواح ہے وطن — دشت مسافرت مین غریب الدیار ہون
گردون نہ میری نہ نکلنی پہ ہو مستعد — اِک نخلِ پُر ثمر شجرِ سایہ دار ہون
پیری کو میری عہد جوانی پہ بھی ہے ناز — یعنی گذشتہ عمر کی اِک یادگار ہون
جس سے کبھی تھی گرمی ہنگامۂ نشاط — کہتا ہے اب وہ دل کہ چراغ مزار ہون
کہتی ہے مجھسے ہنسکے صفی عمر بے ثبات — ناپائدار جلوۂ برق و شرار ہون

...اخوذ

۲۳ جون ۱۹۲۷ء کو اڈیٹر زمانہ کے فرزند دوم بابو بشن نرائن نگم بی۔ اے کی شادی تھی اس تقریب کے سلسلے میں بعض سخنور احباب نے از راہ محبت و خلوص سہرے لکھے تھے۔ ہم اس نمبر میں حضرت احسن سنبھلی کا سہرا ہدیہ ناظرین کرتے ہیں یہ سہرا اپنی ادبی خوبیوں کے لحاظ سے قابل داد ہے۔

بشن نرائن کے رُخ سے مِلکر بنا ہی رشکِ نگار سہرا | کلی کلی مسکرا رہی ہے دکھا رہا ہے بہار سہرا
ہنسی سے بے اختیار غنچے، خوشی سے بے اختیار سہرا | جمالِ نوشہ کی دلکشی پر فدا ہیں غنچے نثار سہرا
دیا نرائن تمہیں مبارک پسر کی یہ دلنواز شادی | بشن نرائن تمہیں مبارک یہ دن یہ رشکِ ہار سہرا
جمالِ نوشاہ کا یہ عالم کہ پردہ داری سے اور چمکا | شعاعِ رخسار کا یہ پرتو کہ بنگیا جلوہ زار سہرا
نثارِ نوشاہ ہو رہے ہیں نسیم کے خوشگوار جھونکے | اِسی سے کلیاں چٹک رہی ہیں اسی سے ہے بیقرار سہرا
شگفتہ کیوں ہوں نہ غنچۂ دل کہ دلکشا ہے پسر کی شادی | جو باپ کے دل کا چین سہرا تو ماں کی دل کا قرار سہرا
وہ جلوۂ رُخ کہ برق چمکے وہ جنبشِ لب کہ پھول برسیں | جب ایسی دلکش ہو شکلِ نوشہ تو پھر کرے کیوں نہ پیار سہرا
یہ جلوۂ حسن کا اثر ہے کہ منتظر ہیں ہزار آنکھیں | یہ روئے نوشاہ کی کشش ہے کہ ہو رہا ہے نثار سہرا

یہ طبعِ احسن کی گلفشانی یہ نکتہ سنجی یہ نکتہ دانی
کھلے ہیں کیا کیا گُل معانی ہوا ہے کیا پُر بہار سہرا

احسن سنبھلی

ترانۂ وطن

اے ہند کیسا تجھ مین ہوا ہائے انقلاب نقشہ ترا بگڑ گیا صورت ہوئی خراب

آیا جو یاد مجکو وہ پہلا ترا شباب

اِک چیخ دل سے نکلی کہ ہے ہے مرا وطن

بیکس وطن غریب وطن بے نوا وطن

وہ گلستان کہان ہین کہان ہین وہ سبزہ زار آتا ہے اب نظر مجھے ہر سمت خار خار

یہ حال زار دیکھہ کے آنکھین ہین اشکبار

ہیہات کیا ہوا وہ مرا جانفزا وطن

بیکس وطن غریب وطن بے نوا وطن

تجھکو کبھی تو کہتے تھے جنت کا مرغزار کہلاتے تھے بہشت کے ٹکڑے ترے دیار

آتے تھے تیری سیر کو ملکون کے تاجدار

اب حال یہ کہ جان پہ بھاری ہوا وطن

بیکس وطن غریب وطن بے نوا وطن

اب کوہ مین نہ کبک و دری کے وہ قہقہے طوطی کے زمزمے ہین نہ بلبل کے چہچہے

گلشن مین اب بہار کے دن ہی نہین رہے

بیدرد باغبان کے پالے پڑا وطن

بیکس وطن غریب وطن بے نوا وطن

ارجن کہان، وہ بھیم کہان، شیر خان کہان پرتاب سنگھ و اکبر و شاہجہان کہان

سنگرام سنگھ و بابر شیر ژیان کہان

گو دون کا تیسری ان مین ہر اک تھا پلا وطن

بیکس وطن غریب وطن بے نوا وطن

جرأت ہماری کیا ہوئی، ہمّت کہاں گئی ہنس ہنس کے رحم کھانے کی عادت کہاں گئی
سر پہ پہاڑ اُٹھانے کی طاقت کہاں گئی
اِن سب سے یک بہ یک مرا خالی ہوا وطن
بیکس وطن غریب وطن بے نوا وطن

کیا کیا نہ آفتون مین تری قوم پڑ گئی ماتم نئے نئے تھے مصیبت نئی نئی
حرکت نہ کبھی نہ جوشِ حمیّت مین پر ہوئی
غیرت بھی تجھ سے ہو گئی کیا اب جدا وطن
بیکس وطن غریب وطن بینوا وطن

دولت کے ساتھ ملّت و تہذیب چل بسی علم و ہنر سدھارے ہوئی ایسی ابتری
ادبار و مفلسی کی گھٹا سر پہ چھا گئی
کس بے بسی سے مرا آہ لٹ گیا وطن
بے کس وطن غریب وطن بے نوا وطن

تیرا کوئی تو مونس و غمخوار و یار ہے اک تیرا دستگیر وہ پروردگار ہے
وحشیؔ جو رنج و غم مین ترے دلفگار ہے
تجکو لگاؤن سینہ سے آ دلربا وطن
بیکس وطن، غریب وطن بینوا وطن

محمد اسمعیل وحشیؔ

(جناب یاسؔ ٹونکی)

دلمین گنجائش نہو تو دل لگی اچھی نہین
جو رُلانے کیلئے ہو وہ ہنسی اچھی نہین

جان کو اپنی نہ کھو سوء ہنسی اچھی نہین
کوئی اچھی ہے گھڑی کوئی گھڑی اچھی نہین

صدقہ عیش دو جہان قربان عمرِ جاودان
تیرے غم کے سامنے کوئی خوشی اچھی نہین

اک نہین ہے تو نہین عاشق نوازی کی ادا
ورنہ تجھمین بات ظالم کونسی اچھی نہین

مجھ کو نکرا [illegible] کہتا یاسؔ کو
یاد رکھنا آج سے یہ دل لگی اچھی نہین

لطفِ سخن

جناب سید انور حسین صاحب آرزو لکھنوی

درد ایسا دے نہ راز کسیکا کہین جسے ۔۔۔ یعنی وہ جوشِ عشق کہ سودا کہین جسے
دنیا ہو جبکہ دیدۂ وحشت اثر مین تنگ ۔۔۔ وہ کونسا مقام ہے صحرا کہین جسے
غارتگری نے حُسن کی محتاج کر دیا ۔۔۔ وہ دل کہان نصیب کہ اپنا کہین جسے
قسمت نے ہمکو جلد دکھا دی وہ دشمنی ۔۔۔ ہم تیری دوستی کا نتیجا کہین جسے
تہذیبِ عاشقی کا رہے ہوش اے جنون ۔۔۔ حالت نہ وہ بنا کہ تماشا کہین جسے
اتنا تو دلکو ہجر مین بہلائے تیری یاد ۔۔۔ بے لطف زندگی کا سہارا کہین جسے
چھایا کا ہزار رنگ ہے وہ حسنِ خودنما ۔۔۔ ایسا وہ کون رنگ ہے یکتا کہین جسے
رسوائیون کا داغ ہے بدنامیون کی مہر ۔۔۔ وہ اشکِ سرخ خونِ تمنا کہین جسے
زندانِ تنگ بند ہے کیا آ کے کیا سمائے ۔۔۔ وہ وسعتِ خیال کہ صحرا کہین جسے
چھالا نہ دلکا اے اثرِ سوزِ عشق مین ۔۔۔ اُس حد مین رہ کہ داغِ تمنا کہین جسے
دلکی کتاب مین نظر آئے گا آرزو ۔۔۔ وہ نقطۂ خیال سویدا کہین جسے

حضرت احسن سُہُھی

نفس نفس مرا دشمن ہے مجھ مین دَم کیا ہے ۔۔۔ کرم کی شان دکھا دے ترا کرم کیا ہے
ہزار رنج سہی فکرِ بیش و کم کیا ہے ۔۔۔ تری خوشی ہے اسی مین تو مجھکو غم کیا ہے
تعینات سے آزاد ہے جبین نیاز ۔۔۔ نظر مین تو ہو تو پھر دیر کیا حرم کیا ہے
وہ میرے نالۂ دلکو ہنسی سمجھتے ہین ۔۔۔ ابھی خبر نہین اُن کو کہ نازِ غم کیا ہے
ڈرین اجل سے جو مرتے ہین زندگی کے لیے ۔۔۔ جو مٹ چکا اُسے اندیشۂ عدم کیا ہے

دہ ملتفت تو ہین احسن یہی غنیمت جان
ستم سے لطف اُٹھا شکوۂ ستم کیا ہے

فہرست مضامین جلد چہل و ہشتم از جنوری ۱۹۲۷ء تا جون ۱۹۲۷ء

تصاویر:- بسنت رُت (رنگین) حضور وائسرائے ہند و گورنر صوبہ، مرحوم شاہنشاہ جاپان اور ان کے جانشین سابق قیصر جرمنی اور اہلیہ - لارڈ ونٹرٹن، مسٹر عالم ایم - ایل - سی، مسٹر پٹیل نائب دفتر ہنگ آف نیشن سرجگت کرشن داس آئنگر صدر گوہاٹی کانگریس - سوامی شردھانند - سنگار (رنگین) راجہ شیوراج بلی صاحب وزیر تعلیم صوبہ متحدہ - مولانا عبدالحلیم صاحب شرر مرحوم - برج کی ہولی - اٹھارہ پنے کی ہولی - ہولی کا جوش - سورج نرائن مہر دہلوی - مولانا شبلی مرحوم - الاکین دار المصنفین اعظم گڈھ - منشی تیواری لال شعلہ - پریسیڈنٹ لیجسلیٹو اسمبلی و صدر صاحبان قانونی کونسل بنگال - پنجاب - صوبہ متوسط - صوبہ متحدہ - صوبہ بہار و اڑیسہ - شکنتلا اور نامہ شوق رنگین - نگی پورن سنگھ - دیانند اسکول و بورڈنگ ہاؤس دہرہ دون - گروپ بانیان دیانند کالج کانپور اور اس سے ہوسٹل کی عمارت۔

صفحہ ۵۷ و ۲۳۹ و ۳۰۴

فہرست مضامین جلد چہل و ہشتم از جنوری ۱۹۲۷ء تا جون ۱۹۲۷ء

تصاویر: بسنت رُت (رنگین) حضور وائسرائے ہند و گورنر صوبہ، مرحوم شاہنشاہ جاپان اور ان کے جانشین سابق قیصر جرمنی اور اہلیہ - لارڈ ونٹرٹن، مسٹر عالم ایم۔ ایل۔ سی، مسٹر پٹیل نائب دفتر ہنگ آف نیشن سرجبت کرنیواس آئنگر صدر گوہاٹی کانگریس - سوامی شردھانند - سنگار (رنگین) رائے راجیشوری بلی صاحب وزیر تعلیم صوبہ متحدہ - مولانا عبد الحلیم صاحب شرر مرحوم - برج کی ہولی - اٹھ بنے کی ہولی - ہولی کا جوش - سورج نرائن مہر دہلوی - مولانا شبلی مرحوم - اراکین دار المصنفین اعظم گڈھ - منشی نول داری لال شعلہ - پریسیڈنٹ لیجسلیٹو اسمبلی و صدر صاحبان قانونی کونسل بنگال - پنجاب - صوبہ متوسط - صوبہ متحدہ - صوبہ بہار و اڑیسہ - شکنتلا اور نامہ شوق رنگین - نیکی پورن سنگھ - دیانند اسکول و بورڈنگ ہاوس دہرہ دون - گروپ بانیان دیانند کالج کانپور اور اس کے ہوسٹل کی عمارت -

حصہ نظم

نمبر شمار	عنوان نظم	نام شاعر	صفحہ
۲۴	غروب آفتاب	از جناب محشر لکھنوی	۳۱۰
۲۵	نامۂ شوق	از منشی محبوب حسن وارث مارہروی	۳۱۱
۲۶	جذبات رواں	از چودھری جگت موہن لال رواں ایم-اے	۳۱۲
۲۷	مکتوب شوق	از سید عبدالرؤف شاہ عاصی بی-اے-ایل-ایل-بی	۳۱۳
۲۸	سانس سرد در	از پروفیسر رام پرشاد کھوسلہ ایم-اے	۳۱۴
۲۹	جذبات طالب	از پنڈت نند لال صاحب طالب کشمیری	۳۱۵
۳۰	مزدور کا مستقبل	از حضرت جوش ملیح آبادی	۳۸۰
۳۱	تلطم خیالات	از حضرت ابو عمر	۳۸۱
۳۲	کلید کامرانی	از جناب راز چاندپوری	۳۸۲

لطف سخن

ہز ہائینس مہاراجہ سر سری کرشن راجیندرو ادیار بہادر
جي - سی - ایس - آئي جي - بي - اي بالقابہ
والي میسور

زمانہ

جلد ۴۹ — اگست سنہ ۱۹۲۷ء — نمبر ۲

ہندی شائستگی

اگر کسی قوم کی شائستگی جسے انگریزی زبان مین کلچر CULTURE کہتے ہین دریافت طلب ہو تو اول سرسری طور پر ذیل کے اُمور پر غور کرنا چاہیئے۔

(الف) زبان

(ب) ادب

(ج) زیبائش کے طریق

(د) لباس

(ر) خوراک

(ز) مذہب یا دھرم اور طریق پرستش (پوجا)

(س) فنون لطیفہ

ہندوستان پر صدیون سے بیرونی حملے ہوتے رہے ہین مضمون ہذا مین ہم انگریزی دور کے زمانہ کا ذکر نہین کرینگے نہ قبل از اسلام کے زمانہ کا ذکر کرینگے۔ یہ مضمون صرف اسلامی زمانہ پر محدود

ہوگا۔ اسلامی زمانہ کی تقسیم دو حصون پر ہو سکتی ہے۔ اوّل اون حملہ آورون کا زمانہ جو لوٹ مار کر کے واپس چلے گئے۔ دوسرا اُن حملہ آورون کا زمانہ جو فاتح ہو کر اسی ملک مین قیام پذیر ہو گئے۔ واضح ہو کہ اکثر مسلم حملہ آور شمال مغربی سرحد سے آئے تھے۔ صرف عرب کے لوگ سمندر کی راہ سے سندھ مین آئے۔ اور ایران سے مختلف زمانے مین اہلکار، سپاہی، ادیب، شاعر، مذہبی مبلغ آتے رہے سلطنت مغلیہ کا دور مہذب زمانہ گنا جاتا ہے، یہ کلیہ بلا استثنیٰ کے ہے کہ جب دو قومین آپس مین ملتی ہین تو ایک دوسرے کے خصائل سے متاثر ضرور ہوتی ہین۔ یہ امر بھی مسلمہ ہے کہ اگر فاتح وحشی یا نیم وحشی ہے اور مفتوح مہذب تو مفتوح کی تہذیب اور شائستگی فاتح پر بہت اثر پیدا کر دیتی ہے۔ مثلاً رومن فاتح یونانی تہذیب سے متاثر ہو گئے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ مسلم شائستگی نے کس درجہ تک اس ملک مین رواج پایا اور اسکے مقابلہ مین ہندی تہذیب اور شائستگی نے اُن پر کیا اثر کیا۔ ہم یہ مضمون کسی شیخی یا تعلی کے نظر سے نہین لکھتے ہین محض تاریخی تحقیقات مقصود ہے تاکہ اس معاملہ مین بحث ہو سکے اور واقعات منکشف ہون۔

(الف) زبان

ہندوستان مین کئی زبانین بولی جاتی ہین مسلم زبانین۔ پشتو۔ فارسی۔ اور عربی یہان کی مقامی زبانون اور اُن کی شاخون کو برطرف نہ کر سکین۔ جو لوگ حلقۂ اسلام مین داخل ہوئے ان کی مادری زبان ہی قایم رہی۔ مذہبی اغراض بیشک عربی مین سرانجام پاتے رہے۔ فارسی عدالتی زبان رہی۔ فاتح قومون نے مقامی زبانین سیکھین اور کاروبار مین اپنا مطلب مفتوح قومون کو سمجھا سکے۔

جب مسلمان یہان سکونت پذیر ہوئے تو یہان مختلف مقامات مین مختلف زبانین رائج تھین مثلاً۔

جنوب مین کناری۔ تلگو۔ تامل۔ ملیالم۔ مرہٹی۔

شمال مین کشمیری۔ پوربی۔ پنجابی گدہی (بہاری) بنگالی۔ ہندی بھاشا۔ راجپوتانی ان زبانون کی اور بہت شاخین ہین۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر پچیس کوس پر زبان قدرے بدل جاتی ہے۔ [illegible] مختلف ہو جاتا ہے۔ اسلام کے زمانہ مین سنسکرت ادبی زبان تھی۔ عوام

کی بولی نہ تھی

اسلامی ادیبوں نے سنسکرت سے بہت سی کتابیں علوم وفنون اور علوم مذہبی کی ترجمہ کیں۔ کئی منانے بھی ترجمہ ہوئے۔ بعض فارسی عربی کے الفاظ مقامی السنہ میں داخل ہوگئے۔ جیسے کہ ان دنوں انگریزی الفاظ زیر استعمال ہیں۔ جہاں تک ہمکو معلوم ہے کسی فارسی یا عربی کتاب کا ترجمہ دیسی زبانوں میں نہیں ہوا۔ اتنا ضرور ہوا ہے کہ مفتوح قوموں نے عربی۔ فارسی کا درس لیا اور خاصی قابلیت ان دونوں زبانوں میں پیدا کی۔ رفتہ رفتہ ایک لشکری بولی پیدا ہوگئی جسے اُردو کہا جاتا ہے۔ ہم اُردو کے اوصاف یا ہندی کی مناسبت اور فضیلت پر بحث نہیں کرتے یہ کام اُن نکتہ چینوں کے لیے چھوڑتے ہیں۔ جن کو پرانے جھگڑوں کو تازہ دیکھنے کا شوق ہے اتنا لکھنا کافی ہے کہ فاتحوں کی زبانیں مفتوحوں نے بجائے اپنی زبانوں کے اختیار نہیں کیں۔

مسلم زمانہ میں درسگاہیں تو ضرور تھیں ان میں فارسی عربی کی تعلیم ہوتی تھی متدوعہ علوم کے علاوہ اکثر دینیات بھی پڑھائی جاتی تھی لیکن ہمکو کسی ایسے مدرسے کا پتہ نہیں چلا جہاں ہندو قوم کے طالبعلم مسلمان لڑکوں کے ساتھ یکجا تعلیم پاتے ہوں۔ ہندو اپنے پنڈتوں سے درس لیتے تھے اور جن لوگوں کو فارسی عربی سیکھنی ہوتی تھیں وہ اپنے گھروں پر ملاؤں اور اُستادوں کو ملازم رکھتے تھے تاکہ ملازمت سرکاری میں داخل ہو سکیں۔

احکام سرکاری اور دفاتر میں فارسی کا رواج رہا حتی کہ بعض ہندو ریاستوں نے بھی یہاں فارسی دفاتر میں جاری کردی یہ معراج راجہ ٹوڈرمل سے منسوب کیا جاتا ہے۔

نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مسلم زبانوں کا تسلّط اسقدر نہ ہوا کہ دیسی زبانوں کے بجائے قائم ہو جاتیں۔ برعکس اسکے ہندوؤں کے زبانوں کی کتابیں ترجمہ ہوکر عربی اور فارسی میں باعث افزونی معلومات ہوئیں۔

(ب) ادب:

غیر زبانوں کے بعض بعض الفاظ تو ہندوستان کی زبانوں میں آ گئے۔ لیکن نثر و نظم میں وزن بحر۔ استعارے۔ تشبیہیں داخل نہیں ہوئیں ہزاروں نثر و نظم کی کتابیں مغلیہ زمانہ میں ہندوستان کی زبانوں میں لکھی گئیں۔ لیکن ان پر عربی فارسی کے اثر معلوم نہیں ہوتے مفتوح قوم کے ...

اور شاعر غیر زبانون سے مانوس نہین ہوئے۔ اور جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہی ہندوستان کی دیسی زبانون کی کئی کتابین غیر زبانون مین ترجمہ ہوئین۔ کسی فارسی یا عربی کتاب کے سنسکرت یا بھاشا یا السنۂ مروجہ مین ترجمہ ہونے کا نشان نہین ملتا اگر کوئی صاحب اسپر روشنی ڈالین تو تاریخی نگاہ سے معلومات مین اضافہ ہو گا۔

نتیجہ یہ نکلا کہ دیسی زبانین غیر زبانون کی رہین منت نہین ہوئین بلکہ جمع خرچ کے لحاظ سے غیر زبانین معترض پائی جاوینگی۔ جس کی مثال ہندی شاعری ہے جو بعض مسلم شاعرون نے اختیار کی۔ یا اپنی زبانون مین ہندی الفاظ داخل کئے ابتدائی زمانہ کی اُردو شاعری اس کی شاہد ہے۔ اور سب سے بڑی شہادت وہ ترجمے ہین جو ملک کی مذہبی زبان سے مسلم زبان مین کئے گئے۔

(ج) زیبائش۔

زیبائش کے دو طریق ہین مردانہ۔ زنانہ۔

مردانہ زیور۔ ہندیون کے مردانہ زیور یہ تھے اور اب تک ہین۔

انَنت

کڑے

انگوٹھی

تار

مالا

کنٹھے

بتاگڑی

چھلّے

ہمکو یہ تحقیق نہین ہوا کہ آیا کلگی (یا کلغی) جگیا (جیغہ) جو راجگان سر پر باندھتے تھے ہندی یا باہر سے یہان آئے۔

زنانہ زیور۔ زنانہ زیورون کی تعداد طویل ہے بعض ہم ذیل مین درج کرتے ہین۔

پھندنے - چوڑیان - چوہے دنتیان اور دیگر اقسام ہار ہبت قسم کے مثلاً چاند ہار کنٹھ مالا مینا ہار وغیرہ
چمپا کلی - چمپا بجن - چھلے - انگوٹھی - پونچیان - لونگ - بلاق - نتھنی - کان پھول - جوشن
ناگر ٹی - پاؤن کے چھڑے چھاگل - بندی - آرسی - کنٹھ - گھونگرو - جھگنی - گوکھرو -

مونگے کے زیور - جڑاؤ زیور جسمین جواہرات جڑے جاتے ہین - جو جواہرات اس ملک مین نہ ہوتے تھے وہ باہر سے آتے ہونگے - مثلاً لعل تاریخ سے پتہ نہین ملتا کہ آیا اس ملک مین لعل بدخشان آتا تھا یا نہین موتی تو ساحلِ ہند کے پاس سے نکلتے تھے اور ہیرے اور نیلم وغیرہ کی کان بھی اس ملک مین تھین - سیلون یعنی لنکا مین ہر قسم کے جواہرات کثرت سے نکلتے تھے -

مذکورہ بالا جملہ زیور مسلم مستورات نے اختیار کر لیئے - اور بعض مردانہ زیور مسلم مردون نے بھی استعمال کرنے شروع کر دیئے - مسلم شاہان ہند نے بہت سے مردانہ زیور زیب تن کئے - کوئی صاحب تکلیف اُٹھائین اور ہمکو آگاہ کرین - کہ کون زیور زنانہ یا مردانہ باہر سے آیا - اگر مبالغہ نہ سمجھا جاوے تو ہم کہین گے کہ اس ملک مین ہاتھی گھوڑون کو بھی زیور سے مزین کیا جاتا تھا - اس ملک کی دولت حشمت کا حال جب غیر ملک کے سیاحون نے سفرنامون مین درج کیا تو غیر قومون مین طمع زر نے اس ملک کے فتح کرنے کی تحریص پیدا کی -

نتیجہ یہ ہے کہ زیور کی اقسام اس ملک کے اصلی ہین غیر قومون سے نہین آئے زیور کے سوا عطریات کناری گوٹا وغیرہ سنگار کی چیزین زیبایش کی ذیل مین آتی ہین -

چاندی اور سونے کے ورق - ہمین معلوم نہین کہ یہ اسی ملک کے ساخت تھے یا باہر سے آئی کناری - گوٹا کے نام شاہد ہین کہ یہ اسی ملک کے ہین - مثلاً گوٹا - دھنک - چپکی - پٹھہ - لچکا - بانکڑی کرن - گوکھرو - زرین ساڑھیان - لیس - کلابتو - لچکہ - کتون - وغیرہ وغیرہ اس وقت انواع و اقسام کا کناری گوٹا یہان بنتا ہے -

ممکن ہے لیس (انگریزی (LACE)) اور ملکون مین بھی ہوتی ہو اور مسلم ملکون مین بھی ہوتی ہو کلاہ عرقچین ٹوپی پتہ دیتی ہین کہ زری کا کام مسلم ملکون مین ہوتا تھا - لیکن گوٹا اور کناری کی نزاکتین غالباً وہان نہ تھین - جھانوا بھی دیسی چیز ہے - سندھور کے ٹیکی اور بندی بھی دیسی ہین - سر مین لگانے کے تیل اور عطریات کے نام ہی شاید اس امر کے شاہد ہین کہ

یہ مقامی ہین کیونکہ یہ پھول اور ملکون مین نہین پائے جاتے۔ چمبیلی (یاسمن ایک اور پھول ہے جو مین نے کشمیر مین دیکھا ہے) بیلا۔ جوئی۔ مولسری۔ موتیا۔ کیوڑا۔ بال چھڑ وغیرہ وغیرہ میرا خیال ہے کہ گلاب ہندوستان پر محدود نہین۔ بصرہ کا گلاب مشہور ہے۔ یہان کا دیسی گلاب طبی خاصیت رکھتا ہے کوئی صاحب تحقیق کرین کہ شمامۃ العنبر یعنی عطر حنا عنبری یہان کے ساخت ہے یا باہر سے آیا ہے۔ بعض زنانہ زیبایش کی چیزین۔ مثلاً۔ دنداسہ۔ بال چھڑ جہانوا سندھور۔ ہندی دیسی ہین حنا اور ملکون مین بھی ہوتی ہوگی۔ فارسی شاعری مین اسکا ذکر آتا ہے۔ اپٹنا اور ملکون مین بھی آتا ہوگا اسکا ذکر بھی فارسی کتابون مین آیا ہے (مثلاً غازہ روغن غازہ۔)

لباس | ہندؤن کا مردانہ لباس یہ ہے۔

دھوتی ایک لانگ کی اور دو لانگ کی۔ پاجامہ تنگ سیدھا یا آڑا۔ فتوی۔ انگرکھا پگڑیان کئی طرز کی۔ ٹوپیان کئی قسم کی۔ چپکن (اچکن اب شروع ہوا ہے) غرارہ کھلے پائچہ کا پاجامہ ہندوستان مین زیادہ تر کشمیری پنڈت پہنتے ہین یا اہل اسلام پہنتے ہین۔

زنانہ لباس | ساڑی۔ دھوتی دو لانگ کے مہاراشٹر ملک مین رائج ہے۔ فتوی انگیا۔ چادر سفید و رنگین۔ دوپٹہ۔ شال کشمیری۔ کہگرا سھقن۔ پاجامہ۔ پشواز (پشواز پنجاب کے کوہستانی ملک مین پہنی جاتی ہے دیس مین فرقہ طوائفان پہنتا ہے یہ ایک جامہ ہے جو پرانے زمانے کے راجگان پہنتے تھے نام کی وجہ تسمیہ معلوم نہین۔ یہ بند اندرونی۔ کرتی نیمہ کشمیری پنڈت عورتین ترنگا سر پر باندھتی ہین، واضح ہو کہ ساری بعض مسلمانی خاندانون مین بھی رائج ہوگئی ہے۔

برقعہ ہندؤن نے اختیار نہین کیا نہ کلاہ نہ عرقچین ہندؤن مین رائج ہوئین۔ اب کوئی کوئی ہندو ہیٹ پہننے لگا ہے ضلع راولپنڈی کی تحصیل پہوٹوار مین ہندنیان شلوار پہنتی ہین بودھی کتابون سے ظاہر ہوتا ہے کہ کشمیری شال اسلام کے آنے سے پہلے ہوتا تھا۔ شاہجہان نے اسکی ساخت مین حوصلہ افزائی کی۔

(د) خوراک

پوڑی۔ کچوری۔ پوری۔ روٹی۔ دال۔ سبزی۔ ترکاری۔ دہی کے رائتے اور بھرتے۔ بڑیان۔ گلگلے۔ چٹنیان۔ اچار۔ مربے دیسی پہلون کی۔ کھیر۔ پکوڑیان۔

چاول شیرین و نمکین۔ گنجیان اور کھین۔ پاپڑ۔ تیل کا پکوان۔ دہی بڑے۔ ربڑی
ملائی بعض ہندو قومین سدا سے گوشت خور ہین۔ پہاڑی ملکون مین اسے شکار کہتے ہین۔
ویشنومت کے لوگ بدھ کے زمانہ سے اور بدھا اور جینی گوشت سے احتراز کرتے ہین۔ دکھن
اور بعض اقوام اودھ اور بنگال بہار اور یوپی مین لہسن پیاز کا استعمال نہین۔ کشمیر مین
بھی ہندو ان دونون چیزون سے اجتناب کرتے ہین یہ دونون چیزین منوجی نے منع کی ہین پیغمبر
اسلام بھی لہسن پیاز کے حق مین نہ تھے۔ یورپ مین بھی کوئی کھانا پیاز کی آمیزش سے نہین بلکہ
صرف اچار کے طریق پر استعمال کیا جاتا ہے۔

ہمنے رسالہ بہار کشمیر مین یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ کشمیری پنڈتون کے ہان
گوشت پکانے کے طریق اُن کے اپنے ہین گو بعض نام مسلمانی رکھدیئے گئے ہین۔ پلاؤ کی نسبت
ہمنے اپنا خیال ظاہر کیا ہے کہ کشمیر مین پہلی دفعہ تیار ہوا ہوگا۔ جہان چاول نہین ہوتا وہان
پلاؤ نہین بنتا۔ اور جہان میوہ جات خشک اور مسالے نہ ہوتے ہون وہان بھی پلاؤ نہین بن
سکتا۔ تمام ہندؤن کے یہان پلاؤ اچھا نہین بنتا۔ البتہ کشمیری پنڈتون مین کئی طریق سے
بنایا جاتا ہے۔ جو مسلمان پلاؤ کے مانند ہوتا ہے۔ مگر تتبع معلوم نہین ہوتا کیونکہ مسلمانی پلاؤ سے تمیز
کیا جا سکتا ہے۔

خمیری بھٹورے پنجاب کے پہاڑی ملکون مین بنتے ہین۔ کشمیر مین کشمیری پنڈت خمیری
روٹی سدا سے کھاتے ہین۔ اور ہندؤن مین خمیری روٹی کا رواج کم دیکھا گیا ہے۔ ایشیا کے
اور ملکون مین توے کی تازہ روٹی نہین بنتی۔ تنور کی خمیری روٹی کا رواج ہے۔ جسے نان
کہتے ہین۔ شیرمال اور مخملی روٹی کشمیری پنڈت ہی بناتے ہین۔ باقرخانی پنڈت اور مسلمان
کشمیری دونون بناتے ہین علیٰ ہذا کلچے بھی۔

مٹھائیان اسلامی سلطنت کے وقت آمد و رفت مین حال کی سی سہولتین نہ تھین غالباً
حلوا مسقطی۔ اور راحت الحلقوم بھی مشکل سے یہان پہنچے ہونگے۔ حتیٰ کہ کشمیر مین حال مین مٹھائی
کا رواج ہوا ہے۔ پہاڑی ملکون مین عموماً مٹھائی کا رواج کم تھا۔ لیکن میدانی علاقون مین
مٹھائی کے اقسام بیشمار ہین۔

ہندی مٹھائیاں | ریوڑی - ہندر کئی قسم کے - جلیبی - امرتی - موہن بھوگ (حلوا) کڑاہ پرشاد (پنجابی) پیٹھے کے لچھے - میٹھے بادام پستہ کھوپڑہ کی مٹھائی - نقل - بالوشاہی سوہن حلوا - گلاب جامن - کھوئے کی مٹھائیاں - ریشم مٹھائیاں - پیڑے - پنیر کی مٹھائی رس گلے وغیرہ - نخود کی کئی اقسام کی مٹھائیاں - مٹھری - بانکڑی - مرمورے کے لڈ گجک - تل کی مٹھائیاں - تلی ہوئی دالین - موگرے - سموسے - پاپڑی نخود کی - ممکن ہے کہ قندنبات مصری - چینی کی ترکیبین چین اور مصر اور وسط ہند سے آئی ہوئی اس ملک مین گڑ اور کھانڈ کے بغیر مٹھائیاں نہین بن سکتی تھین - شکر اس ملک مین ہمیشہ سے چلی آتی ہے۔

نتیجہ یہ ہے کہ ہندو قومون نے مسلمانی غذا کی تقلید نہین کی جو غذا صدیون سے ان کی تھی وہی استعمال کرتے رہے۔

کھانے کے بعد اس ملک مین پان کا استعمال ہوتا ہے دکھن مین پان کے ساتھ جائفل بھی استعمال ہوتا ہے۔ بنگال مین اجوائن استعمال ہوتی ہے۔ دکھن مین کتھا پان مین نہین ڈالتے۔ شمالی ہند اور وسط ہند مین کتھا ملایا جاتا ہے۔ پان تو ظاہر ہے کہ باہر سے نہین آیا۔ مسلمانون نے بڑے شوق سے اسکو لے لیا۔ اور کئی طرح سے اسکو خوشبودار کر دیا۔ اب ہندو اور مسلمان دونون خوشبودار تمباکو اسمین ڈالتے ہین۔ تمباکو غالباً غیر ملک سے آیا ہے اسکا پختہ پتہ نہین چلتا کہ کس زمانہ مین یہان آیا۔

(ز) مذہب یا دھرم | جو ہندو مسلمان ہو گئے وہ ہندون سے جدا ہو گئے عام ہندون مین وہی تیرتھ جاترا - مورتی پوجن - پوجا پاٹھ جاری رہا - موحد پہلے سے موجود تھے گرونانک نے بابر کے زمانہ مین توحید پر زور دیا - برہمو سماج آریا سماج زمانہ انگریزی مین ظہور مین آئے البتہ ان کی تعلیم اور بعض ویدون کے منتر توحید سکھاتے ہین۔

(س) فنون نفیسہ یہان مانی وبہزاد نہین آئے ایرانی تصویر بنانے کا طریق بیشک مسلم مصوّر یہان لائے - بیل بوٹے کا کام پہلے بھی یہان ہوتا تھا بدستور جاری رہا کانگڑا مین تصویر کشی اور نقاشی سدا سے جاری ہے - سنسکرت کتابون سے فن تصویر کشی کا نشان ملتا ہے کشمیر مین بودھی زمانہ سے تصویر کشی اور نقاشی چلی آتی ہے - ہندی موسیقی نے فائدہ

کو گرویدہ کر لیا - بعض ایرانی راگنیاں ہندو موسیقی مین داخل ہوئین مگر ان کو ہندو جامہ پہنا دیا گیا -

مسلمانی عمارتوں مین سارسنک سریانی SARCENIC طرز تعمیر استعمال ہوئی ہے - اسکا نتیجہ ہندی عمارت مین نہین ہوا - محراب اسلام سے قبل یہان موجود تھی - ٹائل جسے مثل ٹائل کہا جاتا ہے سارناتھ اور ٹکسیلا مین نکلی ہے ٹکسیلا مین تو شیشے کی رنگین ٹائلین مندروں کے فرشوں سے نکلی ہین - اور یہ ہمیشہ سے دنیا کے ہر گوشے سے آتی رہین یہان سے باہر جاتی رہین یہی حال علوم کا رہا ہے - ان کا تبادلہ ہر ملک مین ہوتا رہا ہے یہ دونون مضمون، مضمون حال کے احاطہ سے باہر ہین -

کلچر یعنی شائستگی کی بین الاقوامی تواریخ سے کافی طور سے ثابت ہے کہ ہندی کلچر ایشیا کے سب حصون مین پہونچا - روز بروز اسکا اعتراف ہوتا جاتا ہے - کہ ہندوستان شائستگی کا جگت گرو ہے -

"شمیم"

زندگی کی تین راہین ہین علم و عمل اور عشق !

علم کی راہ ہوا مین ہے - عمل کی زمین پر اور عشق کی پانی مین !

عالم اُڑتا ہے - عامل چلتا ہے - اور عاشق تیرتا ہے !

عالم کو فضا کی خاموشیون اور تنہائیون کا سامنا ہے !

عامل کو ناہموار زمینون اور دشوار گزار گھاٹیون سے ہوکر گذرنا ہے - عاشق کو تیز رو دریاؤن اور طوفانی سمندرون کے اُس پار جانا ہے !

علم کیا ہے ؟ دوسرے کی سننا - عمل کیا ہے ؟ جی کی کہنا - عشق کیا ہے اپنے آپ کو بھولنا !

علم جگ بیتی ہے، عمل آپ بیتی، عشق حق بیتی !

"بابا"

تقسیم حروف

(از جناب مرزا سلیم جعفر صاحب)

مظہورات خاطر کو مرئی بنانے کی کوشش جب صور نگاری Ideography اور اجزا نویسی (Syllabism) کی منزلون سے گذر کر ارتقا کے اُس درجہ پر پہنچی ہے جہان نہ تو تصویر سے خیال واحد ظاہر کیا جاتا تھا اور نہ لفظ کے ہر جزو کے لیے ایک تصویر بنائی جاتی تھی بلکہ جتنی آوازون سے لفظ بنتا تھا ان مین سے ہر آواز اور دو آوازون کے ربط کے لیے ایک علامت ایجاد کر لی گئی تھی تو تقسیم حروف کی نوبت آئی۔ یہان اس سے بحث نہ تھی کہ حروف کا ماخذ کیا ہے۔ اگر کچھ سروکار تھا تو ان ایجاد کردہ علامات کے فعل سے۔ اسی خیال نے ان کو دو قسمون مین تقسیم کرنے پر مائل کیا۔ پس ماخذ حروف کو تقسیم حروف سے کوئی لگاؤ ہی نہین اور ماخذ کو نظر انداز کر کے اس تقسیم مین ترمیم کرنا جادۂ اعتدال سے قدم بڑھانے کے مترادف نہین ہوسکتا۔

کوئی ملک اسکے لیے مجبور نہین کہ وہ اپنے قدیم رسم تحریر کو قائم رکھے اور اُسمین ترمیم و تنسیخ نہ کرے۔ خود تاریخ ایجادِ حروف باؤاز بلند کہہ رہی ہے کہ اسلاف کے ایجاد مین اخلاف نے بیدریغ تصرف کیا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو آج بھی صور نگاری کا دور دورہ ہوتا۔ تصورات مجردہ کے لیے محض تصویرین بنائی جاتین۔ اور موجودہ طریق تحریر سے انسان محروم رہتا اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جب کوئی ملک اپنے خیالات کا آلۂ اظہار کسی غیر ملک کے رسم تحریر کو بنائے تو اسے کس حد تک غیرون کی تقلید کرنی چاہیئے۔ غیر ملک سے قرض لینا زیادہ سے زیادہ قوت ایجاد کی کم مائگی پر دلالت کر سکتا ہے۔ مگر سلب آزادی پر نہین۔ جو کچھ قرض لیا گیا ہے وہ چند علامات ہین نہ کہ ساری کی ساری قواعد۔ قرض لینے والا ملک اگر کسی حد تک کسی بات کے لیے مجبور ہو سکتا ہے تو محض علامات کی صورت نہ بدلنے کے لیے۔ اہل مغرب کا مقابلہ کرتے ہوئے انہون نے اپنے حروف تہجی کو خیرباد کہکر [illegible]

(Phoenician) رسم خط اختیار کیا ہے۔ تو علامات کے مدلول بدل دیئے اور انہیں گھٹا بڑھا دیا اگر ان محققون کی یہ تحقیق صحیح ہے تو اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ قرض لینے کے بعد مستعار حروف کے ساتھ کس کس قسم کا برتاؤ جائز ہے۔ عربی حروف تہجی کے ساتھ دو دفعہ ایک حد تک اسی قسم کا سلوک کیا جا چکا ہے۔ ایران مین اسکا رواج ہوا تو ایرانیون نے چار نے حرف، پ، چ۔ ژ۔ گ ذرا سے اضافے کے بعد بڑھا دیئے۔ آگے بڑھے تو ہندوستانیون نے اور بھی اضافے کئے۔ یہان کی زبان مین جو آوازین ایسی تھین جنکا عربی و فارسی مین پتا ہی نہ تھا۔ ان کے لئے کہین تو کسی حرف مین اضافہ کر دیا مثلاً ٹ۔ ڈ۔ ڑ۔ اور کہین دو حرفون کو ملا کر ایک حرف بنا لیا مثلاً بھ۔ تھ۔ کھ وغیرہ۔

جس وقت عربی لفظ مین ہندی کا لفظ لکھنا شروع کیا گیا ہے تو عجب بے پروائی سے کام لیا گیا یہان کی زبان کو محض کسی طرح عربی خط مین لکھنے سے غرض تھی۔ کسی نے غور و خوض کر کے اصول نہین بنائے۔ بظاہر یہ دعوی بے دلیل نظر آتا ہے۔ مگر حقیقت پر مبنی ہے۔ ذرا لفظ "کیا" (حرف استفہام) پر غور کیجئے ہندی مین یہ لفظ یون لکھا جاتا ہے क्या تحریر صاف بتاتی ہے کہ پہلا حرف ساکن ہے اور اپنے ما بعد سے ملکر آواز دیتا ہے۔ مگر کسی نے اسکی زحمت برداشت نہ کی کو کوئی ترکیب نکالتا جس سے "کیا" حرف استفہام اور "کیا" صیغۂ ماضی کا فرق تحریر سے ظاہر ہوتا۔ پس یہ دعوے صحیح نہین ہو سکتا۔ کہ یہ طریق تحریر[1] "جامع و مانع ہے۔

تحریف پہلا قدم تھا جب اُس وقت اس قدر بے پروائی سے کام لیا گیا تو بعد کا کیا ذکر عرصہ تک تو کوئی قواعد ہی نہ لکھے گئے۔ اور جب رفتار زمانہ نے مجبور کیا تو عربی و فارسی اس قدر دماغون مین سمائی ہوئی تھی کہ اُن کے اصول کی نقل کر کے رکھدی گئی۔ کسی کو بھی خیال نہ آیا کہ عربی و فارسی سے تو چند لفظ اور مرکبات ناقص ہی لیے گئے ہین اصول زبان کی تلاش۔ تو اسکے بولنے والون کی جان نشانیون کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ آج بھی اردو کے بڑے بڑے حامیون کا دعوے ہے کہ "جان تو" "آورد" "آن تھک" نحو فارسی کے مطابق بنے ہین۔ بہ

---

[1] تحریف یہان ٹرانسلٹریشن کی جگہ کہا گیا ہے اردو مین تحریف کے معنی عبارت بگیر و بدلنے کے ہین۔ ایک لغت لکھتا ہے "بدلنا حرف و معنی کا" اگر اسکو ٹرانسلٹریشن کی معنی مین رواج دیا جائے تو شاید کوئی قباحت نہین۔

جس کام مین غور و خوض کو کبھی دخل ہے نہ دیا گیا ہو اسکا ناقص ہونا بعید از امکان نہین اور نہ اب اُسمین سوچ سمجھکر ترمیم کرنے مین کوئی قباحت ہے۔

تاریخ ایجاد حروف سے اگرچہ حقیقت معلوم ہوتی ہے تو صرف اتنی کہ حرف کیونکر بنے اور ان کی کیا قدر و قیمت ہے۔ لیکن اسکا پتہ کہین نہین چلتا کہ یہ قدر و قیمت مستقل نہین اور کام قیام اور ثبات کا اس پر اثر پڑتا ہے۔ لفظ مختلف آوازون کا مجموعہ ہے ان آوازون کو مرئی بنانے کے لیے جو علامتین مقرر کر لی گئی ہین ان کا نقش بنا دیا جاتا ہے اور اس کا ہرگز لحاظ نہین کیا جاتا اور نہ کیا جا سکتا ہے کہ دو آوازون کے پاس پاس آجانے سے ان کی علامات مین کوئی تبدیلی ہونی چاہیے۔ کیونکہ نہ تو آوازون اور نہ ان کے علامات دونون کا اُسوقت کوئی خیال نہین کیا جاتا جب دماغ پریشانی مین مبتلا ہوتا ہے۔ کہ جو تصویر آئینہ دل پر منعکس ہو رہی ہے بذریعہ آواز کیونکر اورون کو بتائی جائے۔ جب دماغ کوشش کر کے ایک مجموعۂ اصوات بنا لیتا ہے اور اُسکو مرئی بنانے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ تو جن جن آوازون سے اس مجموعۂ اصوات مین کام لیا گیا ہے ان کی علامات یکجا کر دی جاتی ہین۔ کسی عمارت کے سنگ و خشت مین اس لیے فرق نہین آسکتا کہ اسکی وضع و قطع کا تقاضہ ہے کہ ان کو ایک مخصوص ترتیب مین رکھا جائے۔ عربی سنسکرت اور لاطینی تینون زبانون سے پتا چلتا ہے کہ ایک حرف دوسرے کی رعایت سے بدل جاتا ہے۔ مثلاً باب افتعال مین حرف تا کا اپنے ماقبل سے متاثر ہو کر صورتین بدلتے رہنا یا سنسکرت مین دو لفظون کو ملاتے وقت لفظ اوّل کے حرف آخر کا لفظ دوم کے حرف اوّل سے متاثر ہو کر بدل جانا جیسے جگت + ناتھ = جگن ناتھ یا لاطینی مین (ad + cedo) سے (accedo) بن جانا جس سے انگریزی کا (accede) بنا ہے۔ مگر اس سے کیا ثابت ہوتا ہے؟ فقط اتنا کہ سہولت تلفظ کے لیے آواز بدل دی گئی اور جب آواز ہی بدل دی گئی تو اسکی علامت کا بدلنا کونسے تعجب کی بات ہے۔ حرف یا علامت صوت نہین بدلتی اگر خود آواز نہ بدلے۔ پس حرف بحیثیت علامت صوت ایک مستقل قیمت رکھتے ہین۔ اگر سہولت تلفظ کی خاطر آواز بدلے گی تو وہ بھی بدل جائین گے۔ جہان تک ہمین علم ہے حرف بحیثیت علامت صوت کام قیام اور ثبات کے لحاظ سے کسی زبان مین نہین بدلتے۔

نظریۂ قیام تناسب حروف کی تعداد مین حروف غیر ملفوظ بھی پیش کئے جاتے ہین۔ حروف غیر ملفوظ زیادہ تر مغربی زبانون ہی مین آتے ہین۔ مغربی ماہران لسانیات کا مقولہ ہے کہ ان الفاظ مین بوقت تلفظ جتنی آوازین ادا کیجاتی ہین تحریر مین اُس سے زیادہ علامات اصوات کا ہونا ثبوت ہے۔ اسکا کہ کسی زمانہ مین ان کا تلفظ وہ نہ تھا جو آج کیا جارہا ہے امتداد زمانہ نے تلفظ بدل دیا۔ مگر قدامت پرستی ابھی تک پرانے طریق ہجا کو سینہ سے لگائے ہے اسکا جی نہین چاہتا کہ تلفظ اور تحریر مین تطابق پیدا ہو۔ یعنی لفظ مین صرف اتنی ہی علامات اصوات لکھی جائین جتنی آوازین منھ سے نکالی جاتی ہین DOUBT وغیرہ کی وہ یہی تاویل کرتے ہین ملاحظہ ہو۔

> Our written words are thickly sown with silent letters, which, as every one knows, are relics of former modes of pronuncia--tion, once necessary constituents of spoken language, but gradually dropped, because it was easier to do without them. Instances are knight, calm, psalm, would, doubt, plough, thought, sword, chestnut.... In 'often' and 'soften', good usage has taken sides with the corruption which has ejected the 't',...while...it clings to the 't' of 'captain', (P. 28, The Language and the Study of Language by Professor W. D. Whitney.)

خالص اُردو کے الفاظ مین جن سے میری مراد وہ لفظ ہین جنکا ماخذ پراکرت یا سنسکرت ہے۔ حروف غیر ملفوظ کبھی نہین آتے۔ صرف عربی و فارسی کے الفاظ جو ہم نے قرض لئے ہین ان مین بیشک اس قسم کے حرفون کا پتا چلتا ہے۔ فارسی الفاظ مین صرف واو ایک ایسا حرف ہے جو اردو کے مستعار الفاظ مین اکثر غیر ملفوظ ہوتا ہے انڈو یوروپین Indo-European یا انڈو جرمنک (Indo-Germanic) زبانون کی یہ خصوصیت ہے کہ اس مین اکثر الفاظ

پہلا حرف ساکن ہوتا ہے جو اپنے مابعد سے ملکر آواز دیا کرتا ہے۔ سنسکرت فارسی اور انگریزی
اسی خاندان سے تعلق رکھتے ہین۔ ان مین بھی یہ بات پائی جاتی ہے۔ سنسکرت کے [illegible]
[illegible] وغیرہ سے یہ بات واضح ہے۔ انگریزی مین سیکڑون لفظ اس قسم
کے موجود ہین۔ قدیم فارسی مین بھی بہت سے ایسے لفظ ہونگے جن کا پہلا حرف ساکن ہوگا
مگر موجودہ فارسی مین ان مین سے چند ہی باقی رہ گئے ہین مثلاً خود۔ خویش۔ خواب وغیرہ
چونکہ اس قسم کے الفاظ کے تلفظ مین دشواری ہوتی تھی واو کی حرکت اسکے ماقبل کو دے کر
اسے تلفظ سے خارج کر دیا گیا۔ اکثر عربی الفاظ مین ال کا تلفظ نہین کیا جاتا ان صورتون کے علاوہ
اور کوئی صورت نہین ہے جہان حرف لکھے جاتے۔ مگر پڑھے نہ جاتے ہون لفظ کے آخر مین
اجتماع ساکنین نہ تو آخری حرف کو حرف غیر ملفوظ کا رتبہ دے سکتا ہے اور نہ اسمین حرف علت
کے انداز پیدا کرسکتا ہے کیونکہ غیر ملفوظ ہونے کے لیے اسکا تلفظ نہ کیا جانا چاہیئے اور حرف علت
کے انداز کے لیے اسمین دو حرفون کو ربط دینے کا شائبہ پایا جانا ضروری ہے۔ حالانکہ ساکن
آخر سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک ایسی آواز کی علامت ہے جو اپنے ماقبل یا مابعد سے
ملکر نہین نکلتے عربی کا تعلق سامی (Semitic or Shemetic) خاندان سے ہے
اور اگر یورپ کے ماہران لسانیات کا قول قابل اعتبار ہے تو عربی کے حروف صحیح کی قدر و قیمت
کبھی بدلتی ہی نہین کیونکہ سامی لفظون اور مادون مین حروف صحیح خاص طور سے مظہر اور حقیقی
عنصر ہین اور حروف علت یا روابط کو ثانوی درجہ دیا گیا ہے۔

In Semitic roots and
words, the consonants are
principally significant, the substantial
element; the vowels bear a subordinate
office, ...; the former are stable and
invariable, the latter liable to constant
change. - (P. 261, ibid).

نہ ماخذ نہ عاریت نہ نقل حروف کسی کا بھی تقاضا نہین کہ ہم لکیر کے فقیر بنے رہین اور تقسیم حروف اپنی
مرضی کے مطابق نہ کرین۔ پس و۔ا۔ی کو حروف علت سے نکالکر حروف صحیح مین داخل کر دینا اور اسی طرح
جو کام بطور حروف علت انجام دے رہے ہین اسکے لئے ہم روابط ایجاد کرنا انسب و اولیٰ ہے۔

نظیر اکبر آبادی

نظیر کا نام ولی محمد اور وطن مالوف اکبر آباد ہے۔ بعضے کہتے ہین کہ ان کا مذہب شیعہ تھا لیکن ایسا نام شیعہ حضرات مین نہین سنا گیا۔ انھون نے سو برس کی عمر پائی۔ ان کی تصنیفات سے سات کلیات اردو مین موجود ہین جسطرح اردو کے عالی پایہ ناظم تھے۔ اُسی طرح ہندی کے عالی دماغ شاعر۔ آزاد منش۔ درویش صفت انسان تھے۔ بہت سادہ طبیعت پائی تھی۔ کبھی کسی دربار مین نہ گئے۔ اگر انھین فطری شاعر کہا جائے تو کچھ بیجا نہ ہوگا۔ ہمین یہان صرف نظیر کی اردو شاعری پر ایک سرسری نظر ڈالنی ہے۔ شعرا کے بہتیرے تذکرے لکھے گئے لیکن کسی تذکرہ مین نظیر کا ذکر نہین کیا گیا۔ خیر سے اگر کسی تذکرہ مین ذکر آیا بھی تو ایسی نفرت اور حقارت سے گویا وہ شاعر ہی نہ تھے یہ عام طور سے شکایت کیجاتی ہے کہ نظیر کے کلام مین عامیانہ اور سوقیانہ رنگ جھلکتا ہے۔ لیکن رفتار زمانہ اور ضرورت شعر کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ سوال مہمل معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً جہان کہین مدارج عمر کا نقشہ کھینچا ہے اس زمانہ مین جو کچھ واقعات انسان پر گذر سکتے ہین یا جو حرکتین انسان سے سرزد ہو سکتی ہین۔ ان کی صحیح تصویر کھینچدی ہے۔

عالم شیرخوارگی مین جب بچہ دنیاوی تفکرات سے آزاد رہ کر آغوش مادر مین پرورش پاتا ہے۔ اس کے متعلق نظیر کے دو بند ملاحظہ ہون۔

کیا وقت تھا وہ ہم تھے جب دودھ کے چٹورے — ہر آن آنچلون کے معمور تھے کٹورے
پاؤن مین کالے ٹیکے ہاتھون مین نیلے ڈورے — یلچاندی ہو صورت یا سانورے وگورے
کیا سیر دیکھتے ہین یہ طفل شیرخورے

نے دوستی کسی سے نے دلمین انکے کینہ — جا نین نہ بے قرینا سمجھین نہ کچھ قرینا
نے گرمیون سے واقف نہ جانتے پسینا — چھاتی سے مان کے لپٹے خوش ان کا دودھ پینا
کیا سیر دیکھتے ہین یہ طفل شیرخورے

جب بچہ اِدھر اُدھر دوڑتا پھرتا ہے ماں کی آنکھیں بچہ کو کھیلتے کودتے دیکھکر پُرنور ہو جاتی ہیں۔ باپ کے دلکو سرور ہوتا ہے۔ اِس پاک و بے لوث عہدِ طفلی کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

جو کوئی چیز دیوے مت ہاتھ اُوٹھتے[1] ہیں　　گڑ بیر مولی گاجر سلے منھ مین گھوٹتے[2] ہین
بابا کی مونچھ ماں کی چوٹی گھسوٹتے ہین　　گر دون مین اٹ رہے ہین خاکون مین لوٹتے ہین

کچھ ملگیا سو پی لے کچھ ملگیا سو کھالے
کیا عیش لوٹتے ہین معصوم بھولے بھالے

جو اُن کو دو سو کھالین پھیکا ہو یا سلونا　　ہین بادشہ سے بہتر جب ملگیا کھلونا
جسجا پہ نیند آئی پھر وان ہی ان کو سونا　　پروا نہ کچھ پلنگ کی نے چاہیئے بچھونا

بھونپو کوئی بجائے پھرکی کوئی پھرالے
کیا عیش لوٹتے ہین معصوم بھولے بھالے

عہدِ طفلی کے بعد عالم شباب کا دور دورہ ہوتا ہے۔ دلِ انسان مین نئے نئے ولولے نئی حسرتین پیدا ہوتی ہین۔ یہین سے انسان کی آزمائش کا آغاز ہوتا ہے۔ اسوقت جو شخص سنبھل جاتا ہے آیندہ زندگی مسرّت سے بسر کرتا ہے۔ نشۂ شباب ایسا ہوتا ہے کہ انسان کی آنکھوں مین سرسون پھولی رہتی ہے اچھا برا کچھ نہین سوجھتا۔ نظیر نے کیسا اچھا نقشہ کھینچا ہے ملاحظہ ہو۔

کیا عیش کی رکھتی ہے سب آہنگ جوانی　　کرتی ہے بہارون کے تئین دنگ جوانی
ہر آن پلاتی ہے مے اور بنگ جوانی　　کرتی ہے کہین صلح کہین جنگ جوانی

اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

نے جی کا نہ معجون کے منگوانے کا کچھ غم　　نہ دل کے لگانے کا نہ غم کھانے کا کچھ غم
گالی کا نہ آنکھون کے لڑ آنے کا کچھ غم　　ہنسنے کا نہ چھاتی سے لپٹ جانے کا کچھ غم

---

[1] ہاتھ پھیلانا [2] نگل جانا -

اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

مندرجہ بالا اشعار سوقیانہ اور عامیانہ ہی کیون نہ ہون لیکن صحیح واقعات ہین جو آئے دن دنیا مین رونما ہوا کرتے ہین - یہی وہ اخلاق سوز حرکتین ہین جو نوجوانون کو بوڑھا بنا دیتی ہین - نظیر سچی باتین صاف صاف سیدھی سادی زبان مین ظاہر کر دیتے ہین جس سے پڑھنے والے کو عبرت ہوتی ہے -. کاروان سرائے شباب سے گذر کر مسافر عمر صحرائے پیری مین گامزن ہوتا ہے شباب کی رخصت اور پیری کی آمد ہوتی ہے جسے شاعرانہ اصطلاح مین رخصتِ بہار اور آمد خزان کہتے ہین اُسوقت ہر عضو بدن کمزور بینائی مین فرق اور دماغ معطل ہو جاتا ہے اور گزرے ہوئے زمانہ کی یاد رہ رہ کے دل مین چٹکیان لیتی ہے - ہر اچھا یا برا گذشتہ کام آنکھون کے سامنے پھر جاتا ہے - نظیر اس زمانے کے متعلق یون فرماتے ہین -

کیا قہر ہے یارو جسے آجائے بڑھاپا
اور عیش جوانی کے تئین کھائے بڑھاپا
عشرت کو ملا خاک مین غم لائے بڑھاپا
ہر کام کو ہر بات کو ترسائے بڑھاپا
سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

یاد آتے ہین ہمکو جو جوانی کے وہ ہنگام
اور جام دل آرام مزے عیش ور آرام
ان سب مین جو دیکھوں تو نہین ایک کا اب نام
کیا ہمپہ ستم کر گئی یہ گردشِ ایام
سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

جو عالم جوانی مین عیاش طبع اور رنگین مزاج واقع ہوتے ہین انھین بڑھاپے مین بھی عیش و عشرت کا خیال دامنگیر رہتا ہے - کسی کے بوڑھا کہنے سے چراغ پا ہو جاتے ہین بزعم خود اپنے کو جوان سمجھتے ہین - کند ہمجنس باہم جنس پرواز کا عملی نمونہ ملاحظہ ہو -

بوڑھون مین اگر جاوین تو لگتا نہین وان دل
وان کیونکہ لگے دل تو ہے محبوبون کا مائل
محبوبون مین جاوین تو وہ سب چھیڑے ہین مل مل
کیا سخت مصیبت کی پڑی آن کے مشکل

سب چیز کو ہوتا ہے برا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

زمانۂ حال مین بال سفید ہوئے اور خضاب کا استعمال شروع ہوا چند روز کے لئے پیر زال بھی جوان تو نہین ہان البتہ مصنوعی جوان ضرور بن جاتے ہین لیکن واقعہ یہ ہے کہ حقیقت نہین چھپتی نظیر کہتے ہین۔

گر حرص سے ڈاڑھی کو خضاب اپنے لگا دین	جھری جو پڑی منھ پہ اُسے کیسے مٹا دین
گو مکر سے ہنستے کی بتین دانت بندھا دین	گردن تو پڑی ہلتی ہے کیا خاک چھپا دین

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

مندرجہ بالا اشعار سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ خضاب کا استعمال ہندوستان مین زمانۂ قدیم سے ہے اور دانت بنوانا نظیر کے زمانہ مین رواج پا چکا تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو شعر مین اس کا ذکر نہ آتا۔

نظیر نے نوجوانون کو جو نصیحت کی ہے وہ بھی سن لیجئے۔

سنتے ہو جوانو؟ یہ سخن کہتے ہین تم سے	کرتے ہون جو کر لو وہ مزے عیش و طرب کے
جاوے گی جوانی تو پھر افسوس کروگے	تم جیسے ہو ویسے تو کبھی ہم بھی جوان تھے

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

بڑھاپے کی عاشقی پر چند بند ملاحظہ ہون۔ وہ بڈھے پھوس جن کے منھ مین دانت نہ پیٹ مین آنت لیکن نشۂ عشق مین سرشار ہین۔ ایسے بوالہوسون کی حالت نظیر مرحوم کیسے ظرافت آمیز اور موثر پیرایہ مین بیان فرماتے ہین۔

قائم ہے جسم گو کہ نہین کس غنیمت است	جیتے تو ہین اگرچہ نہین بس غنیمت است
سو عیش ہمکو گر نہ ملے دس غنیمت است	وقت خزان جو گل نہ ہو خس غنیمت است

پیرے کہ دم زعشق زند بس غنیمت است
وز شاخ کہنہ میوۂ نورس غنیمت است

طاقت بدن میں کہیے تو اب نام کو نہیں ہوتا ہے اب بھی سیر تماشا اگر کہیں
جاتے ہیں لاٹھی ٹیک کے دلشاد ہم وہیں جو ہم کو دیکھتا ہے وہ کہتا ہے آفریں

پیرے کہ دم ز عشق زند بس غنیمت است
وز شاخ کہنہ میوۂ نورس غنیمت است

روئے جو ہم چمن میں سحر بیٹھ کر ذرا بلبل نے پوچھا گل سے کہ "بڈھا یہ کیوں رویا"
اس نے کہا کہ اسکا کسی سے ہے دل لگا تب گل نے ہمکو دیکھ کے ہنسکر یہی کہا

پیرے کہ دم ز عشق زند بس غنیمت است
وز شاخ کہنہ میوۂ نورس غنیمت است

یوں تو بہار کی تصویر بہت سے شعرا نے کھینچی ہے لیکن نظیر کا انداز سب سے نرالا ہے۔

شب کو چمن میں واہ واکیا ہی بہار تھی مچی پھول کھلے تھے پھول پھول غنچہ کھلے کلی کلی
بیلا چنبیلی رائے بیل موتیا جوہی سیوتی باد صبا بھی چلتی تھی عطر و گلاب میں بسی
رض پڑے چھلکتے تھے نہر بلور میں لیتی تھی شوخ بغل میں غنچہ لب مے کے نشوں کی تازگی
ش و طرب کی لہر میں رات جب آدھی ڈھل گئی اس میں کسی سے ہے غضب نکلی جو کمر چاند نی

صبح کے ڈر سے ہڑبڑا یار نے گھر کی راہ لی
ہم بھی دعا میں آگئے مفت بہار لٹ گئی

ت تو کیا ہی عیش کی بھڑی تھی آکے انجمن تارے کھلے تھے مہ رتن پھول کھلے چمن چمن
گس انار و یاسمن سوسن و طرّے نسترن سینہ بسینہ تن بدن عیش و طرب کے سب برن
ہیں رقیب دشمن آیا گجر کا کر کے فن تھالی کہیں سے لاشتاب ڈی بجا ٹھنن ٹھنن

صبح کے ڈر سے ہڑبڑا یار نے گھر کی راہ لی
ہم بھی دغا میں آگئے مفت بہار لٹ گئی

برسات کا کیسا اچھا نقشہ کھینچا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا بجلی چمک رہی ہے۔ بادل گرجتے
ن مینھ برستا ہے حشرات الارض اپنی اپنی بولیاں بول رہے ہیں۔ لفظوں میں موسیقیت بھر دی ہے
کانوں کو بہت بھلی معلوم ہوتی ہے ناظرین کی ضیافت طبع کے لیے چند اشعار درج ذیل کرتا ہوں

چار طرف سے ابر کی واہ اُٹھی تھی کیا گھٹا — بجلی کی جگمگا ہٹیں رعد رہا تھا گڑ بڑا

برسے تھا مینھ جھوم جھوم چھا جون اُمنڈ اُمنڈ پڑا — جھوکے ہوا کے چل رہے یار بغل مین لوٹ[تا]

ہم بھی ہوا کی لہر مین پیتے تھے بڑھا بڑھا — دیکھو ہمین اس عیش مین سینہ فلک کا جلتا

ابر کھلا ہوا گھٹی بوندین تھمین سحر ہوئی
پہلو سے یار اُٹھ گیا سب وہ بہار بہ گئی

ابر و ہوا کے واہ واہ شب کو عجب ہی زور تھے — بھیگ رہا تھا سب چمن مینھ کے جھڑا کے زور[سے]

غوک پپیہے مور تھے جھینگرون کے بھی شور تھے — بادہ کشی کے دور تھے عیش و طرب کے جھور[تھے]

باغ سے تا بیاغبان جتنے تھے شور بور تھے — آ پڑے ہمین ناگہان یہ جو خوشی کے چور[تھے]

ابر کھلا ہوا گھٹی بوندین تھمین سحر ہوئی
پہلو سے یار اُٹھ گیا سب وہ بہار بہ گئی

ابھی تک اس مضمون مین جتنے اشعار درج کیے گئے ہین ان مین چند الفاظ غیر مانوس او[ر]
متروک نظر آئین گے۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ نظیر کے معاصرین کے یہان جا بجا یہ سب لف[ظ]
ملتے ہین اور اُس زمانہ مین مروج تھے۔ یہ بھی یہان لکھ دینا ضروری امر ہے کہ جو شعر کلیات [مین]
جسطرح درج تھا اُسی طرح درج کر دیا گیا ہے۔ اور کسی قسم کا تصرف نہین کیا گیا۔

نظیر نے اردو مین نیچرل شاعری کا سنگ بنیاد رکھا ہے اس لحاظ سے اگر انھین نیچرل شاعر[ی کا]
بانی کہا جائے تو بیجا نہ ہو گا۔

نظیر کا کلام ہم یورپ کے بڑے سے بڑے شاعر کے مقابلہ مین پیش کر سکتے ہین۔ لیکن ہندوستا[ن]
کی ناقدر شناسی ضرب المثل ہے۔ ہمین زیادہ افسوس اس امر کا ہے کہ نظیر کی جیسی عزت ہمین کرنی چاہیے[تھی]
سب سے پہلے اُردو دان سخن فہم یوروپین طبقہ نے کی اور ہندوستانیون کو نظیر کی عزت کرنا سکھلا[یا]
اس لحاظ سے ہمین ان کا شکر گزار ہونا چاہیے۔ اس کے بعد مولانا شہباز مرحوم بہاری اور مرزا [...]
اکبرآبادی کا شکریہ ادا کرنا چاہیے جنہون نے نظیر کی مفصل سوانح عمری لکھی اور نظیر کی شاعری پر فاضلانہ
تبصرہ کیا اور کلام کا انتخاب کر کے اُردو دان طبقہ پر زبردست احسان کیا۔

[...] وائے بر حالِ ما۔ نظیر ایسا شاعر نہ تھا کہ اُس کے کلام سے انتخاب کیا جاتا۔ بلکہ اُسکا ہر شعر

ماسوا چند اشعار) آب زر سے لکھنے کے لائق ہے۔ نظیر کے کلام مین کئی خصوصیات ہین -
انھون نے اس عالم فانی مین جو کچھ دیکھا اسے نظم کر دیا۔ کلام مین سوا چند مقامات کے کہین
تصنّع نہین معلوم ہوتا حالانکہ وہ ایسے زمانہ کے شاعر ہین جبکہ بغیر تصنع اور بعید الفہم تشبیہون اور
استعارات کے شعر پھیکا معلوم ہوتا تھا نظیر نے قریب الفہم تشبیہین اور استعارے استعمال کئے ہین
ملاحظہ ہو -

اس سیہ ابر مین یون اُڑتے ہین بگلے جیسے	لب مالیدہ مسی مین دُر دندان کی چمک
جگنو اس طرح چمکتے ہین کہ جون وقت سنگھار	ماتھے پہ ہاتھی کے گویا سنگرف ہے چھڑکا
مور کا شور فغان غوک کی جھینگر کی پکار	پی پی ہر آن پپیہے کی ہے، کوئل کی صدا

کیسی دلکش تشبیہین اور پُر تاثیر مصوری ہے۔ ایک شعر جرأت کے رنگ مین نزاکت معشوق
ملاحظہ ہو -

آغوشِ تصور مین جب ہمنے اُسے مسکا	لیجائے نزاکت سے اک شور تھا بس بس کا

جرأت کا شعر یہ ہے -

ڈر ہے کمر یار کہین ٹوٹ نہ جائے	آغوشِ تصور مین دبانا نہین اچھا

خدا وہ دن لائے کہ ہندوستان نظیر کی ایسی عزت کرے جو اسکے شایان شان ہے
مظفر حسین شمیم رائے پور (سی۔ پی)

جوبلی نمبر

جنوری ۱۹۲۸ء مین رسالہ زمانہ کو جاری ہوئے پورے پچیس سال ہو جاینگے لہذا فروری ۱۹۲۸ء کا پرچہ
جوبلی نمبر کے نام سے غیر معمولی اہتمام سے شایع کیا جائیگا۔ انشاء اللہ اس نمبر مین کارکنان و قلمی معاونین زمانہ کی تصویرون
کے علاوہ متعدد رنگین و سادہ تصاویر شایع کیجائینگی۔ اور ڈیڑھ دو سو صفحات مین ملک کے سربرآوردہ اہل قلم کے بہترین
مضامین نظم و نثر ہدیۂ ناظرین ہونگے۔ ہمکو امید ہے کہ ہمارے معاونین اس نمبر کی تیاری مین اعانت فرمائینگے
جوبلی نمبر کے لئے مضامین آخر نومبر ۱۹۲۷ء تک دفتر مین آجانا چاہیئے -
منیجر رسالہ زمانہ کانپور

(صبح کا وقت۔ زیاد فرش پر بیٹھا ہوا سوچ رہا ہے)

اُس وفاداری کی کیا قیمت ہے جو محض زبان تک محدود ہے کوفہ کے سبھی سردار جو مسلم بن عقیل سے جنگ کرتے وقت خم ٹھونک رہے تھے اب حسین بن علی سے جنگ کرتے وقت بغلیں جھانک رہے ہین۔ کوئی بھی اس مہم کو انجام دینے کا بیڑا انہین اُٹھاتا۔ سب کے سب عاقبت اور نجات کی آڑ لے رہے ہین کیا عقل ہے جو دنیا کو عقبیٰ پر قربان کر دیتی ہے! مذہب! تیرے نام پر کتنی حماقتین ثواب سمجھی جاتی ہین۔ تو نے انسان کو کتنا باطل پرست اور کتنا کم ہمت بنا دیا ہے۔

(عمر سعد کا آنا)

سعد۔ السلام علیک یا امیر، آپ نے کیون یاد فرمایا!

زیاد۔ مجھے ایک خاص معاملہ مین صلاح لینی ہے۔ تمہین معلوم ہے رے کتنا زرخیز، آباد، اور صحت پرور صوبہ ہے!

سعد۔ خوب جانتا ہون۔ حضور وہان کچھ دنون رہ چکا ہون۔ سارا صوبہ بیہے باغون پہاڑون چشمون سے گلزار بنا ہوا ہے۔ باشندے نہایت خلیق اور فرمانبردار ہین۔ بیمار آدمی وہان جاکر توانا ہو جاتا ہے۔

---

[1] سلسلہ کے لیے دیکھئے زمانہ جون ۲۴ء۔

زیاد۔ میری تجویز ہے کہ تمہیں اُس صوبہ کا عامل بناؤں۔ منظور کروگے۔
سعد۔ (بندگی کرکے) سر اور آنکھوں سے اس قدردانی کے لیے قیامت تک شکرگزار رہونگا۔
زیاد۔ معقول سالانہ مشاہرے کے علاوہ تمہیں گھوڑے غلام نوکر سرکار سے ملین گے۔
سعد۔ عین بندہ نوازی ہے خدا آپ کو ہمیشہ خوش وخرم رکھے۔
زیاد۔ تو مین منشی کو حکم دیتا ہون کہ تمہارے نام فرمان جاری کردے۔
سعد۔ غلام ہمیشہ آپ کا مشکور رہے گا۔
زیاد۔ مجھے یقین ہے کہ تم اتنے ہی کارگزار اور وفادار ثابت ہوگے جتنا مجھے تمہاری ذات سے اُمید ہے (پھر منشی کو بلاکر فرمان لکھاتا ہے اور زیاد کو دے دیتا ہے؟
سعد۔ (فرمان کو بوسہ دیکر) تو مین کل چلا جاؤن!
زیاد۔ نہین نہین اتنی جلد نہین۔ جانے کے پہلے تمہین اپنی وفاداری کا ثبوت دینا ہوگا۔ اتنا اونچا منصب اُسی کو ملسکتا ہے جس کی وفاداری آزمایش کی آنچ برداشت کر چکی ہو۔
سعد۔ مین ہر ایک خدمت کے لیے دل وجان سے حاضر ہون جس مہم کو اور کوئی انجام نہ دیسکتا ہو اس پر مجھے بھیجدیجئے۔ خدا نے چاہا تو کامیاب ہوکر آؤن گا۔
زیاد۔ بیشک بیشک مجھے تمہاری ذات سے ایسی ہی اُمید ہے۔ تمہین معلوم ہے حسین بن علی کوفی کی طرف آرہے ہین۔ ہمکو ان کی طرف سے بہت اندیشہ ہے۔ تمکو ان سے جنگ کرنے کے لیے جانا ہوگا۔ اِدہر سے تمہین بے فکر کرکے پھر رے کی حکومت پر جانا۔
سعد۔ یا امیر۔ آپ مجھے اس مہم پر جانے سے معاف رکھین اسکے سوا آپ جو حکم دینگے اسکی تعمیل مین مجھے ذرا بھی عذر نہ ہوگا۔
زیاد۔ کیون حسین سے جنگ کرنے مین تمہین کیا عذر ہے؟
سعد۔ آپ کا غلام ہون لیکن حسین کے مقابلہ سے مجھے معاف رکھین تو آپکا ہمیشہ احسان مانونگا۔
زیاد۔ بہتر ہے تمہاری جگہ کسی اور کو بھیجونگا۔ فرمان واپس دیکر گھر بیٹھ جاؤ۔ رے کا علاقہ اُسی آدمی کا حق ہے جو اس مہم کو انجام دے۔
موت کے بغیر جنت نصیب نہین ہوسکتی جو آدمی ایک پیر دین کی کشتی مین رکھتا ہے دوسرا پیر

دنیا کی کشتی مین اسے کبھی ساحل پر پہونچنا نصیب نہ ہوگا۔

سعد۔ (دلمین) ایک طرف رَے کا علاقہ ہے دوسری طرف نجات۔ ایک طرف دولت اور حکومت ہے۔ دوسری طرف لعنت اور عذاب!

خدا! میری تقدیر مین کیا لکھا ہے (ظاہرا) یا امیر مجھے ایک دن کی مہلت دیجئے۔ مین کل اِس معاملہ پر غور کرکے آپ کو جواب دونگا۔

زیاد۔ اچھی بات ہے۔ سوچ لو۔

(دونون چلے جاتے ہین)

دوسرا سین

(صبح کا وقت سعد کا مکان۔ سعد بیٹھا ہوا ہے۔)

سعد۔ یار دوست اور اپنے بیگانے عزیز سب مجھے حضرت حسین کے مقابلہ پر جانے سے روکتے ہین بی بی کہتی ہے اگر تیرے پاس دنیا مین کچھ باقی نہ رہے تو اس سے بہتر ہے کہ تو حسین کا خون اپنی گردن پر لے۔ آج مین نے زیاد کو جواب دینے کا وعدہ کیا ہے۔ ساری رات سوچتے گذر گئی اور ابھی تک کچھ فیصلہ نہ کرسکا۔ عجیب دو فصلے مین پڑا ہون۔ اپنا دل بھی حسینؑ کے قتل پر آمادہ نہین ہوتا۔ گو مین نے یزید کے ہاتھون پر بیعت کی پر حسینؑ سے میری کوئی دشمنی نہین ہے۔ کتنا دیندار۔ کتنا بے لوث آدمی ہے ہمین نے انھین یہان بلایا۔ بار بار خط اور قاصد بھیجے اور آج جب وہ یہان ہماری مدد کے لیے آرہے ہین تو ہم ان کی جان لینے پر طیار ہین۔ ہائے خود غرضی تیرا برا ہو۔ تیرے سامنے دین ایمان نیک بد کی طرف سے آنکھین بند ہوجاتی ہین۔ کتنا گناہ عظیم ہے۔ اپنے رسول کے نواسے کی گردن پر تلوار چلانا خدا نہ کرے کہ مین اتنا گمراہ ہوجاؤن۔ رے کا صوبہ کتنا زرخیز ہے وہان تھوڑے دن بھی رہ گیا تو مالا مال ہوجاؤنگا۔ کتنے شان سے بسر ہوگی۔ افسوس ہے مجھپر جو اپنی شان اور حکومت کے لیے بڑے سے بڑے گناہ کرنے کا ارادہ کر رہا ہون۔ نہین مجھ سے یہ حرکت نہ ہوگی۔ رے جنت ہی کیون ہی پر فرزند رسول کا خون کرکے مجھے جنت مین بھی جانا منظور نہین۔

(زیاد کا آنا)

سعد - السلام علیک امیر مین تو خود ہی حاضر ہونے والا تھا۔ آپ نے ناحق تکلیف کی۔

زیاد - شہر کا دورہ کرنے نکلا تھا۔ باغیون پر اسوقت بہت سخت نگاہ رکھنے کی ضرورت ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ حبیب ظہیر، عبداللہ وغیرہ چھپکر حسینؑ کے لشکر مین داخل ہو گئے ہین۔ اس کی روک تھام نہ کی گئی تو باغی شیر ہوجائینگے۔ حضرت حسینؑ کیساتھ آدمی تھوڑے ہین پر مجھے تعجب ہوگا اگر یہان آتے آتے ان کے ساتھ آدھا شہر ہوجائے۔ شیر پنجرے مین بھی ہو توبھی اس سے ڈرنا چاہیئے۔ رسول کا نواسا فوج کا محتاج نہین رہ سکتا۔ کہو۔ تمنے کیا فیصلہ کیا۔ مین اب زیادہ انتظار نہین کرسکتا۔

سعد - یا امیر۔ حضرت حسینؑ کے مقابلے کے لیے نہ تو اپنا دل ہی گواہی دیتا ہے اور نہ گھروالون کی صلاح ہوتی ہے۔ آپ نے مجھے رَے کی نظامت عطا کی ہے۔ اس کے لیے آپکو اپنا مربی سمجھتا ہون مگر قتل حسین کے واسطے مجھے نہ بھیجئے۔

زیاد - سعد دنیا مین کوئی خوشی بغیر تکلیف کے حاصل نہین ہوتی شہد کے ساتھ مکھی کے ڈنک کا زہر بھی ہے۔ تم شہد کا مزا اُٹھانا چاہتے ہو مگر ڈنک کی تکلیف اُٹھانا نہین چاہتے۔ بلا موت کی تکلیف اُٹھائے جنت مین جانا چاہتے ہو۔ مین تمھین مجبور نہین کرتا اس انعام پر حسینؑ سے جنگ کرنے کے لیے آدمیون کی کمی نہین ہے مجھے فرمان واپس دیدو اور آرام سے گھر مین بیٹھکر رسول اور خدا کی عبادت کرو۔

سعد - یا امیر سوچئے اس حالت مین میری کتنی بدنامی ہوگی۔ سارے شہر مین خبر پھیل گئی کہ مین رَے کا ناظم بنایا گیا ہون۔ میرے دوست احباب مجھے مبارکباد دے چکے۔ اب جو مجھ سے فرمان لے لیا جائیگا تو لوگ دلمین کیا کہین گے۔

زیاد - یہ سوال تو تمھین اپنے دل سے کرنا چاہیئے۔

سعد - یا امیر مجھے کچھ اور مہلت دیجئے۔

زیاد - تم اسطرح ٹال مٹول کرکے دیر کرنی چاہتے ہو۔ کلام پاک کی قسم اب مین تمہارے ساتھ زیادہ سختی سے پیش آؤنگا۔ اگر شام کو حسینؑ سے جنگ کرنے کے لیے طیار ہوکر نہ آئے تو تم جائداد ضبط کرلون گا۔ تیرا گھر لٹوا دونگا۔ مکان پامال ہوجائیگا۔ اور تیری جان کی بھی خیریت نہین۔

(زیاد کا جانا)

سعد - (دلمین) معلوم ہوتا ہے کہ میری تقدیر مین روسیاہ ہونا ہی لکھا ہے۔ اب محض رَے کی نظامت کا سوال نہین بلکہ اپنی جان اور جائداد کا سوال بھی ہے۔ اس ظالم نے ہانی کو کتنی بیدردی سے قتل کیا۔ کثیر کو بھی اپنی آئین پروری کی گران قیمت دینی پڑی۔ شہر والون نے زبان تک نہ ہلائی وہ تو محض حسینؑ کے عزیز تھے۔ یہ معاملہ اُس سے کہین نازک ہے۔ زیاد برہم ہو جائے گا تو جو کچھ نہ کر گذرے وہ تھوڑا ہے۔ مین رَے کو ایمان پر قربان کر سکتا ہون۔ لیکن جان اور جائداد کو نہین قربان کر سکتا۔ کاش مجھ مین ہانی اور کثیر کی سی ہمّت ہوتی!

(شمر کا آنا)

شمر - السلام علیک سعد! کس فکر مین بیٹھے ہو۔ زیاد کو تمنے کیا جواب دیا۔؟

سعد - دل حسینؑ کے مقابلے پر راضی نہین ہوتا۔

شمر - ثروت اور دولت حاصل کرنے کا ایسا سنہرا موقع پھر ہاتھ نہ آئے گا۔ ایسے موقعے زندگی مین بار بار نہین آتے۔

سعد - نجات کیسے ہوگی۔؟

شمر - خدا رحیم ہے۔ کریم ہے۔ اُسکی ذات سے کچھ بعید نہین۔ گناہون کو معاف نہ کرتا تو رحیم کیون کہلاتا۔ اگر ہم گناہ نہ کرین تو وہ معاف کیا کریگا۔؟

سعد - خدا ایسے بڑے گناہ کو معاف نہ کریگا۔

شمر - اگر خدا کی ذات سے یہ اعتقاد اُٹھ جائے تو مین آج مسلمان نہ رہون۔ یہ روزہ اور نماز۔ یہ زکوٰۃ اور خیرات کس مرض کی دوا ہے اگر ہمارے گناہون کو بھی معاف نہ کرا سکے۔

سعد - رسولِ خدا کو کیا منھ دکھاؤن گا۔؟

شمر - سعد، تم سمجھتے ہو ہم اپنی مرضی کے مختار ہین۔ یہ عقیدہ باطل ہے۔ سب کے سب حکم کے بندے ہین۔ اُسکی مرضی کے بغیر ہم اپنی انگلی کو بھی نہین ہلا سکتے۔ ثواب اور عذاب کا یہان سوال ہی نہین رہتا۔ عقلمند آدمی اودھار کے لیے نقد کو نہین چھوڑتا۔ تاخیر مت کرو ورنہ افسوس ہی ہاتھ رہے گا۔ (شمر چلا جاتا ہے)

سعد۔ (دلمین) شمر نے بہت معقول باتین کہین۔ بیشک خدا اپنے بندون کے گناہون کو معاف کریگا۔ ورنہ حساب کے دن دوزخ مین گنہگارون کے کھڑے ہونے کی جگہ بھی نہ ملیگی۔ مین زاہد نہ سہی لیکن مجھے تو خدا کے سامنے ندامت سے گردن جھکانے کی کوئی وجہ نہین ہے۔ بیشک خدا کی یہی مرضی ہے کہ حسینؑ کے مقابلے پر مین جاؤن ورنہ زیاد یہ تجویز ہی کیون کرتا۔ جب خدا کی یہی مرضی ہے تو مجھے سر جھکانے کے سوا اور کوئی چارہ نہین۔ اب جو ہونا ہو سو ہو۔ آگ مین کود پڑا۔ جلون یا بچون

(غلام کو بلا کر زیاد کے نام اپنی منظوری کا خط لکھتا ہے۔)

غلام۔ شاید حضور نے "رے" کی نظامت قبول کر لی ؟

سعد۔ جا تجھے ان باتون سے کیا مطلب !

غلام۔ مین پہلے ہی سے جانتا تھا کہ آپ یہی فیصلہ کرینگے۔

سعد۔ تجھے کیونکر اسکا علم تھا ؟

غلام۔ مین خود اس منصب کو نہ چھوڑتا۔ چاہے اسکے لیے کتنا ہی ظلم کرنا پڑتا۔

سعد۔ (دلمین) ظالم کیسے پتے کی بات کہتا ہے۔

(غلام چلا جاتا ہے)

چوتھا سین

(فرات ندی کے کنارے سعد کا لشکر پڑا ہوا ہے۔ فرات سے دو میل کے فاصلے پر کربلا کے میدان مین حضرت امام حسینؑ کا لشکر ہے۔ فرات اور حسینؑ کے لشکر کے بیچ مین سعد نے ایک لشکر کو ندی کا پانی روکنے کے لیے پہرا بٹھا دیا ہے۔ صبح کا وقت۔ شمر اور سعد خیمے مین بیٹھے ہوئے ہین۔)

سعد۔ میرا دل ابھی تک حسین سے جنگ کرنے کو تیار نہین ہوتا۔ چاہتا ہون کسی طریقہ سے صلح ہو جائے۔ مگر تین قاصدون مین سے ایک بھی میرے خط کا جواب نہ لا سکا۔ ایک تو حضرت حسینؑ کے پاس جا ہی نہ سکا۔ دوسرا شرم کے مارے راستے ہی سے کسی طرف ہٹ گیا اور تیسرے نے جا کر حسینؑ کی بیعت اختیار کر لی۔ اب اور قاصدون کو بھیجتے ہوئے ڈرتا ہون کہ ان کا بھی (یہی)

ل نہ ہو -

ما - زیاد کو یہ باتین معلوم ہونگی تو آپ سے سخت ناراض ہوگا -

معد - مجھے بار بار یہی خیال آتا ہے کہ حسینؑ یہان جنگ کے ارادے سے نہین - محض لوگون کے بلانے سے آئے ہین - انہین بلاکر ان سے دغا کرنی انسانیت کے خلاف معلوم ہوتا ہے -

شمر - مجھے خوف ہے کہ آپ کی تاخیر سے ناراض ہوکر زیاد آپ کو واپس نہ بلالے - پھر اُسکے غصے سے خدا ہی بچائے - زیاد نے کتنی سخت تاکید کی تھی کہ حسینؑ کے لشکر کو پانی کی ایک بوند بھی نہ ملے - وہان اُن کے آدمی دریا سے پانی لیجاتے ہین ادھر سے کوئی روک ٹوک نہین ہوتی - کیا آپ سمجھتے ہین کہ زیاد سے یہ باتین چھپی ہونگی - ؟

سعد - معلوم نہین کون اُسکے پاس یہ سب خبرین بھیجا رہتا ہے ؟

شمر - اُس نے یہان اپنے کتنے ہی گویندے بٹھا رکھے ہین جو دم دم کی خبرین بھیجدیتے ہین

(ایک قاصد کا آنا)

قاصد - السلام علیک بن سعد - امیر کا حکم نامہ لایا ہون -

(سعد کو زیاد کا خط دیتا ہے)

سعد - (خط کو پڑھکر) تم باہر بیٹھو - اس کا جواب دیا جائیگا - (قاصد چلا جاتا ہے) انہین بھی وہی تاکید ہے کہ حسینؑ کو پانی مت لینے دو - جنگ کرنے مین ایک لمحے کی دیر نہ کرو - دیکھئے لکھتے ہین -

" حضرت امام حسینؑ سے جنگ کرنے کے لیے اب کوئی عذر نہین رہا - فوج کی کمی کی شکایت تھی سو وہ بھی نہین رہی - اب میرے پاس بائیس ہزار سوار اور پیدل موجود ہین "

شمر - بیشک ان کا لکھنا واجب ہے مین جاکر سخت حکم دیتا ہون کہ حسینؑ کے لشکر کی چڑیا بھی دریا کے کنارے نہ آنے پائے - آپ جنگ کا حکم دیدین -

سعد - آپ کو معلوم ہے ۲۲ ہزار آدمیون مین کتنے عذاب کے خوف سے بھاگ گئے اور روز بھاگتے جاتے ہین - ؟

شمر - اسلیے تو اور بھی ضروری ہے کہ جنگ شروع کردیجائے - ورنہ رفتہ رفتہ یہ ساری فوج بادلون کی طرح غائب ہوجائے گی لیکن مین نے سنا ہے کہ زیاد نے ان سب آدمیون کو گرفتار کرلیا ہے اور بہت جلد وہ سب فوج مین آجائینگے - یہ حکم بھی جاری کردیا ہے کہ جو آدمی فوج سے نکل بھاگے گا - اسکی جائداد ضبط کرلی جائے گی - اور اُسے خاندان کی ساتھ جلا وطن کردیا جائیگا - اس حکم کا لوگون پر اچھا اثر پڑا ہے - اب اُمید نہین کہ بھاگنے کی کوئی ہمت کرے - مجھے یہ بھی خبر ملی ہے کہ زیاد نے کئی آدمیون کو قتل کرادیا ہے -

(ایک اور قاصد کا آنا)

قاصد - السلام علیک ابن سعد حضرت حسینؑ نے یہ خط بھیجا ہے اور اس کا جواب طلب کیا ہے -

(سعد کو خط دیتا ہے)

سعد - (خط پڑھکر) باہر جاکر بیٹھو ابھی جواب ملے گا -

شمر - (خط پر جُھک کر) اسمین کیا لکھا ہے -؟

سعد (خط کو بند کرکے) کچھ نہین یہی لکھا ہے کہ مین تمسے ملنا چاہتا ہون -

شمر - یہ اُن کی نئی چال ہے - کلام پاک کی قسم آپ ان کی درخواست مانکر پچھتائینگے - آپکو فوج مین پھر آنا نصیب نہ ہوگا -

سعد - کیا تمہارا یہ مطلب ہے کہ حضرت حسینؑ مجھ سے دغا کرینگے -؟ علی کا بیٹا دغا نہین کر

شمر - یہ میرا مطلب نہین یہان سے بچ نکلنے کی کوئی تجویز پیش کرنی چاہتے ہونگے - ان زبان مین جادو کا اثر ہے - ایسا نہ ہو کہ وہ آپ کو چکمہ دین - کیا ہرج ہے اگر مین بھی آپ کے سا چلون -؟

سعد - مین سمجھتا ہون کہ مین اپنی دین اور دنیا کی حفاظت خود کرسکتا ہون مجھے تمہاری کیضرورت نہین -

شمر - آپ کو اختیار ہے - کم سے کم میری اتنی صلاح تو مان ہی لیجیے گا کہ اپنے ساتھ تھوڑے سے چُنے ہوئے آدمی لیتے جائیگا -

سعد - یہ میرا ذاتی معاملہ ہے جیسا ٹھیک سمجھونگا کرونگا -

(قاصد کو بلا کر خط کا جواب دیتا ہے)

شمر - رات کا وقت لکھا ہے نا ؟

سعد - اتنا تو تمہین خود سمجھ لینا چاہیئے تھا -

شمر - (جانے کے لیے کھڑا ہوکر) میری بات کا ضرور خیال رکھیے گا - (دلمین) اسکے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام حسینؑ کی باتون مین آجائے گا - زیاد کے پاس خود جا کر یہ قصہ کہون -

سعد - (دلمین) خدا مجھسے سمجھے ظالم تو زیاد سے بھی دو انگل بڑھا ہوا ہے - شاید میرا یہ قیاس غلط نہین ہے کہ تو ہی زیاد کو یہان کے حالات کی اطلاع دیتا ہے - حسینؑ دغا کرینگے ! حسین دغا کرنے والون مین نہین - دغا کا شکار ہونے والون مین ہین -

(اٹھکر اندر چلا جاتا ہے)

"پریم چند"

رسید کتب

سورسبہ - یعنی مجموعۂ کلام پنڈت رام اگیان دویدی مطبوعہ ہندی پستک بھنڈار - سورما - سرائے دربھنگہ ۱۲؍

عظمت اسلام - نوشتہ ہری رام صاحب مطبوعہ دی یونیورسل جاب پرنٹنگ ہاؤس علیگڈھ قیمت ۲؍

پنجر قعہ - مصنفہ محمد ولایت خان صاحب ولایت مطبوعہ ادبی پریس لکھنو قیمت ۸؍

درس شفقت (حصہ دوم) ازجناب منشی ایچ ڈانلڈ صاحب بہادر - ایف - زڈ - ایس مطبوعہ میکملن اینڈ کمپنی لمیٹڈ قیمت ۵؍

منطق - مولفہ ایم - اے برکلے - مترجمہ پروفیسر سید مظفر الدین ایم اے - مطبوعہ مطبع معارف اعظمگڈھ قیمت ۵؍

جزائر نکوبار

خلیج بنگال مین جزائر انڈمین اور سماترا کے درمیان نکوبار کے خوشنما و پرفضا جزائر واقع ہین۔ یہ جزائر برطانیہ کے قبضہ مین ہین۔ یہان کے باشندے دو گروہون مین منقسم ہین۔ نکوباری یعنی ساحلی باشندے، اور شوم پین یعنی وہ باشندے جو نکوبار کے سب سے بڑے جزیرے کے اندرونی جانب آباد ہین جو گھنے جنگل سے ڈھکا ہوا ہے لیکن چونکہ شوم پن نکوباریون سے بھی اتنا ہی بدظن رہتے ہین جتنا کہ اجنبیون سے اسی باعث ان کے حالات ابھی تک تاریکی مین ہین نکوباری ہاتھ پیر کے اچھے ہوتے ہین رنگ گندمی ہوتا ہے۔ ان کی صورت شکل مین خاص بات یہ ہے کہ ان کے دانت نکلے ہوئے ہوتے ہین اور چھوڑی کے کثرت استعمال سے بدنما ہو جاتے ہین۔ ان مین ایک نہایت قبیح رسم رائج تھی جو اسوقت برتی جاتی جبکہ گانون مین وبا آتی تھی یا کوئی ناگہانی واقعہ پیش آتا تھا اس خطرناک رسم کی آفت اُس مصیبت زدہ شخص کے سر جاتی تھی جو اپنے گانون مین بہت ہی رسوا و بدنام ہوتا اور یہ خیال کیا جاتا کہ وہی ان مصائب کا بانی مبانی ہے۔ یہ سزا اُسی تک محدود نہ تھی بلکہ اُسکے جورو بچہ بھی اس سزا کے پھندے مین جاتے تھے وہ شخص مار ڈالا جاتا تھا اور اسکی نعش سمندر مین غرقاب کردیجاتی تھی تاکہ جزیرہ اسکی ناپاک روح کی چہل قدمی سے محفوظ رہے۔ اب اس رسم کو لوگون نے بند کر دیا ہے ان کا خیال ہے کہ بھوت پریت منترون اور قربانیون سے دفع اور ختم کئے جا سکتے ہین۔ اور عموماً ہر ایک اپنا اپنا ایک جادو کا پتلا (ضرر رسان روحون کے لیے دھوکا) بناتا ہے جسمین مرد عورت۔ جانور اور پرند کے کچھ کچھ حصے ضرور شامل ہوتے ہین اور لمبے لمبے لگے جسمین پتیون کی ٹہنیان لٹکائی جاتی ہین سمندر مین کھڑے کر دیئے جاتے ہین۔

ان لوگون کے مندر وغیرہ نہین ہوتے۔ لیکن ہان پجاری ہوتے ہین جنکو مینلیونا کی نام سے موسوم ہین اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ کچھ معمولی رسومات کے ذریعہ سے روحون سے بات چیت کر سکتے ہین۔

اوران کو دفع کرسکتے ہین ایک نکوباری کی جب تک شادی نہین ہوتی اسوقت تک وہ اپنے باپ کے امور خانہ داری مین ہاتھ بٹاتا ہے لیکن شادی کے بعد پھر وہ اپنی سسرال مین رہنے لگتا ہے ان لوگون مین میان بیوی مین ذرا سی شکر رنجی ہونے پر تعلقات قطع ہو جاتے ہین اور طلاق ہوجانے پر مرد جتنی چاہیے شادیان کرے۔

ان لوگون مین شادی کی رسم ورسیت بہت کم ہوتی ہین۔ جب کوئی شخص کسی لڑکی سے شادی کا خواہان ہوتا ہے تو پہلے اسکے خاندان سے راہ ورسم پیدا کرتا ہے۔ لڑکی کو خانہ داری کے کامون مین مدد دیتا ہے اور اسکے خاندان کے ساتھ رہتا ہے۔ شب کے وقت وہ اُس لڑکی کو جو کہ دوسرے لوگون مین سوتی ہے اپنی سگریٹ کی روشنی مین جو سگریٹ کے کش لینے سے نمایان ہوتی ہے۔ اُس اندھیرے گھُپ مین تلاش کرتا ہے (یہ رسم پہلے سے طے ہوجاتی ہے۔) اور اسکے بعد شادی ہوجاتی ہے۔

ان کے مکانات اونچی جگہ پر تعمیر ہوتے ہین اور شہد کے چھتّے سے بہت مشابہت رکھتے ہین۔ داخل ہونے کے دروازہ مین ایک زینہ کے ذریعہ سے رسائی ہوتی ہے۔ نکوباری لوگون کے جنوبی حصہ کی آبادی مین جب کوئی مرجاتا ہے تو اس کی لاش کو اس کے زیور سے آراستہ کرکے کورے کپڑے مین لپٹتے ہین۔ اور غروب آفتاب کے بعد لیکن آدھی رات سے پیشتر یا علی الصباح دفن کرتے ہین تاکہ کسی شے کا سایہ اس پر نہ پڑے اور ہمراہیون کے پیچھے جو ضرررسان روحین لگی ہوئی ہین وہ اس مردے کے ساتھ قبر مین دفن ہو جائین مردے کی آنکھین بند کردی جاتی ہین تاکہ ان کی کھلی ہوئی آنکھون کو بھوت نہ دیکھ لے تجہیز وتکفین کے بعد تمام خاندان اپنے اپنے جھونپڑون مین واپس آتا اور اسکی صفائی کرتا ہے۔ سارا خاندان بھوین اور سر منڈاتا اور اپنے نامون کو اس خیال سے بدلدیتا ہے تاکہ متوفی کی روح ان کو پہچان نہ سکے۔ اسکے بعد ایک دعوت ہوتی ہے جو نہایت خاموشی سے انجام پاتی ہے۔ اور بعد مین دو ایک دعوتین اور بھی ہوتی ہین۔

(ترجمہ)

مرزا محمد بشیر از نانپارہ
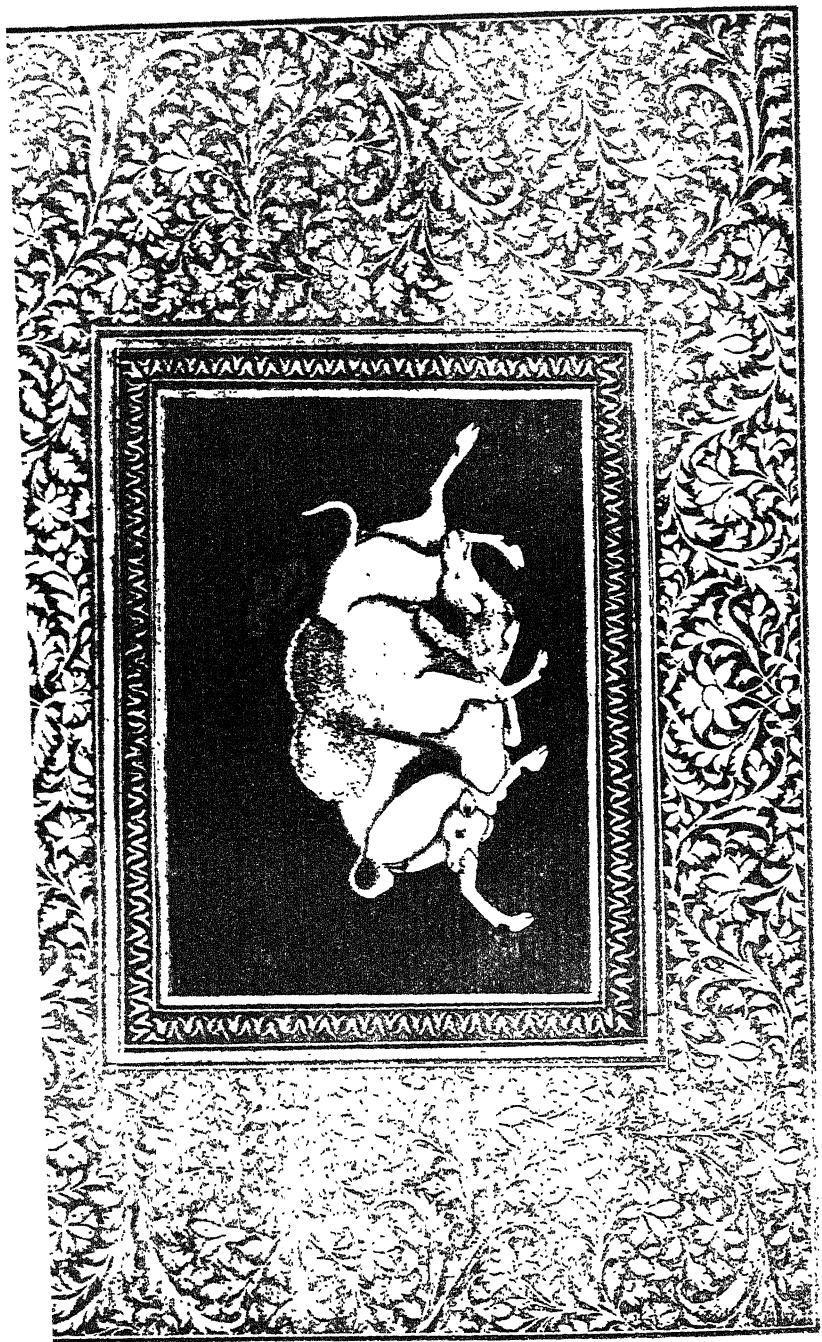
Lakshmi Art, Bombay, 8.

اونٹوں کی لڑائی

دو گھونٹ پانی

موضع کوتانہ تحصیل باغپت ضلع میرٹھ مین اب چند حقیر جھونپڑون کے سوا کچھ نظر نہین آتا۔ البتہ
مشرقی اور مغربی سوانون پر چند بلند ٹیلے دکھلائی دیتے ہین جو اس امر کے شاہد ہین کہ قدیم زمانہ مین
یہان متمول افراد کی حویلیان اور مکانات تھے۔ جنکو حوادثِ روزگار نے مٹی اور پتھرون کے تودون کی
شکل مین بدل دیا ہے۔

آج اس ناچیز گاؤن کی حالت خراب ہے لیکن تین ساڑھے تین سو برس ہوئے کہ یہ ایک بارونق
قصبہ تھا۔ ہر قوم کے آدمی بستے تھے۔ سب چیزون کی دوکانین موجود تھین قصبہ کی زمینداری کے مالک
کایستھ اور روح تھے۔ مغربی جانب کایستھون کی شاندار حویلیان پختہ مکانات تھے اور جانب شمال
روحون کے وسیع ڈیرے بڑی بڑی چوپالین اور باڑے بنے ہوئے تھے۔ جہان تمول اور فارغ البالی
نے اس قصبہ کو شاد و آباد بنا رکھا تھا وہان رشک و نفاق نے دلجمعی اور اطمینان دل کو مفقود و غائب
کر رکھا تھا۔ زمیندارون کی طبیعتین صاف نہ تھین۔ بیگار کی تقسیم کھیتون کے سرحدی نزاع روز
کی باتین تھین۔ آئے دن کسی نہ کسی بات پر مٹھ بھیڑ ہو ہی جایا کرتی تھی۔

کایستھ شاہی محکمون مین ملازم تھے اسلیے ان کے اثر کا پلہ بھاری تھا۔ مالگذاری کی وصول
انھین کے سپرد کیجاتی تھی اور یہ وصول تحصیل مین کوئی رورعایت نہین کرتے تھے بلکہ تشدد اور
جبر کے ساتھ ساتھ ہر موقع پر اپنے بزرگی اور برتری کا احساس کرانے کی کوشش کرتے۔
ہمعصرون کی سخت گیری ہمپایہ زمیندارون کی حکومت خلیج نفاق کو روز بروز وسیع ہی کر
جاتی تھین۔

دیوالی کا موقعہ تھا کایستھون کے یہان کئی تقریبین ہونے والی تھین۔ سب لوگ جو
ملازم تھے رخصت لیکر شرکت کو آئے ہوئے تھے محلہ مین دن رات جشن رہتا تھا۔ ناچ گانا

صدائیں ہر وقت آیا کرتی تھیں - نائی - باری - کہار - بھاٹ لگانیوں کی بھیڑ لگی رہتی تھی - خوب دل کھول کر روپیہ خرچ کیا جا رہا تھا -

عین بڑی دیوالی کے دن چند سربر آوردہ ٹھاکر زمیندار کائستھوں کے یہاں آئے اور کہا کہ کھیا کے ہاں لڑکا پیدا ہوا ہے آج تیوہار کا دن ہے سب لوگ ایک جگہ کھانا کھائیں اور اپنے اپنے قلوب صاف کر دیں - آپکی خاطر ہمنے دلّی سے طائفے بلوائے ہیں "

اس طرف سے قدرے تامل اُسطرف سے مزید اصرار کے بعد دعوت بخوشی منظور کر لی گئی یہاں شرکت کی تیاریاں وہاں دعوت اور جلسہ کا انتظام ہونے لگا - جیسے ہی دیوالی کا پوجن ختم ہوا چھوٹے بڑوں نے اچکن پاجامہ پہن - صافہ باندھ بڑی چوپال کا راستہ لیا -

اہتمام اعلیٰ پیمانہ پر کیا گیا تھا - جملہ لوازمات مہمان نوازی فراخدلی سے فراہم کئے گئے تھے - محفل رقص و سرود گرم تھی - ہر زبان پرواہ واکی صدائیں آرہی تھیں - جام و سبو موجود تھے دور پر دور چل رہے تھے - رنگ محفل جم رہا تھا رقص پیمانہ بھی ہو رہا تھا - اس عالم بیخودی اور مدہوشی میں تلواروں کی جھنکار سنائی دی کئی سو آدمیوں کا گروہ اس بیخبر مجمع پر ٹوٹ پڑا کسی کو سر اُٹھانے یا انگلی ہلانے کا بھی موقع نہ مل سکا جو جہاں بیٹھا تھا وہیں کھیت رہا چند ہی لمحوں میں فرش پر خون میں لاشیں تیرنے لگیں میزبانوں نے اتنی ہی مہمان نوازی پر قناعت نہیں کی بلکہ یہاں کا کام سرانجام کرتے ہی سارا گروہ تیغ برہنہ نعرہ ہائے مسرت مارتا جانب غرب روانہ ہو گیا -

(۲)

پروہت جو کائستھوں کے ہاں پوجا اور مذہبی رسومات ادا کراتے تھے اس قصبہ کے وید راج بھی تھے - ان کو پدری ورثہ میں پروہتائی اور ویدک ساتھ ساتھ ملی تھیں - تکمیل طب کی ڈگری کے لیے نہ کچھ روپیہ ہی خرچ کرنا پڑا تھا اور نہ کسی درسگاہ میں تضیع اوقات ہی کرنی پڑی تھی - ادھر پتاجی پرلوک سدھارے ادھر یہ پروہت اور وید ہو گئے - ان کا مطب اور دواخانہ ایک چھوٹی سی دوکان میں تھا - جس کی کچی ٹیڑھی ترچھی دیواروں پر ایک ہلکا سا چھپّر سایہ کئے ہوئے تھا -

کوٹھری کے اندر بہت سی چھوٹی بڑی ہانڈیوں میں جنگل کی جڑی بوٹیاں اور خدا جانے کیا کیا چیزیں بھری ہوئی تھیں - ویدجی کی ناموری بحیثیت ایک وید کے صرف اسی قصبہ تک محدود تھی - اسمیں

سارا قصور زمانہ کا تھا۔ نہ اُس وقت آجکل کی طرح اخبارات ہی جاری تھے جنمین جادو بیان اشتہارات دیئے جا سکین اور نہ چھاپے خانے تھے کہ جہان رنگین دلآویز بیل بوٹہ دار پوسٹر ہی چھپوائے جا سکین۔ حتیٰ کہ دوکان پر کوئی سائن بورڈ بھی نہین تھا۔ بس جو کچھ تھا یہی پرانی ہانڈی مٹکون کی نمائشگاہ تھی۔

ویدجی کا دست مبارک شفا بخش یا بے فیض کسی کو معالجہ کے لیے دلی یا آگرہ نہین جانا پڑتا تھا۔ محض عقیدتمندی ہی صحت کے لیے کافی تھی۔

پروہت جی سے کایستھون کے یہان کوئی پردہ نہین کرتا تھا۔ ہندون مین پروہت کا رتبہ بہت بڑا ہوتا ہے زمانۂ قدیم مین اہم سے اہم کام بلا مشورہ اور صلاح پروہت کے نہین کیے جاتے تھے۔ ان کی شرکت بلکہ رہنمائی ہر کام کے لیے ناگزیر ہوتی تھی۔

آج لکشمی جی کی پوجا کا دن تھا۔ جہان مالدار تھے صاحب ثروت تھے باہر سے دولت کما کر لائے تھے پروہت جی نے سب گھرون مین پوجن کرایا خوب دکھشنا ملی۔ خوش خوش لوٹ رہے تھے کہ ایک گھر مین بلا لیئے گئے ایک مریضہ کو دیکھا دوا تجویز کی دیر زیادہ ہوگئی تاہم دوکان کھولی کڑوے تیل کے چراغ جلائے۔ کچھ اشلوک پڑھے۔ لکشمی کا پوجن کیا رات زیادہ ہوگئی۔ سوچا کہ دکشنا تو کافی ملی اب زیادہ لکشمی جی کا انتظار فضول ہے گھر چلنے کے ارادہ سے اُٹھے ہی تھے کہ مشعلون کی روشنی اور تلوارون کی جھنکار کا شور سنکر چونک پڑے۔ سمجھے کہ سری وشنو جی اور لکشمی جی کی سواری آرہی ہے۔ استقبال کو اُٹھے ہی تھے کہ آواز آئی ”ادہ یہ تو نادار برہمن ہے آگے چلو دیر مت کرو“ گروہ آگے بڑھا پروہت جی کے جان مین جان آئی۔ کچھ سوچا معاملہ کی تہ کو پہنچ گئے دوکان کو یونہی چھوڑا گلی کے راستہ ایک مکان مین داخل ہوئے۔ جس مریضہ کو دیکھا تھا اُس سے کہا ”بیٹی جلدی کر بھاگ میرے ہمراہ چل تیرا باؤلن بھاری ہے روحون نے تیرے گھر والے سب ختم کردیئے۔ سب مرد لڑ کے ختم ہو چکے بقیہ اور عورتون کی بھی خیر نہین ہے وہ یہان آیا ہی چاہتے ہین۔ اس ناتوان جانکو سہارا دیکر پروہت جی روانہ ہی ہوئے تھے کہ مشعلون کی روشنی اور فتحیابون کے نعرہ ہائے مسرت کے شور و غوغا نے اُن کی مزید کوششون کو ناکامیاب کردیا۔ ایک ہی جان کی خیریت مین خیر سمجھے اسکے ہی بچانے پر اکتفا کی۔ جنگل کی طرف نکل گئے۔ شب تاریک نے بڑی امداد کی۔

صبح ہوئی کل قصبہ پر دو حون کا قبضہ ہو گیا۔ اس قصبہ کے کایستھون کا ایک فرد بھی اس سا
کی یادگار باقی نہین چھوڑا گیا۔ چھوٹے بڑے۔ عورت مرد سب آتش نفاق کے نذر ہو گئے۔
دوسرے دن شام تک آتش زدہ مکانات سے آہستہ آہستہ نکلنے والا دھوان بھی ختم ہو گیا۔
اُس زمانہ مین یہ کوئی ایسی بات نہ تھی کہ وقوعہ کی تفصیلات سے اخبارات کے کالم بھرے جا
یا تحقیقات کرنے والون کے ڈیرے موقع واردات پر جم جاتے نہ جب اخبارات ہی تھے اور نہ تحقیقات
کرنے والے ایک مقام پر ایک فریق غالب ہو گیا دوسرا مغلوب یہ ایک معمولی سی بات تھی ایسے انقلابات
ہوا ہی کرتے ہین اور پھر صورت متذکرہ مین تو کوئی داد خواہ ہی باقی نہین رہا تھا۔ داد رسی کسکی

(۳)

بیس اکیس برس گذر گئے۔ گرمیون کا موسم دوپہر کا وقت تمازت آفتاب حد سے زیادہ تھی
شہر دہلی کے شمالی و غربی سمت آبادی سے چند میل کے فاصلہ پر جہان سے آجکل ضلع رہتک کی
حد شروع ہوتی ہے ایک سایہ دار درخت کے نیچے ایک کشیدہ قامت خوشرو نوجوان زین پوش
بچھائے لیٹا تھا۔ درخت سے گھوڑا بندھا ہوا تھا اور نیزہ کو گاڑ کر اُسپر پانی کا مشکیزہ لٹکا دیا تھا۔
نوجوان کے قریب زمین پر ترکش اور کمان رکھے ہوئے تھے۔ فتراک مین شکار کیا ہوا ہرن اور کچھ پرندے
تھے۔ نوجوان شکار سے تھک کر آرام کر رہا تھا۔ کسی قدر غنودگی مین اُسکو معلوم ہوا کہ کوئی اُسکو پکار
رہا ہے۔ وہ چونک پڑا۔ اوپر کو نگاہ اُٹھائی تو دیکھا کہ ایک شکیل و وجیہ سوار شکاری کپڑے پہنے
آلات حرب و شکار سے آراستہ اُس سے بزبان فارسی کہہ رہا ہے۔

"اے نونہال اُٹھو مین تشنگی سے بیتاب ہون میرا حلق خشک ہو گیا ہے ہونٹ سوکھ گئے ہین۔
آب خنک کا ایک جام پلا دو۔ اے عزیز تم ہندو معلوم ہوتے ہو ورنہ میری انتہائی بیتابی مجکو ابتک
کبھی کا مشکیزہ تک لے گئی ہوتی۔"

نوجوان نے فارسی مین جواب دیا "آہا آپ بھی شکاری ہین۔ آیئے آیئے گھوڑے سے تو
اُتریئے۔ آپ پسینہ مین تر ہین چہرہ عرق عرق ہو رہا ہے۔ ذرا سایہ مین دم لیجئے پسینہ خشک
ہو جائے قدرے ناشتہ تناول فرما کر پانی پیجئے گا ورنہ احتمال مضرت ہے۔"
شکاری۔ عبسم فرمین۔ تم سچ کہتے ہو۔

مسافر گھوڑے سے اُتر کر نوجوان کے برابر زین پوش پر بیٹھ گیا۔ نوجوان نے ناشتہ دیا اور ایک پیالہ ٹھنڈا پانی پلایا۔ سوار کے ہوش حواس بجا ہوئے اُس سے پوچھا۔

"اے آبحیات کے فرشتے تم کس شجر کے ثمر ہو۔ اعلیٰ نسبی تمہارے چہرے سے ہویدا ہے۔ تم کسی معمولی چمن کے گل نہین معلوم ہوتے"

نوجوان " مین کالستھ ہون میرا نام ساگر رائے ہے۔ میرے نانا اصطبل شاہی کے داروغہ ہین۔ تعلیم ختم کر چکا ہون اب صرف سیر و شکار کا شغل رہتا ہے۔

شکاری " درست جبھی تم فارسی اسقدر فصاحت سے بولتے ہو گویا وہ تمہاری مادری زبان ہے۔

نوجوان " حضرت یہ تو فرمایئے کہ کہان سے آرہے ہین اور کس طرف کا عزم ہے۔ جناب کا پُر رعب چہرہ شاہد ہے کہ جناب کسی اعلےٰ ترین طبقہ سے تعلق رکھتے ہین۔

شکاری - مین ترکستان کا باشندہ ہون۔ ایک کار خاص کے لیے اکثر ہندوستان آیا کرتا ہون۔ عزیزم تمنے اپنے نانا کا پتہ بتلایا اپنے گلستان پدری کا بھی نشان بتلا دو۔

نوجوان کا چہرہ اُتر گیا آنکھون مین آنسو بھر آے بیساختہ آہ نکلگئی آواز گلوگرفتہ سے بولا کیا آپ واقعی غیر ملک کے باشندے ہین آپ کی شیرین کلامی تحکمانہ لہجہ۔ مروجہ زبان امرا کی اعلیٰ مثال ہے۔ جناب والد وہ بوستان شادابی جسکے برگ وبار کو خزان کے باد سموم نے بیخ وبن سے اکھاڑ کر برباد کر دیا ہو جسکی شاخہاے بریدہ کی یادگار صرف ایک ہی خشک پتہ رہ گیا ہو اُس کا نشان..........

نوجوان آگے نہ بول سکا سیلاب اشک آنکھون سے جاری ہو گیا۔ سوار نے تعجب سے سر اُٹھایا محبت سے اُسکے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا آہ مین نے تمہارے زخمی جگر پر نمک پاشی کی۔ ہان کیا تمکو تلاش معاش کی فکر نہین ہے۔

نوجوان - خیال رزق ہر ذی روح کے ساتھ قسّام ازل نے وابستہ کر دیا ہے۔ میرے واہمۂ خام مین بہت سے ایسے سودے بھرے ہین جن کا ارمان زیادہ ہے۔

شکاری - تب تو تم پکے سودائی ہو۔ مجھکو خوف ہے کہ میرے زبان سے مکرّر ایسا استفسار ہو جائے جو تمہارے زخمون پر نمک افشانی کرے۔ البتہ .... سوار کچھ کہنا ہی

چاہتا تھا کہ متواتر قرنا کی آواز آنے لگی "

نوجوان ۔ "شکاریوں کی بڑی تعداد آتی ہوئی معلوم ہوتی ہے ۔ کوئی ساتھی رہ گیا ہے اُسکو ڈھونڈھ رہے ہین ۔ کیا آپ کے ہمراہی تو نہین ہین ۔؟

شکاری ۔ " نہین مین تو تنہا ہی آیا تھا "

سوار نے بعجلت عمامہ اُٹھایا ۔ پھُرتی سے گھوڑے پر سوار ہوا اور نوجوان سے کہا "سنو مجکو ایک بہت ضروری کام یاد آگیا مجکو راستہ معلوم ہے ۔ دربار شاہی مین قدرسے رسوخ حاصل ہے کسی امیر سے کہکر ملازمت دلوانے کی کوشش کرونگا ۔

نوجوان ۔ شکریہ ۔ مگر جناب کا نام و پتہ ۔

قرنا کی آوازین نزدیک تر اور زور زور سے آنے لگین ۔

سوار ۔ زیادہ تفصیل کی ضرورت نہین ہے ۔ یہ انگوٹھی لو ۔ تمکو دربار تک رہبری کریگی وہان مین خود تمہاری تلاش کرلون گا ۔ سوار نے اسپ تیز گام کو مہمیز کیا اور ایک لمحہ مین غائب ہوگیا ۔ قرنا کی آوازین بھی بند ہوگئین ۔ نوجوان مبہوت رہ گیا ۔ قرنا کی آواز شکاری کی عجلت ۔ آوازون کا یکدم بند ہوجانا اُس کی حیرت کی انتہا نہ رہی ۔ انگوٹھی انگلی مین پہنی اور روانگی کو تیار ہوگیا ۔

(۴)

"ساگر کیا کسی کی گمشدہ شے کو لے لینا گناہ نہین ہے ؟"

ساگر رائے ۔ نانا صاحب نیازمند کو جناب کی خفگی کا حال ہی نہین معلوم ۔ فدوی نے کسی کی کوئی چیز کسی طرح بھی غضب نہین کی ۔

"خوب اور یہ قیمتی انگوٹھی کہان سے آئی "

ساگر رائے ۔ اُوہ ۔ جناب والا کئی روز ہوئے مین شکار کو گیا تھا ۔ ایک سوار پیاس سے بہت بیتاب تھا ۔ مین نے اُسکو پانی پلایا وہ دیر تک مجھسے باتین کرتا رہا اُس نے مجھسے خود ہی کہا کہ میرا دربار مین رسوخ ہے تمکو ملازم کرا سکتا ہون ۔ وہ مجھ سے بہت دیر تک گفتگو کرتا رہا مگر روانگی کے وقت اُس نے اسقدر عجلت کی کہ اپنا نام و نشان کچھ نہین بتلایا ۔ صرف یہ کہا کہ اسکو لیکر دربار مین آجانا مین تمکو خود تلاش کرلون گا ۔ قبلہ اُم مجکو انگوٹھی اور دینے والے کا خیال ہی نہین رہا ۔ مین آج ہی جاکراُس

کو انگشتری واپس کردون گا۔

" ہان جاؤ۔ ایسا بھی کیا شکار کا خبط کہ اتنے دنون تک بھول گئے خیر جلد جاؤ اگر کسی امیر کی چیز ہے اور اُسکو واپس نہونے کا گمان ہوگیا تو مشکل ہوجائے گی۔

ساگر رائے ۔ مین نے نہایت ایمانداری سے اُسکو اپنا پتہ بتلا دیا تھا۔ تاہم مین ابھی سیدھا دربار کو جاتا ہون "

ساگر رائے نے قلعہ دار کو انگوٹھی دکھلائی اُس نے نہایت استعجاب اُسکو دیکھا۔ پھر اُسکو ہمراہ لیکر دربار عام تک پہنچا کر لوٹ آیا۔ بہت بڑے چبوترہ کے نیچے زنگی سپاہیون کا دستہ ننگی تلوارون سے پہرہ دے رہا تھا۔ اُن کا سردار آگے کھڑا تھا۔ ساگر رائے نے اُسکو انگوٹھی دکھائی اُس نے سر جھکا لیا اور راستہ چھوڑکر علیحدہ کھڑا ہوگیا۔ ساگر رائے اوپر چڑھ گیا اور آگے جانے کو ہی تھا کہ ایک راجپوت سپاہی نے اُسکو روکا اور پوچھا کہ تم کون ہو۔

ساگر رائے نے جلدی سے انگوٹھی پیش کی اور کہا کہ اس کے مالک کی تلاش ہے۔

راجپوت ۔ مالک کی تلاش ہے۔ کیا کہین راستہ مین پڑی ملی تھی۔

ساگر رائے ۔ نہین مالک نے خود دی تھی اور اس کی ہدایت کے بموجب سی کو دیجاویگی۔

راجپوت ۔ " تمکو معلوم ہے یہ کس کی ہے ؟ "

ساگر رائے ۔ " نہین مین نام نہین جانتا۔ وہ دربار مین آتے ہین اُن کو تلاش کرلون گا "

راجپوت نے ہنسکر کہا جاؤ تمہین اُس کے ڈھونڈھنے مین دقت نہ ہوگی۔

ساگر رائے دیوان عام مین داخل ہوا وسیع سنگ مرمر کی عمارت اُس پر سنہری اور رنگ برنگ کی میناکاری کا کام درمیانی ہال کے دائین بائین بڑے بڑے ستونون کے فانوس لگے ہوئے تھے ستونون پر جواہرات کی پچیکاری اور ہر ایک ستون کے متوازی ایک ایک افسر شمشیر برہنہ لیے ہوئے صمّ بکمّ کھڑا ہوا تھا۔ دیوان مین سیکڑون زرق و برق سنہری پوشاکین پہنے ہوئے کھڑے تھے سب کی نظرین زمین پر گڑی ہوئین تھین۔ بس اُسکو سکتہ سا ہوگیا۔ وہ رُکا اور حواس بجا کیے جرأت کرکے ادھر اودھر دیکھا جنگل والا سوار دکھلائی نہین دیا۔

پھر کوشش کی اور کمر ہمت باندھی اور آگے بڑھا۔ اب نظارہ ہی دوسرا تھا وہ ایک سونے

کے کٹھرہ کے پاس پہنچگیا جسکے قریب چار زنگی سپاہی آبنوس کے کندے آنکھون سے خون برستا ہو تیغ بڑھنہ کئے کھڑے تھے کٹھرہ کے اندر ایک اونچا سنگ مرمر کا تخت جسپر اسقدر جواہرات جڑے تھے کہ نظر چوندھیائی تھی رکھا تھا اس تخت کے جانب راست سنگ مرمر کی چوکی پر سنہری کلغی لگائے نہایت قیمتی قبا پہنے ہندوستان کا وزیر اعظم کھڑا ہوا لوگون سے عرضداشتین لے لیکر مطالعہ کرتا جاتا تھا اور تخت نشین کو سنا کر احکام جاری کر رہا تھا۔ ابھی ساگر رائے کی نگاہ اوپر کو نہین اٹھی تھی کہ اسکا بدن پسینہ مین تر ہو گیا وہ اس نظارہ کی تاب نہ لاسکا عضو عضو مین رعشہ پڑگیا۔ پیر نہین جمتے تھے استقلال ہاتھ سے جاتا رہا۔ لوٹنے کا عزم کیا کہ اوپر سے آواز آئی

"ساگر رائے کسکو ڈھونڈھتے ہو؟ اتنے دن سے کہان تھے؟"

ساگر رائے نے اوپر دیکھا کہ ہندوستان کا تاجدار شہنشاہ جلال الدین محمد اکبر شاہ بادشاہ اسکی حیرت اور پریشانی پر مسکرا رہا تھا۔ یہ دیکھکر اسکو سکتہ ہو گیا زمین پاؤن کے نیچے سے نکل گئی دماغ چکرا گیا اسکی زبان سے صرف اسقدر نکلا "جنگل کا سوار ظل اللہ جل جلالہٗ"

اُس نے سنہرے کٹھرے کو پکڑ لیا اور عالم بیخودی مین سر جھکا کر کھڑا ہو گیا۔

پھر آواز آئی "سودائی بولتے کیون نہین؟"

ساگر رائے نے ذرا جرأت سے کام لیکر بمشکل کہا "جہان پناہ اُس روز کی بے تکلفی نہین نہین گستاخی کی سزا قتل کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے"

"نہین نہین۔ جو لطف صحبت ہمکو اُس روز جنگل مین تمہاری بیباکانہ اور بے تکلفانہ گفتگو مین حاصل ہوا تھا اُسکا مزہ ابتک یاد ہے اپنا نب کی نگاہین تمکو روز دربار مین تلاش کر لیا کرتی تھین"

ساگر رائے "قزنا کی آواز۔ جہان پناہ کی عجلت اُسکا راز اب سمجھا۔ بادشاہ۔ سودائی یا ہمکو بتلاؤ وہ کونسا سودا ہے جسکا ارمان فکر رزق سے بھی تمکو سوا ہے۔ سنو ہمارا فرمان ہے تمنے ہمارے تشنہ لبون کو تر کیا تھا۔ ہم تمہارے نخل آرزو کو سیراب کرینگے۔

ساگر رائے۔ عالیجاہا وہ دردانگیز قصہ بہت طول ہے۔

بادشاہ "کہو ہمکو اشتیاق ہے"

ساگر رائے - جہان پناہ - فدوی قصبہ کوتانہ کا باشندہ ہے - میرے اجداد اُس قصبہ کی نصف زمینداری کے مالک تھے اور نصف کے زوّح میرے بزرگون کی اقبالمندی ان کے آنکھون مین خار تھی ایک موقع پر حملۂ اہلِ خاندان بسلسلۂ تقریبات جمع تھے روحون نے سب کو عوکیا اپنی چوپال مین بلوا کر محفلِ رقص و سرود مین محو کیا اول ان سب کو دھوکہ سے پیغامِ اجل دیا پھر مکانون مین بقیہ زن و بچون کو قتل کیا مکانات کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا - جان نثار پر وہت ذیبری حالمان کو بڑی کوشش اور سعی سے صحیح و سلامت نکالا - ساٹھ ستّر میل کی پیدل مسافت اور صعوبت کے بعد میرے نانا کے سپرد کیا مین پیدا ہوا تو نانا نے پالا پرورش کیا - اب مین بڑا ہوا - ہوش آیا - وہ قصہ سنتا ہون تو دل تڑپ اُٹھتا ہے - دشمن میرے آباؤ اجداد کے ملک کے مالک ہین - جہان پناہ یہ سودائے انتقام ہے جو میرے سر پر سوار ہے -

بادشاہ - افسوس ہمارے عہدِ حکومت مین ایسے ایسے مظالم ہون اور نظر انداز ہو جائین داؤد خان گرجی! اپنے دستہ کے ہزار سوار ساگر رائے کے سپرد کرو - وہ تا حکم ثانی اُسکے تابع حکم رہین گے ؟

ساگر رائے - جاؤ اور اپنے بزرگون کا خونبہا لو -

(۵)

اکیس برس کے بعد قصبہ کوتانہ پھر منظرِ گشت و خون بن رہا ہے اگر فرق ہے تو صرف اس قدر کہ پہلے شبکو خون بہا تھا اب دن دہاڑے قتل عام ہو رہا ہے شاہی فوج قتل کے ساتھ ساتھ مکانون کو لوٹ لوٹ کر آگ لگا رہی ہے مرد عورت بچہ خاک و خون مین ملائے لجا رہے ہین - ساگر رائے گھوڑے پہ سوار ہے - علم شاہی اُسکے ہاتھ مین ہے آنکھون سے خون برس رہا ہے اور چہرہ سے غیظ و غضب نہ حکم ہے کہ جو ملے قتل کر دو - جو بھاگے پکڑ لو اور مار ڈالو مکانون کو جلا دو کل قصبہ کو ویران کر دو اس منحوس خطہ کا اونے نشان بھی میرے سینہ کا خار رہے گا - فوج ساگر رائے کی حکم کی تعمیل کر رہی ہے چیخ و پکار آہ و بکا کی صدائین آ رہی ہین لیکن انتقام کے سودائی کی تلوار خون آشام نیام مین نہین جاتی -

ایک بڑھا سفید مو - نیم برہنہ - کمر خمیدہ برہمن ساگر رائے کے گھوڑے کے سامنے آکر کھڑا

ہو گیا اور بولا۔

"دھرم مورت بہت بدلے لیا۔ اب چھاکر ودکے گنہگار ختم ہو گئے اب سب بے گناہ ہین"

ساگر رائے۔ ذلیل بھک منگے ہٹ جا۔ دخل اندازی مت کر تیرا حشر بھی یہی ہونے والا ہے۔

برہمن۔ دھرماتما۔ مرنے کی پرواہ ہی کسکو ہے مین بہت جی چکا ہون تمکو پاپ سے بچانا مقصود تھا جو تمنے اب تک کیا ہے وہ تمہارا فرض تہا یا انتقام اس سے تمہارے پرکھون کی روح کو شانتی ہوگی۔ اب جو کروگے وہ پاپ ہوگا۔

ساگر رائے۔ ارے برہمن مت بک آج مجکو اپدیش دیتا ہے۔ اُس دن جب میرے بزرگ گاجر مولی کی طرح کاٹے جارہے تھے اُسوقت تیری برہم آتما کہان چلی گئی تھی۔؟

برہمن نے آہستہ سے کہا۔ تمہاری ماں کے ہمراہ اُسکی اور تمہاری جان بچانے کے لیے۔

شاہی علم ہاتھ سے گر گیا۔ ساگر رائے کی آنکھین کھل گئین گھوڑے پر سے کود پڑا۔ نیم برہنہ برہمن کے قدمون پر گر پڑا۔

قتل عام بند ہو گیا۔ امان کا جھنڈا لہرانے لگا۔

کایستھون کی تباہی کیساتھ پروہت جی کی پروھتائی بھی ختم ہو چکی تھی عسرت اور غربت مین بسر کر رہے تھے آج لکشمی جی ان کے گھر مین آگئین۔ پورے قصبہ کے زمیندار بن گئے۔

ساگر رائے دہلی لوٹے۔ قصبہ کوتانہ مین قطعی آب و دانہ نہین کیا اکبر بادشاہ نے کارگزاری کی داد دی خلعت فاخرہ کے علاوہ رائے پیچ پال (دُھن کا پکّا) کا خطاب اور چار مواضعات کی زمینداری اور دو موضع کی جاگیر عطا فرمائی۔

ساڑھے تین سو برس ہو گئے نہ اکبر ہے اور نہ رائے ساگر رائے لیکن رائے ساگر رائے کی اولاد کی پاس یادگارین آجتک موجود ہین۔ اوّل وصیت نامہ رائے پیچ پال جسکے رو سے قصبہ کوتانہ کا آب و دانہ اور تیوہار دیوالی بند ہے دوسرا فرمان شاہی جس کی بدولت موضع پیپرہ کی زمینداری اور قاضی پورہ کی جاگیر جو خاندان رائے ساگر رائے کے تمول اور فارغ البالی کی زندہ مثال ہین اول الذکر یادگار سانحۂ ظلم ہے اور آخر الذکر یادگار عطیۂ شاہی۔ مگر یہ سب کسکی بدولت صرف "دو گھونٹ پانی" کے طفیل ہین۔

بھگوت سروپ

دیوان نوشاد

بزم اردو کا وہ دور بھی دنیائے شاعری میں یادگار رہے گا جب امیر، داغ، جلال، تسلیم وغیرہ جیسے اُستادان فن اپنے پرکیف نغموں سے ساری محفل کو سرشار و مخمور بناتے رہتے تھے اِس دور میں اودہ اور نواح اودہ کے بعض امرا بھی اُردو شاعری کی سرپرستی کی طرف مائل تھے۔ انھیں معدودے چند قدردانوں میں راجہ نوشاد علیخان صاحب مرحوم تعلقدار میلارائے گنج ضلع بارہ بنکی بھی تھے آپ خود بھی شعر کہتے تھے اور ناز کخیال شعرا کی قدردانی بھی فرماتے تھے۔ فطرت نے آپ کو وزور طمع اور نازکخیال طبیعت عطا فرمائی تھی۔ آپ کی بعض بعض غزلیں اسقدر مقبول عام ہوئیں کہ برسوں ارباب نشاط کی زبانوں پر ہیں۔ اور انقلاب زمانہ کے باوجود اب بھی انھیں قبول عام کی سند حاصل ہے مثلاً ان کی یہ نعتیہ غزل بہت مشہور ہے۔

میں سو جاؤں یا مصطفٰے کہتے کہتے — کھلے آنکھ صل علےٰ کہتے کہتے

حال میں راجہ محمد اعجاز رسول خان صاحب تعلقدار ریاست جہانگیر آباد نے ایک مجموعہ کلام بہ دیوان نوشاد کے نام سے شایع کیا ہے۔ اور اُسکے شروع میں ایک فاضلانہ مقدمہ تحریر فرمایا ہے۔ جسمیں راجہ نوشاد علیخان صاحب مرحوم کی مختصر سوانح عمری تحریر کرنے کے علاوہ مرحوم کے کلام پر نقادانہ تبصرہ بھی کیا ہے۔

دیوان نوشاد میں اکثر اشعار ایسے نظر آتے ہیں جن سے راجہ نوشاد علیخان صاحب مرحوم کی مشق سخن کا اندازہ ہوتا ہے۔ مثلاً

کچھ عجب عالم نظر آتا ہے تا حد نظر — جسکو وحشت ہو وہ دیکھے آکے ویرانہ مرا

اُٹھکے مسجد سے گیا کعبے کو سید جا زاہد — ہم کہاں جائینگے نکلینگے جو میخانے سے

اگر آئے ہو گلشن مین لحد پر نامرادون کی　　　چڑھا دو چن کے جتنی بے کھلی کلیان ہین گلشن مین

نامرادون کی قبر کے لئے بے کھلی کلیون کا انتخاب کسقدر لطیف ہے ۔

اکثر اشعار مین، وہ عاشقانہ رنگ جھلکتا ہے جو اس دور کی نمایان خصوصیت تھی۔ مثلاً

اُٹھتے جوبن کی ادا اور غضب ڈھاتی ہے　　　سینہ تن جاتا ہے ظالم کا جو انگڑائی مین

وصل کی شب ہے مئے عشق سے دل چور رہے　　　آپ سے شرم جدا مجھ سے ادب دور رہے

لیکن اس شوخ رنگ مین بھی انداز بیان کی سلاست قابل داد ہے ۔ ذیل کے شعر مین دوسرے مصرعے کی طرز ادا نے محاکات کا رنگ پیدا کر دیا ہے ۔

گردن مین باہین ڈالنے پر پہلے بگڑے وہ　　　پھر بولے خیر ہاتھ جہان ہے وہین رہے

اگرچہ یہ رنگ اب پسندیدہ نہین سمجھا جاتا۔ لیکن جس دور مین جناب نوشاد کی شاعری نشو ونما پا رہی تھی ۔ اِس زمانے مین اس قسم کے خیالات ابتذال سے پاک خیال کئے جاتے تھے ۔ بہرحال دیوان نوشاد شعر و سخن کا ایک دل خوش کن مرقع ہے اور اسلئے اور بھی قابل قدر ہے کہ اودھ کے اس رئیس کی یادگار ہے جو اُردو شاعری کا دلدادہ تھا ۔ کاغذ عمدہ کتابت وطباعت دیدہ زیب حجم ۱۴۱ صفحہ ۔

بیداری ہند[1] حصہ اوّل

لالہ متصدی لال ہندی نے مہاتما گاندھی کے ان تمام مضامین کا ترجمہ جو ینگ انڈیا مین سنہ ۱۹۱۹ء سے لیکر سنہ ۱۹۲۲ء تک شائع ہوئے تھے کتابی صورت مین شایع کیا ہے اور اس کتاب کا نام بیداری ہند رکھا ہے ۔

بیداری ہند کے شروع مین مہاتما گاندھی کے سوانحی حالات تحریر ہین ۔ اسکے بعد مہاتما گاندھی کے متعلق دنیا کے بعض مشاہیر کی رائین درج ہین ہمارے خیال مین جسطرح مہاتما گاندھی کی شخصیت تعریف و ستایش سے مستغنی ہے اسی طرح ان کے اقوال و مضامین تمہید و تنقید کے محتاج نہین جو لوگ مہاتما گاندھی کی سچی تعلیمات کے دلدادہ ہین انھین ضرور بیداری ہند کا مطالعہ کرنا چاہیے کاغذ عمدہ کتابت وطباعت دیدہ زیب حجم ۲۰۰ صفحہ قیمت دو روپیہ ۔

---

[1] ملنے کا پتہ ۔ دارالاشاعت بیداری ہند میرٹھ

اساس التعلیم[1]

یہ کتاب مولوی محمد عبدالحق صاحب بی۔ اے ایل۔ ایل بی منصف لکھنؤ نے چھوٹے بچون کی تعلیم وتربیت کے متعلق لکھی ہے اسکے مفید مضامین سات باب مین ختم ہوئے ہین زبان پاکیزہ اور انداز بیان بہت سلیس ہے حجم ۲۷۷ صفحہ قیمت دو روپیہ۔

مبادی[2] اُردو المعروف بہ قواعد فریدیہ حصہ اول و دوم

یہ رسالہ بھی مولوی عبدالحق صاحب بی۔ اے۔ ایل۔ ایل بی ایڈیشنل سب جج لکھنؤ نے بچّون کی تعلیم کے متعلق مرتب فرمائے ہین۔ اسمین بچّون کے حرف شناس کرانے اور حرفون کو ملاکر پڑھنے کے آسان قاعدے درج ہین دوسرے حصّے مین حرفون کی جوڑ کو سرخ روشنائی سے نمایان کردیا ہے تاکہ بچّے بہ آسانی سمجھ سکین ہمارے خیال مین یہ رسالے بچون کی ابتدائی تعلیم کے لیے بہت مفید ثابت ہونگے شائقین حضرات مصنّف سے طلب فرمائین۔

لازمی[1] ابتدائی تعلیم

اس رسالہ کے مصنف منشی میوارام صاحب بی۔ آے (سابق انسپکٹر مدارس صوبجات متحدہ) ہین اسمین مختلف پیشون مین علم کی ضرورت ثابت کی ہے۔ آخر مین تعلیم کے متعلق چند معزز حضرات کی رائین بھی پیش کی ہین اس رسالہ کے مطالعہ سے تعلیمی ضروریات کی اہمیت کا بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے تقطیع چھوٹی حجم ۴۲ صفحہ قیمت ۶/

پیارے[3] دیور

اس نتیجہ خیز ڈرامے کے مصنف حافظ عبداللہ صاحب شرر ہین آپ نے بعض بنگالی ڈرامون کے پلاٹ پر اس ڈرامے کی بنیاد رکھی ہے اور اردو کے پرانے ڈرامون کی تقلید سے اپنا دامن بچانے کی کوشش کی ہے۔ اسمین نہ مقفّےٰ عبارت ہے اور نہ بیموقع ترانون اور غزلون کی بھرمار اور اسی وجہ سے یہ ڈرامہ دلکش بھی ہے اور نتیجہ خیز بھی زبان وبیان کے لحاظ سے بھی اسکا درجہ کچھ کم نہین قصّہ بھی دلچسپ ہے۔ حجم ۲۶۰ صفحہ قیمت ایک روپیہ چار آنہ۔

---

[1] پتہ: ناظر بک ایجنسی لکھنؤ۔ [2] پتہ: منشی شانتی کا صاحب شانتی نواس۔ ہیوٹ روڈ لکھنؤ۔
[3] ملنے کا پتہ: محمد یعقوب صاحب پنجاب فائن آرٹ پریس گنگادھر لین (بہو بازار) کلکتہ۔

دنیائے افسانہ[1]

اس کتاب مین محمد عبدالقادر صاحب سروری بی۔اے نے افسانہ نگاری پر مکمل و جامع تبصرہ کیا ہے اور مختلف عنوانات کے تحت مین اردو کے افسانہ نگارون اور ناولسٹون کے متعلق اپنی نقادانہ رائے کا اظہار کیا ہے۔ اس کتاب کے بعض مضامین اس سے پہلے مختلف ادبی رسالون مین شایع ہو چکے ہین جن کے متعلق مصنف موصوف نے اپنے نوٹ مین اعلان بھی کر دیا ہے۔ مجموعی حیثیت سے یہ کتاب افسانہ نگاری کی تاریخ کہی جا سکتی ہے۔ کاغذ عمدہ کتابت و طباعت نفیس حجم ۲۱۰ صفحہ قیمت ایک روپیہ چار آنہ۔

فسانۂ جوش[2]

اس کتاب مین مسٹر سلطان حیدر جوش کے وہ مضامین جمع کئے گئے ہین جو رسالہ الناظر لکھنؤ کے گزشتہ پرچون مین شایع ہو چکے ہین۔

جناب جوش ایک خاص طرز تحریر کے مالک ہین جسمین ظرافت کی سحر کاری سے معنوی محاسن چمک اٹھتے ہین۔ اگر ادب لطیف کے ساتھ ساتھ سنجیدہ ظرافت کی شوخیان دیکھنا ہون تو ضرور فسانۂ جوش کا مطالعہ کیجیے۔ حجم ۲۰۴ صفحہ قیمت ایک روپیہ۔

حکایات و احساسات[3]

یہ کتاب ہمارے مکرم اور اردو کے مشہور انشا پرداز سید سجاد حیدر صاحب بی۔اے رجسٹرار مسلم یونیورسٹی کے چند مختصر افسانون اور مضامین کا مجموعہ ہے۔ سید سجاد حیدر صاحب کی انشا پردازی کسی تمہید و تعریف کی محتاج نہین۔ آپکی تحریرین ناظرین سے اپنی تعریف آپ کرا لیتی ہین۔ ہمین صرف اتنا کہنا ہے کہ یہ کتاب حقیقی معنون مین ایک جلوہ گاہ ادب ہے۔ جہان معنویت ادب لطیف کے آغوش مین کھیلتی ہوئی نظر آتی ہے۔ کتابت و طباعت دیدہ زیب حجم ۲۳۶ صفحہ قیمت فی جلد ایک روپیہ چار آنہ ہے۔

---

[1] ملنے کا پتہ۔ مکتبہ ابراہیمیہ اتحادی اسٹیشن روڈ۔ حیدرآباد دکن۔

[2] " الناظر پریس لکھنؤ۔

[3] " منیجر صاحب مسلم یونیورسٹی علیگڈھ۔

انیس حرفی قاعدہ

اس قاعدے کے مرتب منشی مقصود حسن صاحب ہین آپ نے اسمین اُردو حروف تہجی مین سے صرف ۱۹ حروف لیے ہین اور متشابہ حرفون کو چھوڑ دیا ہے مثلاً "ب، پ، ت کو حروف تہجی مین شامل کرلیا ہے اور ٹ۔ ث۔ کو چھوڑ دیا ہے۔ اسی طرح ج، چ کو لیا ہے اور ح، خ کو نظر انداز کردیا ہے۔ مولف موصوف کا خیال ہے کہ اس صورت مین بچّون کو آسانی ہوگی۔ لیکن اگر حروف کا کم ہونا آسانی کی دلیل ہے تو پھر "پ ت" کو بھی چھوڑ دینا چاہیے تھا۔ آگے چلکر جس طرح بچّہ ٹ اور ث کو سمجھ جائے گا۔ اسی طرح پ اور ت کو بھی جان لیگا۔ یہی بحث "ح اور خ" کے متعلق بھی ہے۔ اسکے علاوہ انیس حرفی کی شرط بھی عجیب ہے۔ حالانکہ جملہ قاعدے آپ نے اٹھارہ حروف پر ترتیب دیئے ہین ہان صرف پہلے قاعدے مین "ھ" کے نیچے "ﻻ" بھی لکھدیا ہے۔ اگر اسے بھی شمار مین رکھئے تو انیس حرف پورے ہوجاتے ہین۔ اس قاعدے کی ترتیب مین بھی سوائے اختصار کے کوئی بات ایسی نہین جس سے بچّون کے سمجھنے مین کوئی خاص آسانی ہوتا البتہ یہ خصوصیت ضرور ہے کہ حروف مفرد اور مرکّب دونون طریقون سے جلی لکھے گئے ہین جس سے بچّون کو کچھ سہولت ہوسکتی ہے اس قاعدے کے تین حصّے ہین اور ایک ہی جلد مین تینون حصّے شامل ہین۔ ہر حصّے کی ضخامت ۱۶ صفحے ہے تقطیع چھوٹی قیمت ہر سہ حصّہ تین آنہ۔ ملنے کا پتہ حسن برادرس احاطہ بابو لکھن لال شہر جھانسی؛

احمد خان عزیزہ یا نقض عہد

یہ ایک دلکش و سبق آموز ناول ہے جسکو آقا محمد کرمانی بی۔ اے۔ مدرس فارسی مدرسہ عالیہ (نظام کالج حیدرآباد دکن) نے ایران کی مروّجہ زبان مین تحریر کیا ہے قصّہ نہایت دلچسپ و نصیحت خیز ہے۔ جو لوگ فارسی زبان کی حلاوت سے آشنا ہین۔ ان کے لیے اس کتاب کا مطالعہ بہت دلچسپ ہوگا۔ کالج کے طلبا بھی اسکے مطالعہ سے فائدہ اٹھا سکتے ہین اور انھین فارسی کے جدید محاورات پر عبور حاصل ہوسکتا ہے۔ کاغذ عمدہ کتابت طباعت دیدہ زیب حجم ۱۸۴ صفحہ قیمت عمر شائقین جناب مصنّف سے طلب فرمائین۔

"اعظمی"

جوشِ بہار

گھرا ہوا اسیرِ فلک جو ابر قطرہ بار ہے — خزان پر اوس پڑ گئی چمن چمن بہار ہے
گلون کے روئے صاف پر کمال کا نکھار ہے — ورق ورق ہے خوشنما۔ نظر نظر نثار ہے

جمی تھی برگ برگ پر جو گرد اب وہ دھل گئی
کلی کلی نکھر گئی۔ گرہ دلون کی کھل گئی

.کا آشکار ہے بساطِ خاک سے نشان — بچھا ہے فرشِ مخملی گیاہِ نو سے ہے عیان؟
ل رہی ہے لعل اب زمین باغ بیگمان — روش روش کھلے ہین گل چمن ہے روکشِ جنان؟

کلی ہے نیم وا کوئی، دلھن ہے یا حجاب مین
کھلا ہوا ہے نیم رخ، ہے نیم رخ نقاب مین

,ہا ہے بجلیان، چنارِ شعلہ رو کہین — ضیا فگن ہے نیلوفر میان آب جو کہین
ئے زیب شاخ ہے گلِ شگفتہ رو کہین — بسی ہوئی ہے عطر مین صبائے مشکبو کہین

بنا ہے تختۂ چمن مجسمہ بہار کا
شگفتگی کا دور ہے سمان ہے برگ و بار کا

، رہی ہے تازگی شجر بھی سبز پوش ہین — خزان مین لٹ چکے تھے جو وہ آج گلفروش ہین
کا شباب ہے، نہال عیش کوش ہین — نئی نئی مسرتین، دلون مین تازہ جوش ہین

رہین شغل میکشی ہر ایک مے پرست ہے
سرور چیرہ دست ہے، خمار کو شکست ہے

ے خود ہر ایک گل ہے فرد آب و تاب مین — صفا جو نسترن مین ہے شگفتگی گلاب مین
ے دلفریب ہے، بنفشہ خوش آب مین — سمن ہے مست نشۂ جمالِ لاجواب مین

نگاہِ انتخاب کو عجیب قیل و قال ہے
مسرت کسی پہ دے کسے جو ہے سو ہمثال ہے

ہوا کی جنبشوں سے گل برس رہے ہین پے بہ پے — شگوفہ ریز ہین شجر کہ ڈھل رہے ہین جام مے
سرور خیز کسقدر چمن کی ہے ہر ایک شے — ترانۂ ہزار ہے خجل کنِ نوائے نے

چٹک مین غنچے کی اثر صدائے جانفزا کا ہے
تبسّم لطیف مین یہ شائبہ حیا کا ہے

کرشمۂ بہار ہے کہ نخلِ گلبدن بنے — یہ زینتین ہوئی ہین کھڑے ہین سب دلھن بنے
یہ فیض برشگال ہے کہ خاک سے چمن بنے — یہ رحمتِ کریم ہے کہ غیرتِ عدن بنے

ضیا مین مثلِ برق ہے ادائے دلفریب گل
کہ جنتِ نگاہ ہے جمالِ دیدہ زیب گل

برق دہلوی بی-اے

رباعیات اثر

جان وقفِ طلبگاریٔ جانان کر دے — دل نذر نگاہ فتنہ سامان کر دے
احساس حیات و مرگ سے بالا ہو — جمعیتِ خاطر کو پریشان کر دے

گلہائے چمن اور چمن کے دشمن — احرار وطن اور وطن کے دشمن
پھر کیون نہ بھری بزم مین رسوائی ہو — پروانے ہون جب شمع لگن کے دشمن

جب تیرے غمِ عشق مین دیوانہ ہوا — جو دل کبھی آباد تھا ویرانہ ہوا
حیرت نے کی آئینہ بندی ہر سو — کعبہ ہوا کبھی سے صنمخانہ ہوا

مرزا جعفر علیخان اثر لکھنوی

سلام

(از حضرت عرش امروہوی)

غم شہ سے بڑھا یہ جوش اشکون کی روانی مین — مرے چشمون کا پانی جا ملا کوثر کے پانی مین

گلوئے شاہ کاٹا شمر نے تشنہ دہانی مین — ڈبو دی کشتی آل نبی خنجر کے پانی مین

جواب خط تو لکھنے کی کہان فرصت تھی سرور کو — مگر بیمار کو خاکِ شفا بھیجی نشانی مین

علی اکبر کی صورت دیکھکر اعدا یہ کہتے تھے — تجھے کس دل سے بھیجا شہ نے مرنے کو جوانی مین

ضیاء عارض عباس نے بخشی ہے ضو ایسی — مثال آئینہ صورت نظر آتی ہے پانی مین

کہا عابد نے اعدا سے نقاہت کیا ستائیگی — خیال بخشش اُمت عصا ہے ناتوانی مین

علی اصغر نے اعدا کو زبانِ خشک دکھلا کر — کہی سب حالت تشنہ دہانی بے زبانی مین

چمکتے پاکی لہرون مین ہے تیغ بازوئے شہ کے — خدا کی شان دیکھو کوندتی ہے برق پانی مین

زمانہ مین شہ والا نہ دم بھر چین سے بیٹھے — سہی ایذا ضعیفی مین لڑکپن مین جوانی مین

علیؑ کی مدح مین اے عرش ملتی ہے عجب لذت
حلاوت زندگی کی ہے اسی شیرین بیانی مین

عرش امروہوی

رُباعی

اس ماہ مین انتہا الم کی نہ رہی — سادات کے گھر نام کو شادی نہ رہی

گرمی مین سنا دل سے جو ذکر غم شاہ — سرد آہین بھرین ایسی کہ گرمی نہ رہی

عرش

گورِ غریبان کی ایک رات

نمودِ شام سے کیسا یہ طوفان یک بیک اُٹھا
گُلِ لالہ برنگِ شعلۂ آتش بھڑک اُٹھا

چڑھا آتا ہے سر پہ چرخ بحرِ نیلگون ہو کر
شفق لہراتی اس بحر مین اِک موجِ خون ہو کر

غبارِ شہرِ خاموشان لگا اُڑنے دھوان ہو کر
شبِ تاریک مین پھرتی ہے وحشت پاسبان ہو کر

وہ دہشتناک نظارے وہ ڈھنگِ شامِ تنہائی
کہ سایہ بھی درختون کا بنا ہے غولِ صحرائی

سرِ گورِ غریبان کیسا سنّاٹے کا عالم ہے
اندھیری رات مین صرصر فقط سرگرمِ ماتم ہے

بتائے کون مجکو ماجرائے رازِ روپوشی
وہان گورِ پہ بھی تو لگی ہے مہرِ خاموشی

شکستہ مقبرون سے اِک عجب عبرت برستی ہے
عدم کا بیشۂ ویران ہے یا بازارِ ہستی ہے

ہوائے تند چلتی ہے ستارے جھلملاتے ہین
وہ ہر سو خاک اُڑاتی ہے تو یہ آنکھین دکھاتے ہین

اندھیرا ہے خموشی ہے زمین پر خوف طاری ہے
نہ آوازین خوشی کی ہین نہ شورِ آہ و زاری ہے

کسیکو کیا غرض آئے جو اس میدانِ ہیبت مین
دلِ دزدِ کفن بھی سہم جائے ایسی حالت مین

شبِ تاریک آخر رنگِ کافورِ کفن لائی
لیے اِک منظرِ حسرت شبِ غم کی سحر آئی

ہوا بیدار سبزہ تھا جو محوِ خواب تربت پر
تصدق ہونے آئی صبحِ محشر شامِ غربت پر

سرِ گورِ غریبان اکدن مین نے کہا رو کر
مری تو دیکھتے ہی دیکھتے حالت ہوئی ابتر

مگر صد آفرین اے ساکنانِ شہرِ خاموشان
بتاؤ تو یہان رہتے ہو کیونکر بے سر و سامان

ندا غیب سے آئی "کہ اے پرواز چپ ہو جا
یہی شہرِ خموشان کا ہے مخفی راز چپ ہو جا

بشیر الحسن خان پرواز حصاری

دلِ ناکام

اے دل تو کسلیئے ہے پریشان آرزو — مطلوب تیرا کون ہے کسکی ہے جستجو
دن رات کس سے رہتا ہے سرگرم گفتگو — جاری ہے تیری چشمِ تمنا سے کیون لہو
کیا ہوگیا ہے زخمیٔ تیغ نگاہ تو

مضطر ہے اس قدر تو دلِ بیقرار کیون — کھوتا ہے اپنی جان کو پروانہ وار کیون
آٹھون پہر لرزتا ہے مثلِ شرار کیون — شبنم کی طرح تو ہے عبث اشکبار کیون
کیا ہوگیا ہے زخمیٔ تیغ نگاہ تو

سچ سچ بتا دے مجھکو یہ آزار کیون ہوا — منت پذیر دیدۂ خونبار کیون ہوا
آخر تو اپنی زیست سے بیزار کیون ہوا — بیٹھے بٹھائے عشق کا آزار کیون ہوا
کیا ہوگیا ہے زخمیٔ تیغِ نگاہ تو

حالت کو اپنی دیکھ تو اے محوِ دیدِ حُسن — یہ مین بھی جانتا ہون کہ تو ہے مریدِ حُسن
مایوس اس قدر نہوا و نا اُمیدِ حُسن — ڈر ہے کہ ہو نہ جائے کہین تو شہیدِ حُسن
کیا ہوگیا ہے زخمیٔ تیغِ نگاہ تو

تو کیون جنونِ عشق ہے سر مین لیے ہوئے — سیلابِ غم ہے دیدۂ تر مین لیے ہوئے
اک سوزشِ نہان ہے جگر مین لیے ہوئے — تصویر کس کی ہے یہ نظر مین لیے ہوئے
کیا ہوگیا ہے زخمیٔ تیغِ نگاہ تو

کیسا الم ہے تجھکو یہ کیا تیرا حال ہے — اے جان بلب مریض سنبھلنا محال ہے
پہلو مین کیون لیے ہوئے شوقِ وصال ہے — غافل یہ کچھ نہین ہے فریبِ خیال ہے
کیا ہوگیا ہے زخمیٔ تیغِ نگاہ تو

شیام سنگھ بجنوری

عشق اور موت

۱- ایک پرانے کمرے مین
ہلکی ہلکی روشنی تھی
چھڑا ہوا تھا ساز طرب
تم بیٹھے تھے جہان گویا
اک تصویر حیات کی تھی
اور یہ حیات کے عاشق کی
موت اک نغمہ گاتی تھی

۲- اب مین جانتا ہون تم تب
کیا سنتے تھے - کیون مڑ کر
میری طرف ہنس کر دیکھا
ایک اڑتے ہوئے طائر کے
اونچے پرون کی صدائین تھین
اوس سے تم خوش تھے - جیسے
سیر پسند اک بچہ ہو

۳- موت نے گایا " سو جاؤ
اپنے جنازے پر اور پھر
منھ کو اوٹھاؤ اوپر کو"
مجھسے کہا " تم ساتھ چلو
اور دیکھو آنسو نہ بہین
اک سچے عاشق کی طرح
رقص کرو اور گاتے چلو"

۴- اور بڑھے تم اشارون پر
اون دھندھلے پرون کی صداؤن کے
پھر بعد کو جب مین نے سنا
تم اس دنیا مین نہین ہو اب
مین رو نہ سکا، رونے کے بجائے
مین گاتا تھا یون ہی جیسے
اک سچا عاشق گاتا ہے

۵- آج بھی اک کمرے مین جہان
ہلکی ہلکی روشنی ہے
چھڑا ہوا ہے ساز طرب
تم جب آتے ہو - گویا
موت کی اک تصویر کی طرح
اور اک موت کے عاشق کی
نغمہ حیات اک گاتی ہے

(رگھوپت سہائے فراق)

لطفِ سخن

از مولوی وحید الدین سلیم پانی پتی

داستانِ رنگینیٔ دل کی رقم ہونے کو ہے
پھر تصور روکشِ باغِ ارم ہونے کو ہے

دل مین حسنِ بے نشان کو جلوہ گر پاتا ہون مین
مختصر اب قصۂ دیر و حرم ہونے کو ہے

نغمۂ خاموش چھیڑا کس نے دلکی بزم مین
دین و دنیا کا نہان اب زیر و بم ہونے کو ہے

سبزۂ بیگانہ بنکر پھر زمین سے سر نکال
گرچہ ہستی تیری پامالِ ستم ہونے کو ہے

نشۂ سرمایہ داری کیون نہ ہو جائے ہرن
کاسۂ مزدور بھی اب جامِ جم ہونے کو ہے

دیدۂ بیدار پر کیون تجھکو اے شبنم ہے ناز
تیری ہستی مایلِ خوابِ عدم ہونے کو ہے

شیخ کے دلمین جو چنگاری ہوس کی جا پڑی
خرمنِ ایمان بھی اب جلکر بھسم ہونے کو ہے

ہر تمنا از سرِ نو فتنہ زا ہونے لگی
دلمین سامانِ قیامت پھر بہم ہونے کو ہے

کس بلندی پر مجھے پہنچایا جذبِ عشق نے
اب فضائے لامکان زیرِ قدم ہونے کو ہے

ہاتھ ملتے مین نے گلچین کو کبھی دیکھا نہ تھا
کسکی شاخِ آرزو یارب قلم ہونے کو ہے

عقل کے جو مرحب و عنتر ہین کیون لرزہ مین ہین
ذوالفقارِ عشق شاید پھر علم ہونے کو ہے

از مرزا جعفر علیخان صاحب اثر لکھنوی

مژدہ اے دل تیرے خون ہونے کا ہنگام آگیا
دورِ آخر کے لیئے وہ دور مین جام آگیا

کسلئے تڑپون قفس مین مجھکو آرام آگیا
طائرِ گم آشیان ہون خود تہ دام آگیا

شوقِ دیدار امتحان کا تیرے ہنگام آگیا
وہ نقاب اُلٹے ہوئے کوئی سرِ بام آگیا

تیرہ بختانِ محبت اب سحر کی کیا اُمید
پیچ مین اُن گیسوؤن کے طرۂ شام آگیا

اللہ اللہ عیشِ رفتہ تیرے نشے کا خمار
اشک بھر آئے مسرت کا جہان نام آگیا

وہ ہجومِ یاس و حرماں وہ بلاؤں کا نزول
دلِ غریب آخر ستیزِ عشق میں کام آگیا

ہے تصرف یہ بھی ساقی کی نگاہِ مست کا
ہاتھ کانپا ہے نہ چھلکی تا لبِ جام آگیا

الاماں خطرے تری اے وادیٔ پُرخارِ عشق
جس جگہ دم لے لیا غفلت کا الزام آگیا

حد سے جب الجھن بڑھی اور چھا گئیں مایوسیاں
دل کے ہر پردے سے شور اُٹھا کہ پیغام آگیا

اے نگاہِ نازِ جاناں تیری خاطر کیا کروں
پرورش میں داغ کی سب خونِ دل کام آگیا

لاکھ نیت کی مگر واعظ اسے کیا کیجئے
جب خیالِ توبہ آیا سامنے جام آگیا

ہائے وہ محوِ تصور جو فریبِ شوق سے
حسرتِ پیغام کو سمجھا کہ پیغام آگیا

کچھ نہیں جز اشکِ حسرت ساز و برگِ عاشقی
شوقِ خوں گشتہ جو پیش آنا تھا انجام آگیا

دل نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہدیا یادش بخیر
جب زباں پر محویت میں آپ کا نام آگیا

سب کی محفل میں یہاں تک ذوقِ مستی تھا اثرؔ
جب لڑیں ساقی سے آنکھیں دور میں جام آگیا

از چودھری جگت موہن لال رواںؔ وکیل اناؤ

رواںؔ کسکو خبر عنوانِ آغازِ جہاں کیا تھا
زمیں کا کیا تھا نقشہ اور رنگِ آسماں کیا تھا

مقابل آئینے تھے انقلابِ بوستاں کیا تھا
بہارِ بےخزاں کا عکس تھا رنگِ خزاں کیا تھا

یہی ہستی۔ اسی ہستی کے کچھ ٹوٹے ہوئے رشتے
وگرنہ ایسا پردہ میرے ان کے درمیاں کیا تھا

ترا بخشا ہوا دل آہ پھر دل کی ہوس کاری
مرا اس میں قصور اے دستگیرِ عاصیاں کیا تھا

لیے بیٹھے ہیں اک چاکِ جگر ہم یادگار اُسکی
نہ پوچھو ہم سے اُس سفاک کا نام و نشاں کیا تھا

اطاعت آدمی کی آدمی کرنے پہ راضی ہو
یہ تیرا فیصلہ اے قادرِ کون و مکاں کیا تھا

ہم اتنے فاصلے پر آگئے ہیں عہدِ ماضی سے
خبر یہ بھی نہیں اجداد کا نام و نشاں کیا تھا

چمن میں رہ کے رودادِ چمن سے بے نیازی تھی
قفس میں آکے اب سمجھے کہ لطفِ آشیاں کیا تھا

کسی برقِ تجلّی پر ذرا سا غور کر لینا
اگر یہ جاننا ہو عالمِ روحِ رواں کیا تھا

از شیخ عبداللطیف صاحب تپش بی۔اے

دل ہوگیا نہال قدِ یار دیکھکر ۔۔۔ منصور باغ باغ ہوا دار دیکھکر
اے چشم تر یہ خوب نہین لن ترانیان ۔۔۔ موسے کی طرح تشنۂ دیدار دیکھکر
ہم اور تیرے روبرو شکرِ ستم کرین ۔۔۔ مجبور ہوگئے تجھے مختار دیکھکر
ظالم یہ ضد کہ ہاتھ ستم سے اُٹھا لیا ۔۔۔ مجھکو حریص لذتِ آزار دیکھکر
ضبطِ خلش کا کھو دیا وحشت نے اعتبار ۔۔۔ پھیلائے پاؤن وادیِ پرخار دیکھکر
سب بال و پر کی یاد فراموش ہوگئی ۔۔۔ دامِ وفا مین دلکو گرفتار دیکھکر
ساقی نے جام غیر کو لبریز کر دیا ۔۔۔ پیمانہ میری عمر کا سرشار دیکھکر
ظاہر ہوا ہے آج نزاکت کا فلسفہ ۔۔۔ اپنے گلے پہ آپکی تلوار دیکھکر

ہوجائے جذبِ دل نہ کہین نارسا تپش
آہین نہ کھینچ گیسوئے خم وار دیکھکر

از مسٹر محمود اختر (علیگ) میرٹھی

گفتگوئے وصل سو سو بار ہوکر رہ گئی ۔۔۔ میری قسمت خواب سے بیدار ہوکر رہ گئی
میکدہ مین دل لگی تھی شغلِ ہائے و نوش تھا ۔۔۔ صومعے مین زندگی بیکار ہوکر رہ گئی
نوک نشتر سے زیادہ تیز تھی ترچھی نگاہ ۔۔۔ اک اشارے مین جگر کے پار ہوکر رہ گئی
سحر تھا اعجاز تھا آنکھون کا ڈورے ڈالنا ۔۔۔ نرگسِ شہلا فقط بیمار ہوکر رہ گئی
میری آنکھین ڈھونڈھتی ہین پھر وہی رنگِ شباب ۔۔۔ جس کی سُرخی غازۂ رخسار ہوکر رہ گئی
جب یہ پوچھا کون ہے جلوہ گر دیر و کنشت ۔۔۔ اک معمہ۔ شیخ کی گفتار ہوکر رہ گئی
یون چمن آرا ہوئے جھونکے نسیم صبح کے ۔۔۔ ہر کلی اک پھول سا رخسار ہوکر رہ گئی
بوستان مین پھول اک ہلکا سا پیمانہ بنا ۔۔۔ اور شبنم بادۂ گلنار ہوکر رہ گئی

رات کے تارے بھی اختر ہجر مین گم ہوگئے
بیکسی میرے گلے کا ہار ہوکر رہ گئی

علمی خبرین اور نوٹ

ہندوستانی اکیڈیمی اُردو ہندی کے لیے ایسی شاہراہ عمل تیار کر رہی ہے جسکی بدولت ارتقائی منزلین بہ آسانی طے ہو سکین۔ اس کی کونسل نے اپنے پہلے اجلاس منعقدہ ۳ مارچ ۱۹۲۸ء مین یہ طے کیا تھا کہ قبل اسکے کوئی علمی کام کیا جائے اُردو ہندی کے موجودہ لٹریچر کی جانب واقفیت حاصل کرنا ضروری ہے چنانچہ دو کمیٹیان ایک اُردو کے لیے اور دوسری ہندی کے لیے اس غرض سے مقرر کی گئی ہین کہ دو مہینہ کے اندر ایگزیکٹیو کمیٹی کے سامنے وہ ان لٹریچرون کی رپورٹ پیش کرین دونون کمیٹیون نے اپنی اپنی رپورٹین بھیجین۔ اور ایگزیکٹیو کمیٹی نے ان رپورٹون پر ۲ جولائی ۲۸ء کو غور کر کے اکیڈیمی کے حصول اغراض کے مناسب طریقون پر بحث کر کے ان رپورٹون کو شائع کرنے کا فیصلہ کیا اور ایک اسکیم سال رواں کے اخراجات کی تیار کی گئی جس کی رو سے پانچہزار روپیہ ان لوگون کیلیے منظور کیا گیا جو کتابین لکھین اور دو ہزار روپیہ ان لوگون کے لیے جو سال رواں کے اندر بہترین کتاب تیار کرین۔ تین ہزار چھ سو روپیہ ان لوگون کی تنخواہ کے لیے جو دار التالیف مین اکیڈیمی کی جانب سے ملازم رکھے جائین اور ایک ہزار روپیہ اُن علماء اور فضلا کے اخراجات کے لیے جسکو اکیڈیمی لکچر دینے کے لیے مدعو کرے۔

کمیٹی نے یہ طے کیا ہے کہ دو کتابین ہندوستان کے ادبی تمدنی اخلاقی اور سیاسی حالت پر ایک ہندوؤن کے زمانہ کی اور دوسری مسلمانون کے عہد کی تیار کرائی جائین۔ ایک کمیٹی چند ممبرون کی اس غرض سے متعین کی گئی کہ وہ ایسے ادیب کا انتخاب کرے جو اس کام کے لائق ہو اور جب کتاب تیار ہو جائے تو اسکی طباعت کا اہتمام کرے۔

دار التالیف کے مستقل ادیبون کے تقرر اور لکچرار صاحبون کے انتخاب کے لیے کمیٹیان مقرر ہوئین چنانچہ اس سلسلے مین اُردو کے لیے مولانا کیفی چڑیاکوٹی بمشاہرہ سو روپیہ ماہوار مقرر کیے گئے ہین۔ مولانا کیفی عربی - فارسی - اُردو انگریزی مین کافی دستگاہ رکھتے ہین اور اُردو ... کے ایڈیٹر بھی رہ چکے ہین۔ امید ہے کہ موصوف کی ادبی خدمات اکیڈیمی کے لیے مفید ثابت ہونگی

بھی یک ادیب کی تقرری منظور ہوئی ہے۔ لکچرار صاحبان کا بھی انتخاب ہو گیا ہے۔ اور عنقریب ہی ان کے ناموں کا اعلان ہو جائے گا۔

اکیڈیمی کی طرف سے دو انعامات بھی تجویز کئے گئے ہین جو اس سال اُردو نظم و نثر مین بہترین تصنیف پیش کرنیوالون کو دیئے جائین گے اسی طرح ہندی کے لیے بھی دو انعامات مقرر کئے گئے ہین اکیڈیمی کے محترم پریسیڈنٹ سر تیج بہادر سپرو نے ایک ہزار روپیہ اس غرض سے اکیڈیمی کو عطا فرمایا ہے کہ وہ اس فاضل کی خدمت مین بطور نذرانہ پیش کیا جائے جو ہندوستان کی اسلامی عہد کی معاشرتی اور تمدنی حالت پر تین خطبے پڑھے۔ کمیٹی نے اِس عطیے کو شکریہ کے ساتھ قبول کیا ہے اور اس مین اکیڈیمی نے اپنی طرف سے بھی ایک ہزار روپیہ کا اضافہ منظور کیا ہے جس سے ہندوؤن کے تہذیب و معاشرت کے متعلق بھی تین عالمانہ لکچرون کا انتظام ہو گا۔

مذکورہ بالا حالات کے ملاحظہ سے ہر اہل نظر یہ اندازہ کر سکتا ہے کہ ہندوستانی اکیڈیمی اُردو اور ہندی کی ترقی کے لیے فرشتۂ رحمت ثابت ہو گی۔

اُردو زبان مین اب تک کئی لغت کی کتابین لکھی گئین لیکن اُردو کی جامعیت پر نظر کرتے ہوئے یہ کہنا پڑتا ہے کہ ابھی ایک مبسوط اور مکمل لغت کی ضرورت ہنوز باقی ہے۔ امیر اللغات کی صرف دو جلدین شایع ہو کر رہ گئین ورنہ اُردو لغت کی ضرورت بڑی حد تک پوری ہو جاتی۔ انجمن ترقی اُردو کی طرف سے بھی اب تک لغات اُردو کی ترتیب کے متعلق کوئی خاص کوشش نہین ہوئی۔ البتہ مولوی نور الحسن صاحب بی اے۔ ایل۔ ایل بی مولف نور اللغات کی کوششین بہت کچھ مشکور ثابت ہوئین۔ اسوقت تک نور اللغات کی دو جلدین شائع ہو چکی ہین۔ تیسری جلد کی نظر ثانی ہو رہی ہے۔ اور ستمبر ۱۹۲۸ء سے اسکی طباعت شروع ہو جائے گی۔ امید ہے کہ نور اللغات کی تکمیل اُردو زبان کے لیے بہت مفید ہو گی۔

حیدرآباد کے یک ممتاز رئیس راجہ پرتاب گیرجی نرسنگھ جی بہادر نے انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد دکن کو دو ہزار روپیہ کا یکمشت عطیہ عنایت فرمایا ہے اور آیندہ کے لیے ایکہزار روپیہ سالانہ چندہ عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ راجہ صاحب موصوف اُردو زبان کے قدردان ہین۔ اور اُردو شاعری کا بھی اعلےٰ مذاق

رکھتے ہیں۔ آپ کی یہ فیاضی ہی خواہان اُردو کے شکریہ کی مستحق ہے۔

شکر ہے کہ گورنمنٹ بہار و اُڑیسہ کی طرف سے صوبہ مذکور کی زبانوں کو ترقی دینے کے لیے جو کمیٹی سر علی امام صاحب بالقابہ کے زیر صدارت مقرر ہوئی تھی اس نے اپنی رپورٹ بھی مرتب کر لی ہے۔ منجملہ اور باتوں کے صوبہ متحدہ کے ہندوستانی اکیڈیمی کے طور پر صوبہ بہار و اُڑیسہ میں بھی ایک اکیڈیمی کے قیام پر زور دیا گیا ہے۔ مجوزہ اکیڈیمی دیسی زبانوں کی تصنیف و تالیف کے حوصلہ افزائی کے علاوہ دوسری زبانوں کے ترجمے بھی شائع کرے گی۔

اراکین کمیٹی نے انگریزی ہائی اسکولوں کی آخری چار جماعت کے لیے اُردو ہندی دونوں کی تعلیم لازمی کرنے کی سفارش کی ہے۔ ہمکو اُمید ہے کہ گورنمنٹ صوبۂ بہار و اُڑیسہ عنقریب ہی ان تجاویز پر عملدرآمد کرے گی۔

امریکہ میں رباعیات عمر خیام کا ترجمہ فیٹز جیرلڈ کا ایک نسخہ فنون لطیفہ کی لائبریری کے لیے چھ سو پچاس پونڈ میں خریدا گیا ہے۔ چونکہ یہ نسخہ پہلے اڈیشن کا ہے اسلیئے اسکی قیمت اتنی بڑھ گئی ہے ورنہ اسکی اصلی قیمت ایک پنس یعنی ایک آنہ سے زیادہ نہیں۔

گزشتہ سال انگلستان میں مختلف علوم و فنون کی ۱۲۷۹۹ کتابیں شایع ہوئیں۔ جنمیں سے ۶۶۰ کتابیں علمی و ادبی ہیں باقی کتابوں میں ۶۲۹ صنعت ۳۹۹ طب، اور ۱۰۴ زراعت کے متعلق ہیں۔ یہی وہ ترقی ہے جسپر انگریزی زبان کو ناز ہے۔

صوبۂ متحدہ کی سرکاری رپورٹ بابت ۱۹۲۶ء سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۹۱۳ء میں یہاں ہندی اخبارات و رسائل کی تعداد ۵۶ اور اُردو اخبارات و رسائل کی ۹۷ تھی۔ لیکن تیرہ سال کے بعد اب اُردو صحائف کی تعداد ۱۹۶ اور ہندی اخبارات و رسائل کی تعداد ۲۴۶ ہے۔

افغانستان روز بروز علمی ترقی کر رہا ہے۔ خاص کابل مین ایک عظیم الشان مدرسہ دار العلوم کابل کے نام سے قائم ہے۔ جس کے نصاب تعلیم مین مختلف علوم و فنون کی کتابین داخل ہین۔ اور افغانیون کی ایک بڑی تعداد تعلیم پا رہی ہے۔ اس کے علاوہ تصنیف و تالیف کی طرف حکومت کی خاص توجہ ہے چنانچہ اسوقت تک متعدد علوم و فنون کی تقریباً تین سو کتابین تالیف و ترجمہ ہو چکی ہین جنمین اردو زبان کی بھی چند کتابین شامل ہین۔

تصاویر

اس ماہ مین دو تصویرین ہدیۂ ناظرین کی جاتی ہین۔ پہلی تصویر مہاراجہ صاحب میسور کی ہے، ۸ اگست ۱۹۲۷ء کو آپ کی سلور جوبلی کا جشن نہایت تزک و احتشام سے منایا گیا ہے جنمین علاوہ دیگر معززین کے حضور لارڈ ارون بالقابہ وائسرائے ہند بہ نفس نفیس شریک تھے۔ مہاراجہ صاحب موصوف کی طرف سے ہر طریقہ سے رعایا نوازی کی مثال پیش کی گئی۔

آپ ۱۴ جون ۱۸۸۴ء کو پیدا ہوئے اور ۱۹۰۲ء مین سریر آرائے سلطنت ہوئے۔ آپ کا عہد حکومت ریاست میسور کے لیے زرین عہد ہے۔ جسمین رعایا کو وہ تمام فوائد حاصل ہو رہے ہین جو ایک مدبر اور عالی دماغ فرمانروا کے زمانے مین حاصل ہو سکتے ہین۔ تعلیم، فلاحت، صنعت، حرفت وغیرہ مین ریاست میسور نے جیسی حیرت انگیز ترقی کی ہے وہ موجودہ فرمانروائے میسور کی روشن خیالی اور شان حکومت کی روشن دلیل ہے۔ اسوقت ریاست میسور موجودہ ترقی کے لحاظ سے ہندوستان کی ایک بہترین ریاست ہے۔

دوسری تصویر مین اونٹون کی لڑائی دکھائی گئی ہے جو آج سے صدیون پیشتر راجپوتانہ کی ریاستون مین منجملہ اور تفریحی مشاغل کے شمار کیجاتی تھی۔ جس طرح اودھ اور دہلی کے فرمانرواؤن کو ہاتھی مینڈھے مرغ بٹیر وغیرہ کی جنگ دیکھنے کا شوق تھا۔ اسی طرح راجپوتانہ کی ریگستانی ریاستون مین رئیسون کی تفریح طبع کے لیے اونٹ لڑائے جاتے تھے۔ چنانچہ یہ تصویر اسی زمانہ کی یادگار ہے۔

شہنشاہ بابر کا دربار

زمانہ

جلد ۴۹ ستمبر ۱۹۲۷ء نمبر ۳

سیلف گورنمنٹ کا مطالبہ اور اسکے نتائج

سیلف گورنمنٹ اور سوراج - ہوم رول اور حکومت خود اختیاری باہم دگر مترادف اور ہم معنی الفاظ و محاورات ہین۔ اہل ہند چاہے کسی فریق اور فرقہ کے ہون۔ خواہ ان کا مذہب اسلام یا ہندو دھرم ہو - یا وہ سکھ - پارسی یا عیسائی ہون - ان کا مشترکہ منتہائے مقصود سیلف گورنمنٹ ہے - انڈین نیشنل کانگریس نے دسمبر سنہ ۱۹۰۶ء مین برٹش نوآبادیات مین دادا بھائی نوروجی آنجہانی کے حسب ہدایت اور مسلم لیگ نے سنہ ۱۹۱۳ء مین برٹش نوآبادیون کے نمونہ کی حکومت خود اختیاری کو اپنی تمناؤن کا آماجگاہ اور مساعی حسنہ کا نصب العین قرار دیا تھا ان کی تقلید مین دیگر فرقہ دارانہ سبھاؤن اور کانفرنسون نے بھی اس پر صاد کیا - ہی وزرائے برطانیہ نے اگست سنہ ۱۹۱۷ء کے معرکتہ الآرا اعلان کے رُو سے انگریزی راج کا منتہائے مقصود نیابتی طریقہ حکومت کا بتدریج رواج قرار دیا اور اس کا پہلا دور جنوری سنہ ۱۹۲۱ء سے عملاً شروع ہو چکا ہے - تعلیم یافتہ گروہ کے درمیان ایک ایسی جماعت موجود ہے - جو بلا توقف سوراج لینے کی خواہان ہے - مگر باخبر اور بلند نظر حضرات آیندہ دس پندرہ سال کے اندر اندر کامل سیلف گورنمنٹ کے دلفریب خواب دیکھ رہے

ہین - فروری ۱۹۲۴ء مین سوراجی - اور انڈی پنڈنٹ گروہون نے اتفاق رائے سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ دو تین سال کے اندر کامل سیلف گورنمنٹ کی ذمہ داریون سے اہلِ ہند کو آراستہ کرنے کی عملی تجاویز اختیار کی جائین - قانونی اصلاحات ۱۹۱۹ء کے روسے پہلے مرحلہ کی چودہ سالہ میعاد کی گئی ہے - اسکی ترمیم کا بڑی شد و مد سے ہر سال مطالبہ کیا جاتا ہے - بعض معاملہ فہم اراکین اسمبلی بسا اوقات یہ معقول اور ضروری مطالبہ پیش کر چکے ہین کہ سول سروس اور دیگر عہدون پر اور نیز سپاہ ہند مین ذمہ داری کی آسامیون پر ہندوستانیون کو بہ تعداد کثیر مامور کیا جائے -

یہ معاملات اور مطالبات بجائے خود ضروری اور واجب ہین - لیکن سوراج کے ساتھ جو عظیم و وسیع ذمہ داریان منسلک ہین - ان کی طرف کما حقہ توجہ نہین کی جاتی - ملک ہند مین سلف گورنمنٹ کے رواج سے جو عالمگیر نتائج وابستہ ہین اہل الرائے ان پر کافی غور نہین کرتے - اسلیے مناسب ہے کہ ان نازک مسائل اور انجام پر اجمالی نگاہ ڈالی جائے -

اس اہم مسئلہ کی بحث کے آغاز مین ہم چند نازک اور انقلاب خیز سوالات سے دوچار ہوتے ہین ہندوستان سوراج کیسے حاصل کر سکتا ہے ؟ برطانیہ کی نگاہ کرم سے یا اپنے قوتِ بازو سے ؟ کامل سیلف گورنمنٹ کب رائج ہوگی ؟ حکومت خود اختیاری کے اجرا سے کیسے نتائج مرتب ہونے کی توقع ہے ؟ کیا ہم ہوم رول کی جامع ذمہ داریون کا بار گران برداشت کرنے کی صلاحیت رکھتے ہین ؟

یہ ایسے پیچیدہ مسائل ہین کہ ان کی تفصیلی بحث کے لیے ایک کتاب درکار ہوگی - مگر اسوقت ہم ان کا اجمالی تذکرہ ہی کافی سمجھتے ہین -

بطور مسلمات اولی یہ گزارش کرنا غیر انسب نہ ہوگا کہ ہم اپنے قوتِ بازو سے سیلف گورنمنٹ حاصل نہین کر سکتے اسوجہ سے یہ لازم آتا ہے کہ سوراج برطانیہ کی کرم گستری کا انجام ہوگا - اعلان ۱۹۱۷ء دھوکہ کی ٹٹی نہین ہے - اہل برطانیہ نے جمہوری طریقہ حکومت صدیون کی جانکاہ کوششون سے وضع کی ہے اور اگر فن حکمرانی کے وہ موجد قرار دیے جائین تو راستی سے بعید نہ ہوگا - انہون نے اغیار کی آزادی کے لیے پانی کی طرح جیش بہا خون اور خس و خاشاک کی طرح زر و مال لٹایا ہے - جنوبی افریقہ کے بوئرون سے دو سال تک سخت معرکے رہے - آخر کار صلح ہونے کے پانچ چھ سال کے اندر ہی اندر سیلف گورنمنٹ عطا دی - اہل برطانیہ شروع مین ملک گیری کے ارادے سے نہین بلکہ تجارت ہند کے منافع کثیر سے مالا مال

ضرورت پڑنے پر ہونے کے مقصد سے ملک ہند مین وارد ہوئے تھے۔ ڈیڑھ سو سال تک تجارت ہی سے بہرہ ور ہوتے رہے آخر کار فرانسیسون کی عیاریون سے مجبور ہوکر ملک گیری کی طرف مائل ہوئے۔ اسلیے یقین واثق ہے کہ اہل برطانیہ وقت مناسب پر قومی حکومت کی ذمہ داریون کا بار گران اہل ہند پر ڈال دینگے۔ اسے کتنا عرصہ لگے گا؟ اس سوال پر سر دست بحث کرنا سراسر فضول ہے۔ کیونکہ سیلف گورنمنٹ کا ہنوز روز اول ہے۔

یہ امر مسلمہ ہے کہ قبضۂ ہند سے برطانیہ کو خاص فائدہ ہے۔ اِس سے نہ تو نیکدل انگریزون کو انکار ہے۔ اور نہ راقم مضمون کو اعتراف سے انحراف ہے۔ اس فائدہ کے دو بڑے پہلو ہین۔

اول اقتصادی فوائد۔ قبضۂ ہند سے برطانیہ کے حق مین عظیم تجارتی فوائد مرتب ہو رہے ہین۔

(ا) ملک ہند ہر سال برطانیہ سے کم وبیش ایک ارب روپے کا مال لیتا ہے اور اس سے بڑا کوئی گاہک دنیا مین برطانیہ کا نہین ہے۔

(ب) برطانیہ کا جو سرمایہ ملک ہند مین غرق ہو چکا ہے۔ کیا بصورت قرضہ اور کیا بصورت باغات چا اور معادن کوئلہ و آہن اِس کا کروڑون روپیہ کا سود اور منافع ہر سال برطانیہ کو جاتا ہے۔ نہرون اور ریلون وغیرہ پر جو قرضہ برطانیہ سے لیکر لگایا گیا ہے اور جو سات ارب روپیہ سے اوپر ہے۔ اس کا سود تین چار روپیہ سیکڑہ سالانہ کے حساب سے دس بارہ کروڑ کے درمیان ادا کیا جاتا ہے (ج) ہزارون انگریز سول سروس اور دیگر اعلے ملازمتون اور نیز فوجی عہدون پر مقرر ہین مقابلہ کی آسامیون پر چار ہزار اور فوجون مین ۳۲۰۰ کمیشن عہدہ دار ہین جن کا بڑا حصہ انگریز ہین اور وہ بڑی بڑی تنخواہین پاتے ہین۔ ہندوستانیون کا شمار آٹے مین نمک کے برابر ہے۔ برطانیہ کے نوجوانون کے لیے ہندوستان سے زیادہ بہتر کوئی ملک معقول روزگار بہم نہین پہونچا سکتا۔

دویم پولیٹیکل فوائد۔ ملک ہند سلطنت برطانیہ کا سب سے بڑا قیمتی ہیرا اور بقول لارڈ کرزن مرحوم مرکز ثقل قرار دیا گیا ہے۔ یہ درست ہے کہ بہت بڑی حدتک برطانیہ کی شوکت وعظمت ہندوستان پر موقوف ہے۔ افریقہ اور ایشیا اور اوشنیا مین جو چالین وزراے برطانیہ چلتے ہین۔ انکا مرکز ثقل ہندوستان ہے۔ مصر وعدن پر عرصہ سے اور گذشتہ جنگ اعظم مین فتح شام وعراق اور خلیج فارس مین جو اقتدار حاصل کیا گیا وہ صرف ہندوستان کے سبب سے ہے۔ برسون تک امیر کابل کو انکون

روپیہ ادا کیا گیا وہ صرف اسی ملک کی حفاظت کے لیے۔ اگر ہندوستان اسکے تسلط سے باہر ہوتا تو برطانیہ کو ترکون اور دیگر سلمان حکومتون اور روسیون سے دوستانہ تعلقات قائم رکھنے کی کوئی ضرورت نہ ہو۔ جزیرہ لنکا۔ سنگاپور اور مشرق بعیدہ مین بھی برطانیہ کے مقبوضات ہین۔ مگر وہ کسی شمار مین نہین ہین۔ افریقہ کے مقبوضات کا اتنا لحاظ مدبّران برطانیہ کو ملحوظ خاطر نہین ہے جتنا ہندوستان کا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ ملک ہند مین سوراج کی وجہ سے برطانیہ عظمیٰ اقتصادی اور پولیٹکل فوائد سے محروم ہو جائے گا اسلیے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اہل برطانیہ ان عالمگیر اور اقتصادی فوائد کو یک قلم قربان کر دین گے۔ اگر منفعت قومی اور خود غرضانہ استفادہ کا لحاظ کیا جائے تو ان کے لیے ایسا عظیم و بینظیر ایثار بہت مشکل ہے۔ حق اور انصاف ہمین یہ امر تسلیم کرنے کو مجبور کرتا ہے کہ اضلاع متحدہ امریکہ نکلجانے سے سلطنت برطانیہ ڈگمگا کر پاش پاش نہین ہوئی تھی بلکہ ۱۷۸۳ء کے بعد اسکے حیطۂ قدرت مین اُس سے بیس گنا زیادہ رقبے آگئے۔ افریقہ کے وسیع قطعات جیسے سوڈان۔ روڈیشیا۔ کینیا۔ نائگریہ اور سنٹرل افریقہ ہندوستان کی کمی پوری کر سکتے ہین۔ رقبہ اور آبادی کافی ہے۔ اقتصادی ترقیون کے لیے میدان کشادہ ہے۔

اب اس اہم سوال پر مختصر بحث کرنا ضروری ہے کہ ہندوستان مین سیلف گورنمنٹ کے اجرا کا کیا عالمگیر اثر ہوگا۔ بطور کلیہ یہ بیان کر دینا مناسب ہے کہ اسکا اثر ایشیا یورپ اور افریقہ پر بہت گہرا پڑے گا ایشیا مین جن یورپی قومون کے مقبوضات ہین وہ انقلاب ہند کے انجام کو اضطراب سے دیکھ رہی ہین۔ سب سے زیادہ فرانس ہالینڈ اور پرتگال کو بے چینی لاحق ہو رہی ہے۔ ملک ہند مین تو ان کے مقبوضات حقیقتاً بہت کم ہین۔ مگر جزیرہ نمائے ہند چینی مین جہان پرانے ہندو حکمرانون کی اولاد چلی آتی ہے فرانس کے سب سے بڑے ایشیائی مقبوضات ہین اور سماٹرا و جاوا اور قرب و جوار کے دیگر جزائر مین بھی جہان پرانے ہندوؤن کی مخلوط نسل آباد ہے۔ اور وہان پر ولندیزون کا تسلط غالب ہے۔ ملک ہند کی سیلف گورنمنٹ کا بہت عظیم اثر نمایان ہوگا۔ لنکا اور ریاستہائے ملایا و سنگاپور قومی بیداری کے اثر سے کب محفوظ رہ سکتے ہین۔ مسوپوطامیہ مین سیلف گورنمنٹ رائج ہو چکی ہے اور کچھ یہی حالت فلسطین و شام کی بھی ہے۔ لیکن شمالی افریقہ پر بھی جہان اٹلی اور فرانس کے مقبوضات ہین۔ قومی حکومت کے رواج کا گہرا اثر پڑیگا۔ فرانس کو اپنی جنگی تدابیر مین معتدبہ قطع و برید کرنا لازم ہوگا۔ نہ صرف فوجی تدابیر ہی مین ترمیم

ضروری ہوگی بلکہ یورپین قومون کو جن کا اوپر ذکر ہوا ہے - اپنے ایشیائی اور افریقی مقبوضات مین یا
تو نیابتی طریقۂ حکومت رائج کرنا لازم آئے گا - یا آئے دن محکوم قومون کی سرکشی دبانے کی سنگین
اور خونی تجاویز اختیار کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نہ ہوگا - گویا ہماری حکومتِ خوداختیاری کا مفید و
مذموم دونون قسم کا اثر نمایان ہوگا -

ایک اور اہم نتیجہ مرتب ہونے کا احتمال قوی ہے - برطانیہ کے زیرنگین ہونے کے باعث
غیار ہندوستان کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہین دیکھ سکتے - برطانیہ کی عظیم الشان بحری سپاہ اور
ری لشکر اسکے پس پشت ہین - لیکن جب ہندوستان مین قومی حکومت رواج پذیر ہوگی تو حالت
رگون ہوگی - برطانیہ کے خوفناک لشکرون کی بجائے ہندوستان کا چھوٹا سا بیڑہ اور معقول
ری لشکر ہونگے اسلیے ایشیا مین جاپان کا اقتدار بیحد بڑھ جائیگا - اِس نے ساٹھ ستّر سال کے عرصہ
ن جو سطوت و شوکت حاصل کی ہے وہ اپنی نظیر آپ ہے گو وہان پر آئینی حکومت ہے مگر نکتہ رس مبصرون
کی رائے مین اہلِ جاپان اسی قسم کی تمناؤن سے تحریک پذیر ہو رہے ہین جو عرصہ سے جرمنی کے
رداروں کے سینہ مین جوش زن تہین اور جن سے جنگ اعظم اٹل ٹھہری - گو اہل جاپان اپنی صلح پسندی
ظہار کرتے ہوئے نہین تھکتے - مگر اضلاع متحدہ امریکہ کے مدبر انھین شک و بدگمانی کی نگاہ سے دیکھتے
ن - جاپان کی نگاہ جزائر فلپائن سے آگے آسٹریلیا تک جاتی ہے - اس لئے جب برطانیہ ہندوستان
ے دستبردار ہو جائے گا تو امریکہ کو اپنی ایشیائی پالیسی مین بنیادی ترمیم کرنا پڑے گی - تاکہ جاپان کی
ن کو مات دے - ہندوستان کی سیلف گورنمنٹ کا وسیع اثر جاپان اور امریکہ تک نمایان ہوگا -

ملک ہند مین نیابتی حکومت کے قیام کے عالمگیر اثرات سے قطع نظر ان اہم مسائل پر نگاہ
نامناسب ہے جو اس سے منسلک ہین - راقم کی رائے مین سب سے اہم مسئلہ حفاظت حدود کا ہے -
سوراج کی کامیابی کے لیے مختلف رنگی آبادی کا اتفاق اور اعتماد باہمی شرط مقدم ہے - اِس سے
سرے درجہ پر مسئلہ ریاستہائے ہند ہے - سیلف گورنمنٹ سے ان کے تعلقات کیسے ہونگے - مہاراجگان
بان ہند سوراج کے کارکنون کے ماتحت رہنا گوارا کرینگے یا نہین - ایک اور ضروری مسئلہ برما کا ہے -
ملک وہان پر حال ہی مین برپا ہوئی ہے اس سے یہ خوب عیان ہوتا ہے کہ وہ ہندوستان کے ماتحت رہنا

گوارا نہ کریگا۔ اور اہلِ برما سیلف گورنمنٹ کی ذمہ داریون کے متحمل نہین ہوسکتے۔ اس وجہ سے برما مین غالباً یہی صورت رونما ہوگی۔ جواب لنکا مین ہے۔ وہ برطانیہ کی ایک جداگانہ بستی یعنی ملک محروسہ قرار پائے گا۔

جداگانہ قومی ہستی اور آزادانہ حکومت کا دارو مدار سپاہ کی تیاری حسن کارگزاری اور سامان حرب کی بہم رسانی پر ہے۔ اسلئے ہمین سب سے پہلے اپنی قومی ہستی کو اغیار کی دارو گیر سے محفوظ کرنے کی صلاحیت و سامان سے آراستہ کرنا لازمی ہے۔ اسوجہ سے سیلف گورنمنٹ کی ذمہ داریون مین حفاظت حدود کا درجہ اوّل ہے۔ ایشیا کا نقشہ دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان کی حدود بحری و برّی بہت وسیع ہین اگر دنیا کا نقشہ دیکھو تو یہ ظاہر ہوگا کہ مغرب سے مشرق یا پورب سے پچھم کو آنے جانے کے راستہ مین ہندوستان حائل ہے۔ تاریخ ہند سے یہ خوب واضح ہے۔ کہ ملکہ سمی رامس کی (جس کا زمانہ تحقیقات اثری سے سن عیسوی سے دو ہزار سال قبل قرار دیا گیا ہے) یورش سے لیکر احمد شاہ ابدالی اور نادر شاہ دُرّانی کے حملہ تک تمام حملہ آور شمال مغرب کے گوشہ یعنی درّہ خیبر سے آتے رہے۔ اب بھی اسی جانب سے اندیشہ لگا رہتا ہے۔ مئی ۱۹۱۹ء مین سوم جنگ افغانستان کا آغاز ادھر ہی سے ہوا تھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ امن وسکون ہند کے تہ و بالا ہونے کا سب سے بڑا احتمال صوبہ سرحد شمال مغربی سے ہے۔

ملک ہند کی برّی حدود کا مجموعی طول چھ ہزار میل ہے۔ مشرق مین صوبۂ آسام چین سے پیوست ہے۔ اور برما کی مشرقی حد سیام سے ملحق ہے۔ تبت کی طرف سے کسی قسم کا اندیشہ نہین ہوسکتا کیونکہ ادھر سے غنیم صرف ہمالیہ کی سر بفلک بلندیون ہی کو طے کرکے ہندوستان کے میدانون مین اتر سکتا ہے نیپال سے ۱۹۲۳ء کے معاہدہ کے روسے حکومت ہند کے عمدہ تعلقات ہین۔ مگر شمال مغربی سرحد کا مسئلہ پیچیدہ ہے۔ اِسی کے چار حصّے کئے جاتے ہین (۱) پامیر سے لیکر دریائے کابل کے درمیان کا خطّہ جسمین مہتر چترال۔ نواب دیرا ور سوات کے حکمرانی ہین (۲) دریائے قمبر اور دریائے کابل کا درمیانی خطّہ کہ جسمین تیراہ بھی شامل ہے۔ جسمین آفریدی اور ککر زئی قبائل رہتے ہین۔ یہ لوگ صدہا سال سے شورہ پشتی کے خوگر ہین اور ان کے پاس سامان حرب بھی ہے۔ اسلئے وہ شریرون کے اشتعال سے امن ہند مین رخنہ پیدا کرنے کو ہر وقت تیار رہتے ہین۔ ان کا کوئی زبردست سردار نہین۔ بلکہ ملک ہین۔ جن کا اثر و اقتدار اپنے گاؤن سے آگے نہین (۳) وزیرستان۔ جہان وزیری۔ محسود۔ شہزازی وغیرہ پرلے درجے کے وحشی قبائل رہتے ہین۔ لوٹ مار ان کا آبائی پیشہ ہے۔ سنہ ۱۹۲۲ء سے

گورنمنٹ نے انھین مہذب بنانے اور محنت سے روٹی کمانے کے سامان مہیا کر دیئے ہین۔ وزیرستان مین سڑکین بنائی جا رہی ہین اور زراعت و حرفت کی ترقی کے لیے تجاویز وضع کی گئی ہین۔ پرائمری سکول بھی کھولے جا رہے ہین۔ ان وحشیون کی شر انگیزی دبانے کے لیے مان زیئی اور رزمق مین دو چھاونیان ڈالی گئی ہین اور سڑکون پر جا بجا مستحکم گڑھیان مع اسلحہ بنائی گئی ہین۔ نتیجہ یہ ہوا ہے کہ دوران جنگ مین سرحدی اضلاع مین جو مار دھاڑ ہوتی تھی جس سے ہندؤن کا جان و مال قطعی مخدوش و غیر محفوظ ہو گیا تھا اب بالکل مامون ہے۔ سنہ ۱۹-۱۹۲۰ء مین (۳۲۴) ڈاکے سرحدی اضلاع مین واقع ہوئے جنمین ۱۴۹ آدمی مقتول اور ۱۹۷ زخمی ہوئے تھے۔ اور بارہ لاکھ سات ہزار روپے کا مال ضائع ہوا تھا۔ مگر سنہ ۱۹۲۲ء مین صرف گیارہ ڈاکے پڑے کہ جن مین دس آدمی ہلاک ہوئے اور ایک ہزار روپیہ کا مال برباد ہوا تھا۔ اس نئی پالیسی کا اچھا اثر ظہور مین آ رہا ہے (۴) منتہائے جنوب مین بلوچستان ہے جسکی سرحد جنوبی افغانستان سے ملحق ہے۔ ان دونون ملکون کے درمیان ایسے جنگجو وحشی نہین رہتے۔ جیسے انگریزی اضلاع ڈیرہ جات۔ بنون کوہاٹ۔ پشاور وغیرہ اور سرحد افغانستان کے درمیان رہتے ہین۔ شورہ پشت سرحدی قبائل تیس لاکھ کے قریب ہین جن مین آدھے مرد ہین اور ان مین سات آٹھ لاکھ کے درمیان لڑکے جوان ہین جن کے پاس نئے نمونے کے دو لاکھ بندوقین ہین۔ بالشویکون کی کارندے ملاؤن کی وساطت سے شورش پیدا کر سکتے ہین۔ وزیرستان مین دو ہزار جوان تھوڑی سی دیر مین میدان مین اتر سکتے ہین۔ یہ پہاڑی علاقہ ہے جہان معرکہ آرائی مین بڑی دقت پیش آتی ہے۔ اس سے یہ خوب عیان ہو گیا کہ سرحد شمال مغرب کی محافظت کیسی پیچیدہ اور امن ہند کے لیے کیسی ضروری ہے!

ملک ہند کے سواحل کی مجموعی طوالت چار ہزار میل ہے جن کی حفاظت بہت ضروری ہے گو سمندر کے راستہ سے کبھی غنیم نہین آئے۔ مگر زمانہ حال کی تمدنی ترقیون کے سبب سے بحری جنگ آرائی کے سامان یورپ کی قومون کے پاس بکثرت ہین دوران جنگ مین ایک نہتے جرمن کروزر ایمڈن نے بحر ہند اور خلیج بنگال مین کسقدر کھلبلی اور دہشت پیدا کر دی تھی۔ ایشیا مین سب سے بڑی بحری طاقت جاپان کی ہے۔ گو چین مین سنہ ۱۹۱۱ء مین جمہوری حکومت رائج ہے لیکن اہل چین خانہ جنگیون مین اسقدر منہمک چلے آتے ہین کہ انھین اپنی بحری قوت آراستہ کرنے کی فرصت ہی نہین ملی۔ فی ہزار ایک آدمی ایسا بمشکل ملے گا کہ جس نے سمندر یا جہاز کی کبھی صورت دیکھی ہو۔ جس ملک کے باشندون کی

یہ حالت ہو وہ بھلا بحری محافظت کی نازک ذمہ داریون کو کس طرح آناً فاناً سنبھال سکتا ہے۔
بری و بحری حدود کی وسعت اور غنیم کے حملہ کی مدافعت کی ضرورت اور امن و سکون کے قیام کی اہمیت کے اجمالی ذکر کے بعد مناسب ہے کہ سپاہ کی کمان داری اور فوجی عہدون کے فرائض انجام دینے کی ترتیب کا مختصر ذکر بھی کیا جائے۔ اہل ہند عرصہ سے سول عہدون پر سرفراز ہوتے چلے آتے ہین۔ گذشتہ چھ سال سے نائب وزارت ہند اور صوبہ بہار کی گورنری پر لارڈ سنہا ممتاز رہ چکے ہین ہائی کمشنر متعینہ لندن منجانب ہند سر بھوپیندر ناتھ چندر جی ہین۔ جمعیۃ الاقوام کے اجلاس مین ہر سال دو تین ہندوستانی شامل ہوتے اور دنیا کی بڑی بڑی قومون کے ہم پہلو بیٹھتے اور آزادی سے اظہار خیال کرتے ہین گذشتہ سال وزیر تعلیمات سر حبیب اللہ خان بہادر کی سرکردگی مین ایک زبردست ڈیپوٹیشن جنوبی افریقہ کو گیا جس نے وزرائے یونین سے مساوات کے طریقہ پر تبادلۂ خیال کر کے ہندیان جنوبی افریقہ کی مشکلات کا معقول سلجھاؤ وضع کیا۔ دونون حکومتون کی قرارداد کو وزرائے برطانیہ نے بھی تسلیم کیا ہے۔ ہائی کورٹون کی معمولی اور اعلےٰ ججی اور کمشنری پر بیسیون ہندوستانی مقرر ہو چکے ہین۔ مگر سپاہ مین صوبیدار یا رسالدار میجری سے بڑا عہدہ کبھی نہین دیا گیا۔ کبھی کبھی خدمات حسنہ کے صلہ مین آنریری کپتانی کے خطاب سے اشک شوئی کر دی جاتی ہو اعلان ۱۹۲۷ء مین سپاہ مین اہل ہند کو کمیشن عہدے دیئے جانے کی فکر ہے اور اسکے مطابق ہر سال دس پانچ نوجوان تربیت کے فوجی کالج سینڈہرسٹ مین ترتیب پانے کو بھیجے جاتے ہین جو واپس آ کر لفٹننٹی پر مقرر ہوتے ہین اب تک چالیس پچاس کے درمیان مقرر ہو چکے ہین اور کل لفٹنٹ کپتان اور میجر سو سے نیچے ہین حالانکہ سپاہ مین کل (۳۲۰۰) کمیشنی عہدہ دار ہین۔ اراکین اسمبلی کے مسلسل مطالبہ سے مجبور ہو کر تین سال ہوئے کہ گورنمنٹ نے آٹھ رجمنٹین ہندوستانیون کو سپہ داری سکھانے کے لیے مخصوص کر دین مگر یہ اسکیم مقبول نہین ہوئی اسیلئے ایک کمیٹی سپاہ ہند کے فوجی عملہ کے سردار لفٹنٹ جنرل سر اینڈریو اسکین کے زیر صدارت اسی مقصد سے مقرر ہوئی کہ وہ اہل ہند کی جنگی ترتیب کے واسطے ایک اعلےٰ درجہ کے کالج کے قیام کی ضرورت پر غور کرے۔ کمیٹی کے جملہ اراکین ہندوستانی تھے۔ صرف صیغہ سپاہ کے سکریٹری مسٹر برڈن اور میجر لمبی سکریٹری کمیٹی تھے۔ ارکان کمیٹی نے ہندوستان کے اہل الرائے سے اظہار لینے کے بعد فرانس برطانیہ۔ کنیڈا اور امریکہ کے فوجی تعلیم گاہون کا معائنہ کیا اور بعد ازان اپنی بحث و بزاتفاق رائے سے

مرتب کرکے گورنمنٹ ہند کے پاس بھیجدین جن کی اشاعت یکم اپریل کو دہلی اور لندن سے ایک ساتھ عمل مین آئی۔ کمیٹی کے انگریز صدر اور رکن نے ہندوستانیون کے ساتھ اتفاق کرکے اعلان ۱۹۱۷ء کے منشا کی نہایت وسعت خیالی سے تشریح کی ہے۔ ان تجاویز کا ماحصل یہ ہے۔

(۱) اہل ہند کی اعلےٰ جنگی تربیت کے لیے ایک شاندار فوجی تعلیم گاہ۔ جیسے کہ برطانیہ مین سینڈہرسٹ کالج ہے۔ ۱۹۳۳ء سے جاری کی جائے۔ فوجی ملازمت کے لئے خاص تنومند جوانون کی ضرورت ہے جن کی تربیت کے لیے پرنس آف ویلز کالج دہرہ دون مین کھولا گیا ہے وہان پر چھ سال تک خاص تربیت ہوگی۔ دس گیارہ سال کے لڑکے سولہ سترہ سال کی عمر تک تعلیم پانے کے بعد فوجی تربیت کے لیے موزون سمجھے جائین گے۔

(۲) اہل ہند کو سپاہ کے ہر شعبہ مین کمیشن عہدہ دار ملنے چاہئین۔ جیسے توپخانہ۔ ہوائی دستہ انجینیری دستہ۔ سگنل اور ٹانک کے دستے۔ اسوجہ سے آٹھ جوان ہر سال وولچ کے کالج (گولہ اندازی انجینیری وغیرہ کی تربیت کے لیے) اور دو نوجوان کران ویل کے ہوائی کالج مین فن بلند پروازی کی تربیت کے واسطے بھیجے جائین (۳) سپاہ مین ہندوستانیون کو اعلےٰ عہدے بکثرت دیے جانے کے بارہ مین کمیٹی کی رائے یہ ہے (ا) ۱۹۲۸ء سے ولایت مین تربیت پانے والے طلبا کا شمار دگنا کر دیا جائے۔ پھر ہر سال چار لڑکے بڑھاتے چلے جاؤ۔ حتیٰ کہ ہندوستان مین جنگی کالج کھلجائے بعدازان صرف بیس لڑکے ولایت کی فوجی تعلیم گاہون مین تربیت پایا کرینگے (ب) جنگی کالج مین شروع مین صرف ۳۳ لڑکے لیے جائین۔ پھر ہر تین سال کے بعد بارہ کا اضافہ ہوتا رہے۔ اس طرح پر ۱۹۳۶ء مین ۵۴ نوجوان ہندوستان مین اور ۲۰ ولایت مین زیر تربیت ہونگے۔ ۱۹۴۲ء مین ۶۹ ہندوستان مین اور ۲۰ برطانیہ مین تربیت پائینگے۔ ۱۹۴۴ء مین ان نوجوانون کا رجمنٹ کمان کا استحقاق واجب ہوگا کہ جو پچھلے پانچ سات سال سے لفٹننٹ پر مامور ہوتے چلے آئے ہین۔ اسکے بعد پچاس فی صدی ہندوستانی بھرتی ہوا کرینگے۔ ۱۹۵۲ء مین سپاہ مین پچاس فیصدی سے زائد ہندوستانی افسر ہونگے۔ اب کل (۳۲۰۰) فوجی افسر چھوٹے بڑے ہین۔ جن مین ہر سال (۱۶۰) کا خسارہ واقع ہوتا رہتا ہے۔ اسکین کمیٹی کی رائے مین ۲۵ برس مین سپاہ ہند مین ہندوستانی اور انگریز افسر آدھے آدھے ہونگے۔ لی کمیشن نے بھی یہ قرار دیا ہے کہ پندرہ سال مین سول سروس مین اور ۲۵ سال مین پولیس مین

ہندوستانی اور انگریز افسر آدھے آدھے ہونگے۔ کمیٹی کی تجاویز کا اثر برطانیہ کی نظام سپاہ پر بہت گہرا پڑنے والا ہے اسلئے ماہران و مدبران برطانیہ بالخصوص امپیریل ڈیفنس کمیٹی سے مشورہ لازم ہے جسکے بغیر گورنمنٹ ہند کمیٹی کی سفارشات پر عمل پیرا نہین ہو سکتی۔ لیکن اسمین کوئی کلام نہین ہے کہ اسکین کمیٹی نے اہل ہند کو محافظت ملک کے نازک و اہم فرائض کے لیے تیار کرنے کے مقصد سے بہت جامع و معقول تجاویز پیش کی ہین۔

بری لشکرون مین اہل ہند عرصہ سے بھرتی ہوتے اور نازک جنگی فرائض اڑے موقع پر کامیابی سے انجام دیتے رہے ہین۔ جیسا کہ جنگ اعظم کے دوران مین میدان ہائے فرانس۔ گیلی پولی۔ مصر عراق و شام اور مشرقی افریقہ مین دیکھنے مین آچکا ہے۔ مگر بحری سپاہ ایک انوکھی چیز ہے۔

فروری ۱۹۲۵ء مین لارڈ رالنسن سپہ سالار افواج ہند کے زیر ہدایت ایک مختصر کمیٹی اہل ہند کی بحری تربیت کے مسئلہ پر غور کرنے کو مقرر ہوئی اسمین صرف ایک ہندوستانی رکن۔ سر پی۔ این مترتھے۔ اسکی تجاویز کا اعلان جنوری ۱۹۲۶ء مین کیا گیا ہے۔

گورنمنٹ برطانیہ اور گورنمنٹ ہند نے انھین تمام و کمال قبول کرکے عملی صورت دینے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ ایک مختصر مسودہ برٹش پارلیمنٹ مین کئی مہینے سے زیر بحث ہے اس کے مئی مین مستقل قوانین مین شامل ہونے کی ہر طرح امید ہے۔ اسمبلی مین اس سے کہین زیادہ جامع مسودہ پیش ہوگا۔ سردست تیرہ چھوٹے جہازون کا ایک دستہ مرتب ہوگا جس کا ایک کمان افسر اعلےٰ اور باقی ڈیڑھ سو کے قریب اور چھوٹے بڑے افسر ہونگے۔ اسکا بڑا فرض اہل ہند کی بحری تربیت ہے۔ علاوہ ازین بحر ہند سے خلیج فارس تک گشت نگہبانی بندرگاہون کی حفاظت کی تدابیر اور بری سپاہ کو سمندر پار کرکے جانا بھی اس کا فرض منصبی ہوگا۔ اس کا نام رائل انڈین نیوی (شاہی بحری سپاہ ہند) ہوگا اور اسے برطانیہ کے جنگی بیڑے کا سفید پھریرا اوڑانے کا مجاز ہوگا۔ اب تک رائل انڈین میرین چلی آئی ہے۔ جسپر ۵۳ لاکھ روپے سالانہ خرچ ہوتا ہے۔ مگر نئے دستہ پر ۶۳ لاکھ روپے خرچ ہونگے۔ ہندوستانی نوجوان تربیت پاکر بحری کمیشن کے مستحق ہونگے۔ انگریز نوجوان بھی بھرتی ہوا کرینگے۔ بحریات بجائے خود ایک شاندار فن ہے ہمارے مسئلہ مین بحری معرکہ آرائی ہی شامل نہین ہے۔ بلکہ جنگی جہازون کی ساخت اور ان کے لیے اسلحہ (بھاری توپین گولے وغیرہ) کی تیاری بھی اسی مین داخل ہے۔ لیکن اس سے بھی مقدم تجارتی جہازون

کی ساخت اور فن جہازرانی ہے۔ جس سے ہم سراسر بیگانہ ہین۔ اب چاہے اہل ہند اس ہنر مین طفل ابجد خوان کی حیثیت رکھتے ہون۔ مگر اسلاف ہند اپنے جہازون مین جاپان سے بحیرۂ قلزم خلیج فارس اور مشرقی افریقہ تک جاتے آتے اور قدما کی تجارت بعینہ اسی طرح کرتے جیسے فی زمانہ برطانیہ اور جرمنی کے جہاز جنگ اعظم سے قبل تجارتی مال ادہر سے اودہر ڈھویا کرتے تھے۔ اگر پرانے ہندو فن جہازرانی سے نابلد ہوتے تو جاوا۔ سماٹرا اور مجمع الجزائر ہند اور جزیرہ نمائے ہند چین مین کیسی بستیان قائم کرتے جو زمانہ مابعد مین عظیم الشان سلطنتون مین نمودار ہوئین۔ جن کے کوہ پیکر نشانات بوروبدور اور انگر کو دیکھکر ماہران زمانۂ حال انگشت بدندان ہین۔ شاہان مغلیہ نے بھی مختصر بحری بیڑے تیار کئے تھے۔ جن کا کام زیادہ تر بحری لٹیرون کی سرکوبی تھی۔ سیوا جی نے بھی ایک بحری دستہ مرتب کیا تھا۔ نوجوانان ہند جو ملک و قوم کی خدمت گزاری کے خواہان ہین۔ بحری تربیت کے لیے خوشی خوشی آمادہ ہونگے۔

اسی سلسلہ مین ریاست ہائے ہند کا مسئلہ بھی قابل غور ہے کیونکہ ان کا معاہدہ برطانیہ کے ساتھ ہے۔ جب سوراج حاصل ہوگا تو ان کا کیا حشر ہو گا؟ یہ بڑا نازک مسئلہ ہے۔ اس پر سر دست بحث کرنا لاحاصل ہے۔ مگر اس بات کی اُمید پختہ ہے کہ حسن تدبیر سے یہ گورکھ دھندا بھی سلجھ جائے گا۔ برطانیہ وقت مناسب پر جملہ ذمہ داریان اہل ہند کے سپرد کر دے گا۔ والیان ریاست ہائے ہند کے ساتھ خاص سمجھوتہ ہو سکتا ہے۔ ایک صورت فیڈرل سسٹم (نظام اتحاد باہمی) ہے جیسے اضلاع متحدہ امریکہ مین دیکھنے مین آتا ہے۔ یا جیسے کہ ۱۸۷۰ء سے پہلے بسمارک نے مختلف جرمن ریاستون کا ایک جتھا اقتصادی فوائد کے اعتبار سے مرتب کیا تھا۔ جب ہم حدود ملک کا عظیم ذخار متحاصل کرنے مین کامیاب ہو جائین گے۔ تو خارجی تعلق اور مسائل مالیہ اور دیگر مسائل بھی از خود حل ہو جائین گے۔ مگر کوئی سلیم العقل اس سے انکار نہین کر سکتا۔ کہ اسکے لیے عرصہ درکار ہو گا۔ لی کمیشن اور سکین کمیٹی نے سول اور فوجی عہدون کا تناسب معین کر دیا ہے کہ جس کی تکمیل کے لیے ۲۵ سال درکار ہونگے۔ جو انتظام عمل مین آ رہے ہین۔ وہ اصول ارتقا کے عین موافق ہین۔ لیکن ناگہانی حادث کا علاج اس سے خارج ہے۔ کامل سیلف گورنمنٹ کے رواج کے باب مین چند مسلمات کو فراموش نہ کرنا چاہیئے (۱) ہم صدہا سال سے اغیار کی یلغارون کے مذموم اثر سے ایسے بدل گئے ہین کہ اگر ہمارے بزرگ جنہون نے جاوا اور ہند چین مین شاندار آبادیان اور سلطنتین قائم کی تھین آج

ہمارے درمیان نمودار ہوں تو مشکل اپنی اولاد کو پہچان سکیں گے۔(۲) قومی شوکت اور ملکی حریت اقتصادی اقبالمندی اور ترقی پر منحصر ہے۔ ایران۔ ترکی اور چین کی حالت شاہد ہے (۳) جب تک ہم اپنے کو حکومتی ذمہ داریوں کا اہل نہ بنالیں اور اپنی صلاحیت کو تجربہ سے پختہ نہ کرلیں ہم نیابتی ذمہ داریوں کے قیام میں ہرگز کامیاب نہ ہوسکیں گے۔(۴) سب سے مقدم شرط ہندو مسلمانوں اور دیگر گروہوں کا اتحاد باہم ہے۔ جس کے بغیر سوراج مہمل ہوگا۔

جے۔آر۔رلے

مطبوعات اُردو اکیڈمی

ہندوستان کی بہبودی اور ترقی کیلئے یہ امر اب ضروری سمجھا جاتا ہے کہ ہندوستانی زبانوں میں اعلےٰ قسم کی علمی و ادبی کتابوں کا ذخیرہ فراہم کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ اہم کام اس وقت تک اچھی طرح انجام نہیں پا سکتا۔ جب تک ملک خصوصیت کے ساتھ ہماری ہمدردی نہ کرے۔ اسوقت تک جو کتابیں اُردو اکیڈمی نے شائع کی ہیں ان میں سے چند کے نام ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔ باوجود کہ ہندوستان کی تقریباً ہر اُردو کی اچھی پبلک لائبریری میں یہ کتابیں موجود ہیں اور ضرورتمند اصحاب اپنے مقامات کی پبلک لائبریریوں میں انکو دیکھ سکتے ہیں لیکن کتابوں کا شوق رکھنے والے حضرات سے توقع ہے کہ وہ انکو خود خرید کر اپنے ذاتی کتبخانوں میں جگہ دیں گے۔

تاریخ الامت۔ تاریخ اسلام کا وہ سلسلہ جو صحیح تاریخی اُصول اور تحقیق و تنقید کیساتھ مولانا حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری پروفیسر تاریخ اسلام جامعہ ملیہ اُردو خواں پبلک کیلئے تالیف فرمائے ہیں۔ طرز تحریر نہایت سادہ اور زبان بہت سلیس اور عام فہم۔ جامعہ ملیہ دہلی اور محکمۂ تعلیم صوبہ متوسط برار نے اسکو اپنے مدارس کیلئے پسند کیا ہے۔

(۱) حصہ اول سیرۃ الرسول ۱۲ر (۲) حصہ دوم خلافت راشدہ عہ ۱۲ر (۳) حصہ سوم بنی اُمیہ عہ (۴) حصہ چہارم خلافت عباسیہ عہ ر (۵) حصہ پنجم خلافت عباسیہ جلد دوم عہ

گیٹے اور بیٹنا[1]

ویمر مین ہر طرف لوٹ مار ہو رہی تھی۔ لوگ خائف و حواس باختہ تھے مگر گیٹے کو سب سے زیادہ منتشر یہ تھا کہ اُسکی محققانہ تصنیفات کے مسوّدے ضائع نہ ہو جائین۔ شراب نقرئی ظروف اور دیگر سازوسامان تو پھر بھی مہیّا ہو سکتا ہے۔ لیکن ان مسودون کا نقصان ایسا تھا جسکی تلافی ناممکن تھی۔

ہرڈر HERDER. کی تصانیف جو اسکی زندگی مین شایع نہین ہو سکی تھین تلف ہو گئین۔ میٹر کا ایک مرقع بھی نہین بچا۔ لیکن گیٹے کا نقصان شراب و سیم و زر تک محدود رہا۔

ڈیوک نے شاہ پروشیا کے فرمان سے نپولین کے مقابلے مین ہتھیار رکھدیئے اور ویمر کی طرف مراجعت کی۔ رعایا نے محبت بھری سرگرمی سے خیر مقدم کیا اور اس طرح اُس بیحرمتی کا جو دوران جنگ مین برداشت کرنا پڑی تھی کچھ نہ کچھ معاوضہ ہو گیا۔ صلح کے بعد ویمر مین دوبارہ چہل پہل نظر آنے لگی۔ گیٹے نے اِس دور امن سے فائدہ اُٹھاکر "فارین لہری" اور "فاؤسٹ" کو شائع کیا تاکہ یہ کتابین دستبرد زمانہ سے محفوظ ہو جائین۔ ولیم ٹل کے متعلق ایک رزمیہ نظم لکھنے کا بھی قصد کیا تھا لیکن ڈچس امیلیا کے انتقال نے اس خیال کو اُسکے ذہن سے نکالدیا۔

۲۳ اپریل ۱۸۰۷ء کو ویمر مین بٹینا کے قدم آئے۔ یہان پر اس عجیب و غریب ہستی کے متعلق ہمین غور کرنا چاہیئے انیسوین صدی کی ادبی تاریخ مین جتنا حصہ اس عورت نے لیا ہے۔ جرمنی کی کسی دوسری عورت نے نہین لیا۔ ہر شخص اس "بچّہ" "بٹینا برنیٹنو" BRENTANO سے واقف ہے وہ میکسیملن برنیٹنو کی لڑکی تھی۔ اور اس میکسیملن برنیٹنو سے فرنیکفورٹ کے دوران قیام مین جب "ورور" WERTHER. تصنیف کر رہا تھا گیٹے اظہار تعشق کیا کرتا تھا۔ بٹینا آشم فان آرنیم کی بیوی تھی جو افسانہ نگار تھا بٹینا گیٹے اور بیتھوون کی پرستش کرتی تھی کچھ عرصہ تک شاہ پروشیا کی منظور نظر بھی رہ چکی تھی

[1] BETTINA

اور اُس دلچسپ مگر غیر معتبر کتاب کی مصنفہ ہے جسکا نام "گیٹے کی مراسلت ایک بچے سے"

GOETHE'S CORRESPONDENCE WITH A CHILD.

ہے۔ وہ ایک ایسی خیالی زندگی بسر کرنے والی عورت معلوم ہوتی ہے۔ جسکو ہر قسم کی آزادی حاصل تھی۔ بلکہ بجائے عورت کے اُسے ایک شریر پری کہنا چاہیئے جسکی ذہانت کی شعاعین خلاف واقع باتون کے صفحے کے صفحے چوندھیا دینے والی روشنی سے منور کردیتی ہین۔ نقادون کی عقل حیران ہے۔ جو رائے اُسکے بارے مین قائم کرتے ہین غلط ثابت ہوتی ہے۔ اگر تم اُسکے متعلق سنجیدگی سے گفتگو کرو تو لوگ اپنے شانے کو جنبش دیکر کہدیتے ہین کہ وہ برینٹینو ہے گویا تمام بحث ختم ہوگئی۔ جرمنی مین یہ قول بطور ضرب المثل رائج ہے کہ جہان دوسرے لوگون کی نادانیان ختم ہوتی ہین خاندان برینٹینو کے افراد وہان سے ابتدا کرتے ہین۔

بٹینا کی تحریرون کو ہم بہت سختی سے پرکھنا نہین چاہتے۔ ہم اُسکے تخیل کو کامل آزادی دینا چاہتے ہین۔ اور شکرگزار ہین کہ اُسنے گیٹے کے وہ جاذب توجہ واقعات سپرد قلم کیے جو گیٹے کی مان سے دریافت ہوئے۔ تاہم اُس نے جو اپنے تعلقات گیٹے کے ساتھ بیان کیے ہین۔ متانت اور احتیاط کے ساتھ ان کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ ان کی بناپر گیٹے کے ذمہ ایسے اتہامات عائد کیے جاتی ہین جو نہ صرف بے بنیاد ہین بلکہ اُسکی یاد اور شہرت کو صدمہ پہنچاتے ہین۔

وہ لوگ جو غیر مشتبہ نظرون سے بٹینا کی تصنیف کا مطالعہ کرتے ہین۔ گیٹے سے سرگرمی کے ساتھ اُسکے اظہار محبت کے متعلق جو چاہین کہین۔ اور اُسکے طرز عمل کے متعلق جو گیٹے کے ساتھ رہا جو چاہے خیال کرین لیکن گیٹے کی طرف سے جب سرد مہری کا برتاؤ دیکھتے ہین تو ضرور آزردہ ہوتے ہین۔ بعض لوگ اس وجہ سے گیٹے کو ملامت کرتے ہین کہ وہ اُس مجنونانہ جذبۂ محبت کو بٹینا کے سینہ مین مشتعل کرتا رہا اور اپنی نظمون اور مدح سرائی سے اس شعلہ کو اور برانگیختہ کیا۔ اور اس سب کا منشا یہ خود غرضانہ خواہش تھی کہ بٹینا کے خطوط سے اپنی نظمون کے لیے مسالا فراہم کرے۔

یہ دونون رائین سراسر خلاف واقع ہین۔ یہ سچ ہے کہ مراسلت مین دونون کے واسطے کافی شہادت موجود ہے۔ اور ان کے خلاف ہمارے پاس صرف ایک ثبوت ہے۔ مگر یہ ثبوت قطعی ہے۔ یعنی یہ مراسلت ایک فرضی افسانہ ہے۔ اگر اس جرم کا ارتکاب ایک عورت اور وہ بھی برینٹینو کے بجائے کسی مرد

سے ہوتا تو ہم افسانہ سے زیادہ سخت لفظ استعمال کرتے کیونکہ افسانے کو افسانے کی شکل مین نہین بلکہ بطور سوانح عمری پیش کیا گیا ہے۔ گویا تمام تر واقعات ہین نہ کہ واقعات کی بنیاد پر ایک مصنوعی قصہ۔ یہ طے کرنا مشکل ہے کہ اس مراسلت مین کسقدر حقیقت ہے اور کسقدر مبالغہ اور کس قدر کذب۔ رامر گیٹو کا معتبر اور دیرینہ دوست تھا۔ اور جس وقت بٹینا اور گیٹے کا سامنا ہوا گیٹے کے ساتھ مقیم تھا اُس نے ثابت کیا ہے کہ یہ مراسلت ایک افسانہ ہے۔ جس نے حقیقت سے صرف وقت جگہ اور متعلقات مستعار لیے ہین اسکے علاوہ دیگر ذرائع سے بھی ہمکو کافی علم ہوا ہے کہ بٹینا اور گیٹے کے تعلقات کو ایک دوسری روشنی مین دیکھنا چاہیئے جو بٹینا کی تصنیف سے مختلف ہے۔

ایک نوجوان اور شوخ و شنگ عورت اس بلند پایہ شاعر کی دور سے پرستش اور خطوط کے ذریعہ سے اظہار محبت کرتی ہے۔ اُسکی ماں کی خدمت گزاری مین مصروف رہتی ہے۔ ماں اپنے لڑکے کی تعریف نہایت ذوق و شوق سے سنتی ہے اور خود بھی اُسی کی باتین کیا کرتی ہے۔ شاعر اس عورت کی غیر معمولی ذہنیت سے متاثر ہوتا ہے اور چونکہ اُسکی ماں کی خدمت کی جاتی ہے ممنون بھی ہے۔ اس عورت کو شفقت آمیز خطوط لکھتا ہے۔ مگر اس احتیاط سے کہ لگاوٹ کا شبہ پیدا نہو۔ عورت بلا کام و بلا اُسکی ملاقات کو آتی ہے اور آنکھین چار ہوتے ہی اُسکے آغوش مین گر کر اپنے ہی قول کے مطابق جو زیادہ قابل اعتبار نہین سو جاتی ہے۔ اُسکے بعد ہمیشہ اپنی محبّت کا اظہار اور اپنے رشک کی نمایش کرتی ہے،

اگر یہ قصّہ سچ ہے تو گیٹے بہت سٹ پٹایا ہوگا۔ ایک شخص جس کی عمر ۵۸ سال ہے ایک لڑکی اُس کی پرستش (اگرچہ عمر کے لحاظ سے بٹینا جوان تھی مگر صورت سے بچّہ معلوم ہوتی تھی) اور اس شدت سے اظہار محبّت کرتی ہے۔ جسمین کچھ تو جنون کچھ ضد اور کچھ خصوصیات بر ببٹینو کی آمیزش پائی جاتی ہے۔ وہ بیچارہ کیا کرے۔؟

۱۔ بٹینا کے عشق سے کمینہ فائدہ اُٹھائے؟

۲۔ بٹینا کو سختی سے دور باش کہے۔؟

۳۔ اُسکی فریفتگی پر محض مسکرائے اور اُسکے سر کو تھپکے جس طرح کسی باتونی اور دل لبھانے والے بچّے سے لاڈ پیار کیا جاتا ہے۔ گیٹے نے آخر الذکر طریقہ اختیار کیا یہانتک کہ طریقۂ دوم اختیار کرنے پر مجبور ہو گیا۔ بٹینا کی افراط محبت نے اس امر کو ناگزیر بنا دیا۔

بٹینا کی دلربایانہ اور متلّون دلوں نے اوّل اوّل اُسے محظوظ کیا اُسکی ذہانت وجودت طبع نے کشش پیدا کی لیکن جب یہ مظاہرے دخل در معقولات کی حد تک پہنچ گئے اور سرگرانی کا باعث ہونے لگے تو گیٹے اکثر فہمائش کرنے لگا اور آخر کار اُسکا تحمّل قریب قریب جواب دے گیا۔ اس قسم کے تعلقات کا قائم رہنا یقینا محال تھا۔ بٹینا بچوّن کی طرح آزاد رہنا چاہتی تھی لیکن یہ پسند نہین کرتی تھی کہ اُسکے ساتھ ویسا طریق برتا جائے۔ گیٹے عاجز آگیا۔

رائمر کا بیان ہے کہ اسی زمانے مین بٹینا نے زبین سے گیٹے کی سرد مہری کی شکایت کی۔ وہ کہتا ہے کہ یہ ظاہری سرد مہری دراصل صبر تھا۔ اور بیٹنا کی شوخ چشمی اس صبر کا نہایت سخت امتحان لے رہی تھی۔ بیٹنا ویمر سے چلی گئی اور ۱۸۱۱ء مین دوبارہ آئی۔ اس مرتبہ اپنے طرز عمل سے اُس نے گیٹے کو ایسا موقع دیا کہ اُس نے ہمیشہ کے واسطے قطع تعلق کر لیا۔ اپنے اس فعل سے گیٹے کو بجائے تاسفُ ندامت کے بیحد خوشی ہوئی۔ وہ واقعہ درج کیا جاتا ہے۔

ایک دن بیٹنا گیٹے کی بیوی کے ساتھ فنون لطیفہ کی نمایش دیکھنے گئی۔ جسمین گیٹے کو بہت دلچسپی تھی وہان بیٹنا نے تمام کاملین فن کی مذمت شروع کی خصوصًا جو الفاظ اُس نے میئر کے متعلق زبان سے نکالے اُن سے گیٹے کی بیوی کرسٹین بہت ناراض ہوئی اور بیٹنا کو جھڑک دیا۔ پھر کیا تھا دونون مین خوب تو تو مین مین ہوئی اور ایک نے دوسرے کی آبروریزی مین کوئی دقیقہ اُٹھا نہین رکھا۔ گیٹے نے اپنی بیوی کی طرفداری کی اور بیٹنا کو اپنے گھر مین آنے کی ممانعت کر دی۔ ایک دوسرے موقع پر بیٹنا نے ویمر مین گیٹے کی بہت منت سماجت کی کہ ملاپ کر لے مگر اُسکی سعی بے سود ثابت ہوئی۔ گیٹے اپنے عزم مین ثابت قدم رہا۔ اور ایسے ارتباط کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا۔ جو دوستی مین شمار نہین ہو سکتا تھا اور جس سے سوا تنغص کے کوئی نتیجہ نہ تھا۔

اصلی قصہ یہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا اور جسے تصنّعات کی گتھیون سے علیحدہ کیا گیا ہے۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ گیٹے پر جو دو الزام لگائے جاتے ہین کہ پہلے تو اُس نے بیٹنا سے پینگ بڑھائے اور پھر آنکھین پھیر لین اور دوسرے یہ کہ اُس نے بیٹنا کے خطوط سے اپنی نظمون مین کام لیا "مراسلت" ان الزامات کے سلسلے مین کسی حد تک قابل اعتبار ہے۔

رائمر انکار کرتا ہے کہ گیٹے نے بیٹنا سے کبھی اظہار محبت کیا وہ بجا طور پر سوال کرتا ہے کہ اگر یہ

سچ ہے تو پھر یہ کیا بات ہے کہ ویمر مین موجودگی کے وقت تو گیٹے اُسکے ساتھ رکھائی کرتا ہے جسکی وہ خودشاکی تھی لیکن اُسکی عدم موجودگی مین والہانہ شوریدگی کا اظہار نظمون کی شکل مین ہوتا ہے۔ رائمر اس راز کا پردہ فاش کرتا ہے۔ اُسکا دعویٰ ہے کہ ان نظمون کا روئے سخن بٹینا کی طرف نہین ہے۔ گیٹے نے وہ نظمین اُسے بھی بھیجین جس طرح دوسرے دوستون کو بھیجا تھا۔ اور جن نظمون کو بٹینا کہتی ہے کہ میرے سبب سے معرض وجود مین آئین اُن کا محرک اور مخاطب صحیح کوئی اور تھا۔ اُسکا ثبوت نہایت سادہ و صاف ہے۔ یہ نظمین بٹینا کے ویمر مین داخلہ کے قبل لکھی گئی تھین اور گیٹے کی دوسری تصانیف کی طرح رائمر کی نظر سے گزر چکی تھین اسکو معلوم تھا کہ ان عشقیہ نظمون مین کس کی طرف اشارہ ہے اگرچہ اُس نے نام نہین لیا۔ مگر اب اُس نام کے چھپانے کی کوئی وجہ نہین اور ہم بتاتے ہین کہ وہ نظمین مینا ہرزلیب MINNA HERZLIEB کے لیے لکھی گئی تھین اس سلسلہ کی آخری نظم مین اُسکے نام کا معمہ بھی موجود ہے۔ بٹینا نے صرف یہی نہین کیا ہے کہ اُن نظمون کو غصب کر لیا ہو جو گیٹے نے بمقام جینا JENNA لکھی تھین اور اُس وقت بھی رائمر اُسکے ہمراہ تھا اور جن کی محرک ایک ایسی شخصیت تھی جو اُسوقت جینا مین موجود تھی بلکہ اُن نظمون کو بھی اپنی طرف منسوب کر لیا ہے جو ۱۸۱۳ء اور ۱۸۱۹ء کے مابین لکھی گئی تھین جسوقت بٹینا آرنم فان آرنیم کی بیوی تھی اور ۱۸۱۱ء کے بعد گیٹے نے اُسکو اپنے گھر مین آنے سے قطعاً روک دیا تھا۔ ایک عورت پر گھر کے دروازے بند کر دینا اور پھر اُسکو عشقیہ نظمین لکھنا اُس سے ایسا خنک برتاؤ کرنا کہ وہ شکایت کرے اور پھر اُس پر ایسی نظمین نچھاور کرنا جن مین محبت کی تپش ہو ایسا طرز عمل ہے کہ مراسلت مین جو شہادت ہے اُسکے باور کرنے کو ناکافی ہے لہذا ہمین رائمر کے اس قول پر تعجب نہین ہوتا کہ

"بٹینا کے بعض خطوط گیٹے کی نظمین ہین جن مین بعض جگہ اُن نظمون کے اوزان و قوافی تک موجود ہین"

بجائے اسکے کہ گیٹے کی نظمین بٹینا کے خطوط کی منت پذیر ہون رائمر بٹینا کو الزام دیتا ہے کہ اُس نے گیٹے کی نظمون کو اپنے خطوط مین شامل کر لیا ہے۔ یہ الزام ایسا کھلا ہوا اور ایسا صاف تھا کہ اگر حقیقت کے خلاف ہوتا تو فوراً اُسکی تردید کیجاتی اور گیٹے کے اصل خطوط معہ لفافون کے جن پر ڈاک کی مہرین ہوتین پیش کیے جا سکتے تھے تاکہ الزام دینے والے ہمیشہ کے واسطے خاموش ہو جاتے لیکن کئی برس گذر گئے اور

کسی کو جواب دینے کی ہمت نہین ہوئی اس معنی خیز خاموشی نے "مراسلت" کو پایۂ اعتبار سے ساقط کر دیا۔

آخر مین اسقدر اضافہ کی ضرورت ہے کہ بیٹینا کے خطوط جب فرضی ثابت ہو گئے تو جسقدر رائے زنی ان کی بنا پر گیٹے کے خلاف کیجاتی ہے مسترد ہو گئی۔ بلکہ غور کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ اس سے زیادہ کذب و افترا نہین ہو سکتا کہ گیٹے نے بیٹینا کے خطوط سے اپنی نظمین لکھنے مین فائدہ اُٹھایا کیونکہ اُسکی تخیل بے پایان اور اُس کی قوت اختراع نامحدود تھی۔ علاوہ برین یہ شرف صرف گیٹے کو حاصل تھا کہ ہمیشہ اپنے ہی جذبات کی ترجمانی اور اپنے ہی تجربات کو قلمبند کرتا تھا نہ کہ دوسرون کا دست نگر ہو۔

غالبًا اس مضمون کو پڑھنے کے بعد ناظرین کو اشتیاق ہو گا کہ بیٹینا کے خطوط کیسے ہوتے تھے۔ نمونتہً ایک خط کا ترجمہ شامل کیا جاتا ہے۔

گیٹے کے نام بیٹینا کا خط

"مین تمکو کیا لکھون کیونکہ مغموم ہون اور ایسی کوئی نئی بات ذہن مین نہین جس کا تم خیر مقدم کرو کچھ لکھنے کے بجائے شاید یہ مناسب ہو کہ تمہین سادہ کاغذ بھیجدون۔ دل کی بات الفاظ مین ادا نہین ہو سکتی۔ تم اُس سادہ کاغذ کو اپنے فرصت کے اوقات مین تحریر سے مزّین کر کے میرے پاس بھیجدو۔ آہ کسقدر خوشی ہو! جب مین وہ نیلا لفافہ دیکھون اور تعجیل و بے صبری سے چاک کر دون۔ کیونکہ تمنا ہمیشہ آسودگی کی امیدوار رہتی ہے۔ پھر اُن الفاظ کو پڑھون جو کبھی تمہارے ہونٹون سے نکلکر مجھپر جادو کرتے تھے"۔

"پیاری لڑکی! اے سرمایۂ راحت! میری واحد معشوقہ! میری ننھی منّی دلبر!" وہ محبت آگین الفاظ جنہون نے میرے دماغ کو عرش پر پہنچا دیا اور جن سے میرے دھڑکتے ہوئے دل کی تسلّی ہوتی تھی۔ آہ! اُن الفاظ کے سوا مین اور کچھ نہین چاہتی وہی دوبارہ ملجائین۔ یہان تک کہ وہ بات بھی کاغذ پر پڑھ لون جو تم میرے کان مین کہتے تھے۔ وہ الفاظ جن سے تم میری روح کو سیراب کیا کرتے تھے۔ کسقدر شیرین و خوش آیند تھے۔ مین اپنی نظر مین آپ خوبصورت معلوم ہوتی تھی۔ . . . .

. . . .

جب مین تمہارے بازو پر سہارا دیکر مصروف گلگشت ہوتی تھی وہ زمانہ کسقدر دور معلوم ہوتا ہے۔ مجھے طمانیت خاطر حاصل ہوتی تھی تمام خواہشین سو جاتی تھین جس طرح بخارات

بلند ہو کر پہاڑ کے رنگ و پیکر پر چھا جاتے ہین - مجھے خیال تھا کہ زندگی اسی نامحسوس طریقہ سے اپنے مدارج طے کرے گی - ترقی ہوگی مگر زحمت کا سامنا نہو گا - رفتہ رفتہ زمین سے گذر کر طوفانی سمندر مین داخل ہونگے دلیری و غرور کے ساتھ تازہ و خنک ہوا مین اپنے علم کا پھریرا کھولے ہوئے -

لیکن گیٹے! آتش مزاج شباب فصل بہار کی آمد کا مشتاق رہتا ہے - شام کے دھندلکے مین بلبلین خاموش نہین رہ سکتین بلکہ اپنی خوشی کو نغمون مین منتقل کر دین گی - دنیا ایک سرسبز شاداب پُر میوہ و ثمر باغ بن جائے گی - سب لوگ یہان رنگ رلیان منانے جمع ہونگے - عیش و مسرّت کا نشہ ان کی رگ و پے مین ساری ہو جائے گا - اور جوش کھاتی ہوئی شراب کی طرح اُبلے گا - ایسی شراب جو کفت آلودہ رہتی ہے - جب تک ظرف مین نہ ٹھہر جائے - ہم اس کیف مسرّت مین غرق ہو جائینگے - جس طرح آفتاب سمندر کی موجون مین ڈوب جاتا ہے اور اُسی کی طرح اُبھرینگے بھی! گیٹے! یہی تمہارا حال ہے - کوئی نہین جانتا کہ عالم بالا کے پیغام تم تک کس وسیلہ سے آتے ہین - تم کیا کیا طلب کرتے ہو اور منہ مانگی مراد ملتی ہے - یہی وجہ ہے کہ تم مئے مسرّت سے سرشار رہتے ہو -

جب آفتاب غروب ہوتا ہے زمین اُسکی تابندگی جذب کر لیتی ہے - آہستہ آہستہ اپنے آتشین بازؤن کو سمیٹتی اور رات بھر کے لیے آفتاب کو اپنے آغوش مین اسیر کر لیتی ہے - سنسار پر خاموشی طاری ہوتی ہے اور تاریکی مین آرزوئین چپکے چپکے اُبھرنا شروع ہوتی ہین - ستارے جھانکتے اور آنکھین جھپکاتے ہین - مگر اس پردے کو چاک نہین کر سکتے - - - - - - - -

اُن کا دل کمزور ہوتا ہے جو عشرت کے مستمند ہوتے ہین خوشی سے کانپتا ہے دھڑکتا ہے قبل اسکے کہ محبوب کے خیر مقدم مین ایک لفظ بھی منہ سے نکلے - ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زمین اپنی خوشی کی مدمقابل نہین -

گیٹے! تمہین سمجھنے کو حواسون کی شدید قوت درکار ہے - محبت کو سب پر مسلّط ہو جانا چاہئے کیونکہ عوام جسے معشوق کا ملنا کہتے ہین میرے اعتقاد مین عشق ابد تک ساتھ ہی

یہ دشواری ہے کہ حقیر سے حقیر واقعہ اُمید کے آبگینے کو چور چور کر دیتا ہے۔

مجھے یہ ہم درپیش ہے کہ اپنے آپ کو تمہارے لیے وقف کر دوں۔ لیکن تم پر قابو نہو حالانکہ تم سے زیادہ کسی کی آرزو نہین۔!

مین اگر ناوانی کی باتین کرتی ہون تو مجھے معاف کر دو میں بہت کمسن ہون۔ آہ میری روح مین علم کی تشنگی نہین ہے۔ مین محسوس کرتی ہون کہ جو کچھ نہین جانتی وہ سیکھ نہین سکتی۔ مجھے انتظار کرنا چاہیئے جس طرح صحرا مین پیمبر منتظر رہتے تھے کہ زاغ و زغن ان کے واسطے آذوقہ مہیا کرین۔ یہ تشبیہ چندان ناموزون نہین ہے۔ کیونکہ میری روح کو ہوا کے ذریعہ سے غذا پہنچتی ہے۔ اکثر ایسے وقت جب فاقہ کشی کی نوبت ہوتی ہے۔

جب سے مین نے تم سے محبت کی ہے کوئی شے میری روح مین متحرک رہتی ہے۔ مگر میرے دسترس سے باہر ہے۔ ایک طلسم ہے جسمین میری تقویت کا راز پنہان ہے جس طرح پکے ہوئے پھل درخت سے گرتے ہین خیالات میری روح تک پہنچتے ہین میرا اضمحلال دور ہو کر تازگی حاصل ہوتی ہے۔

گیتے اگر کسی فوارہ مین روح ہوتی تو وہ بھی اس چاؤ سے روشنی کی طرف نہ اُبھرتا اور اس طرح چھلکنے کی کوشش نہ کرتا۔ جس طرح مین اعتماد کامل کے ساتھ اس نئی زندگی سے ہم آغوش ہونے کو بیتاب ہون۔ اور یہ زندگی مجھ تک تمہارے وسیلے سے پہنچتی ہے مجھے یقین ہے کہ حیات کی ایک بلند تر تحریک رسم و قیود کی چار دیواری کو گرا دیگی اور گذشتہ سکون و اطمینان کو الہام کی کف در دہان موجین بہا لیجائین گی۔ محبت کرنے والی روح اس عظیم الشان تکمیل کی اُسی طرح متمنی رہتی ہے جس طرح تازہ و شاداب زمین مین دفن کیا ہوا تخم برگ و شگوفہ کا منتظر رہتا ہے۔ بعینہ یہی کیفیت میری ہے۔ تم میرے لیے ایسی زمین ہو جو مبارک و بار آور ہے۔ مین بتا سکتی ہون کہ کیا ہوتا ہے جب تخم کے سخت پوست کو توڑ کر کونپل پھوٹتی ہے۔ اذیت ہوتی ہے! موسم بہار کے تبسم اطفال آنسوؤن مین پیدا ہوتے ہین!

گیٹے مرد پر کیا گزرتی ہے؟ وہ کیا محسوس کرتا ہے؟ اُسکے دلمین جو آتش سیال سے لبریز پیالہ ہے کیا انقلاب رونما ہوتا ہے۔

مین تم سے اپنی غلطیون کا بخوشی اعتراف کرتی لیکن محبت نے مجھے ایک خیالی مخلوق بنا دیا ہے تم میرے واسطے ہماری ملاقات کے پہلے ہی بہت کچھ کرچکے تھے جسکی مجھے ہوس تھی مگر اُمید نہ تھی اُس سے بھی زیادہ تمنے مجھے سربلند کیا! "بٹینا"

اثر لکھنوی

ترتیب مقدمہ

PLEADINGS IN URDU.

یہ امر قابل افسوس ہے کہ فی زمانہ ترتیب مقدمہ کی دقفیت پر خاطر خواہ زور نہین دیا جاتا ہے۔ ہر مقدمہ کے سرسبز ہونے کے لیے مقدمہ کی عمدہ ترتیب کی اشد ضرورت ہے۔ اکثر عمدہ مقدمات کا قلعہ مین اسی کمزوری کی وجہ سے غارت ہوجاتے ہین۔ بعض وقت عرضی دعویٰ یا بیان تحریری کی عبارت کے کسی نقص کی وجہ سے نہ صرف موکلون کو حیرانی و پریشانی ہوتی ہے اور ان کا نقصان مال ہوتا ہے۔ بلکہ عدالت کا بہت وقت فضول ضائع ہوتا ہے۔ پلیڈنگس پر یونتو انگریزی مین بہت سی کتابین موجود ہین مگر اب تک اس موضوع پر اردو زبان مین کوئی خاطر خواہ کتاب نہ تھی۔ اس بات کا خیال رکھتے ہوئے کہ اس صوبہ کی عدالتی زبان اُردو ہے اور زیادہ تر عدالت کی کارروائی اُردو مین ہوتی ہے۔ اس کتاب کی کمی محسوس کیجاتی تھی مسٹر بنالال بی۔ اے۔ ایل ایل بی۔ وکیت ہائیکورٹ شکریہ مستحق ہین کہ انھونے اب اس ضرورت کو رفع کر دیا ہے۔ کتاب بسیط اور جامع ہے۔ قریب قریب ہر نوعیت کے عرضی دعوے اور بیان تحریری کے نمونے درج ہین روزمرہ کی پریکٹس مین جو مختلف اقسام کے مقدمات آیا کرتے ہین ان سب کے متعلق بہت کچھ وقفیت بہم پہنچائی گئی ہے۔ اسکے علاوہ مختلف درخواستون کے نمونے بھی دیئے گئے ہین یہ کتاب خاصکر نو آموز وکلاء کے لیے بہت مفید ہے۔ امید کہ وکالت پیشہ اصحاب کتاب کی قدر کرینگے۔ لکھائی چھپائی نہایت عمدہ ہے۔ ضخامت ۵۰۹ صفحون سے زائد قیمت چھ روپیہ چار آنہ (للعہ) مصنف سے طلب کیجے

رائے کنہیالال دلؔ بریلوی

کنہیالال نام دلؔ تخلص سکسینہ کایستھ رائے بہادر منشی درگاپرشاد مرحوم کے پسر اکبر تھے۔ رائے بہادر مرحوم عربی۔ فارسی۔ انگریزی، سنسکرت، چارون زبانون مین منتہی تھے۔ ۱۸۷۰ء سے ۱۸۸۵ء تک انسپکٹر مدارس کے عہدہ جلیلہ پر فائز رہے۔ لکھنؤ صدر مقام تھا۔ جھاؤلال کے پل پر مکان تھا۔ پنشن لیکر اپنے وطن بریلی مین سکونت پذیر ہوئے۔ آنریری مجسٹریٹ ہونے کے علاوہ پبلک اور گورنمنٹ کی جانب سے تاحیات مختلف اعزازی خدمتین انجام دیتے رہے۔ بریلی کے ممتاز عمائدین تھے۔ بلکہ بریلی کو آپ کی ذات پر ناز تھا۔ سنہ ۱۸۹۴ء مین انتقال فرمایا۔

رائے کنہیالال صاحب مرحوم کا سنہ ولادت ۱۸۵۰ء ہے فارسی کے عالم متبحر، انگریزی زبان کے زبردست ماہر۔ طب مین دستگاہ کامل رکھتے تھے انگریزی زبان مین کیننگ کالج لکھنؤ مین اگرچہ صرف انٹرنس کلاس تک تعلیم پائی تھی۔ لیکن شوقِ کتب بینی اور مزاولت تحریر سے رفتہ رفتہ وہ استعداد بہم پہونچائی تھی۔ کہ اہل زبان فضلا آپ کی طرز گفتگو اور اسلوبِ تحریر پر حیرت کرتے تھے۔ آپ نے اپنے انگریزی مراسلات کی نقول کا جو ضخیم مجموعہ چھوڑا ہے وہ آپکی قابلیت کی روشن اور گرانبہا شہادت ہے۔ طب بھی لکھنؤ مین کسی طبیب حاذق سے سیکھی تھی۔ اپنے خاندان کے خود ہی معالج ہوتے تھے دوست احباب کو بھی ضرورت کے وقت اس خدمت سے منع نہین فرماتے تھے۔ کسی غریب یا نادار شخص کا ایسی صورت مین بخوشی علاج کرتے تھے جبکہ اُسکا مرض عام نہ ہوتا تھا۔ معاوضہ لینا گناہ سمجھتے تھے۔ اپنے مریض سے صرف یہ وعدہ لیا کرتے تھے کہ شفا پانے کے بعد تم مجھ کو ن کو کیا کھلاؤگے۔ یا بچون کو کیا تقسیم کروگے اور وہ حسب حیثیت ہوتا تھا۔

دلؔ مرحوم خوشرو، خوش، قامت کشادہ پیشانی میانہ اندام بزرگ تھے۔ وضع خاص لکھنوی تھے اور طبیعت مین وہی نفاست اور لطافت چیہ کلیا انگرکھا چوڑ میدا پاجامہ

دوپلّی ٹوپی پہنتے تھے۔ آخر مین بڑی دشواریون کے ساتھ یہ وضع قائم رہ سکی کوٹ پتلون کا رواج بڑھا اس لباس کے سینے والے معدوم ہو گئے۔

آپ کی ذات بابرکات فضائل انسانی کی جامع تھی، تواضع انکسار، رحمدلی، خودداری، راستبازی، جود و سخا، توکل، رضا و تسلیم طبیعت کے خاص جوہر تھے۔ مذہب کے صوفی عارف باللہ جنید ایسے واقعات آپ سے یادگار ہین جنکو صحیح معنی مین کشف خرق عادت کہہ سکتے ہین۔

سلسلۂ تعلیم منقطع ہونے کے بعد آپ لکھنو یا لکھنو کے نواح مین کسی ہائی اسکول مین ماسٹر مقرر ہوئے اور بہت جلد ترقی کر کے ڈپٹی انسپکٹر مدارس کے عہدے پر فائز ہوئے۔ چند سال کے بعد ملازمت ترک کر دی۔ اسلئے کہ ضعیف العمری مین اپنے بزرگ والد کی خدمت کرنا اپنا ایمان سمجھا ان کی وفات پر بروئے وصیت نامہ تمام جائداد پر قابض و متصرف ہوگئے۔ جس کی آمدنی وافر تھی۔ بھائیون نے درِ عدالت کھٹکھٹایا۔ بیس بائیس سال تک یہ ناخوشگوار سلسلہ بلائے بے درمان کی طرح جاری رہا۔ جس سے ہوتے ہوتے تقریباً تمام جائداد تباہ ہوگئی۔ آخر عمر مین پندرہ سولہ سال مصائب و آلام دنیوی کا آپ پر وہ تواتر و تسلسل رہا جو خاصان خدا کا ورثہ ہے۔ آخر کار ۲۸ رفروری ۱۹۲۴ء کو بصورت فالج وہ بجلی آسمان سے گری جس نے تمام جانکاہیون کا خاتمہ کر دیا۔ حقیقتاً یہ دور سخت ابتلا و آزمایش کا دور تھا۔ ایک طرف جور آسمانی دوسری طرف زمانہ کی ناساعدت جس کی پُر درد داستان بیان کرنے کی نہ دلمین قوت ہے نہ موقع مقتضی۔ بظاہر اس تباہی و آلام کی وجہ وہ بیگانگی خاطر تھی جو دنیا کی بےثباتی۔ عبرت اور فقر کا نتیجہ ہے جسکو دنیا والے لاپروائی اور عدم توجہی سے تعبیر کرتے ہین۔ ؎

وہ یاد ہے اُسکی کہ بھلا دے دو جہان کو
حالت کو کرے غیر وہ یارانہ ہے اُس کا

آپ کا بیشتر وقت مولانا روم، شمس تبریزی، حافظ شیرازی، مرزا صائب کے کلام کے مطالعہ اور اپنے پیر و مرشد بابا بنارسی واس کی صحبت مین گزرتا تھا جنکے فیض سے طبیعت پر ہر دم ایک استغراقی کیفیت طاری رہتی تھی۔ کیسا ہی عظیم سانحہ یا صدمہ آپ پر گزر گیا مگر کبھی اُف نہین کیا۔ ہر تیر کو منجانب دوست سمجھکر پہلوئے دلمین جگہ دیتے تھے اکثر پڑھا کرتے تھے۔ ؎

نشۂ عشق بہ پیمانۂ آزار دہند　　ہر شگافِ دلِ خود را درِ میخانہ شمر

اپنے والد کی وفات کے بعد بہت آسان تھا کہ آپ بھی اُن کے اعزاز حاصل کر لیتے مگر کبھی جاہ طلبی کی طرف توجہ نہین کی بلکہ اسکو عار سمجھتے تھے۔ اگر کوئی اس قسم کا ذکر کرتا تو اُس کو یون سمجھا دیتے تھے۔

طلب دنیا کی کرکے زن مریدی ہو نہین سکتی — خیال آبروئے ہمت مردانہ آتا ہے

پرتو منت کند دلہائے روشن را سیاہ — میکشد دست حمایت شمع مغرور مرا

در پہ شاہون کے نہین جاتے فقیر اللہ کے — سب جہان رکھتے ہین سر ہم وان قدم رکھتے نہین

درحکومت واختیار کی دربانی سے ہمیشہ نفرت رہی۔ ایک موقع پر ایک صاحب سے ملنا ناگزیر ہو گیا ان کا طرز عمل ایک معاملہ مین آپ کے ساتھ جابرانہ اور خلاف حق پسندی تھا۔ اگرچہ وہ پیشتر عدل گستری کا وعدہ کر چکے تھے۔ آپ نے ان کو اس وعدہ کی یاددہانی کی وہ کوئی جواب باصواب نہ دے سکے۔ سلسلہ گفتگو مین آپ کو کہنا پڑا کہ اب تک مین اس بلند طبقہ کے لوگون کو بہت راستباز سمجھتا تھا۔ اس گفتگو کے نتائج ایسے تباہ کن ثابت ہوئے جنکو حوالہ قلم کرتے ہوئے ڈرتا ہون۔ ایک اسی واقعہ نے گوناگون اسباب تخریب پیدا کر دیئے لیکن کبھی پیشانی پر بل نہ آیا اور ذلانی کا خیال دل مین پیدا ہوا۔

بچپن اور طالبعلمی کے زمانہ مین آپ بہت شریر تھے۔ جوانی مین یہ شرارت ظرافت اور خوش طبعی سے بدل گئی۔ طالبعلمی کے زمانہ مین ایک مرتبہ گھوڑے پر سوار اسکول سے چلے آتے تھے ایک ہم جماعت برابر سے نکلا۔ ایسی ٹیپ اُسکے جمائی کہ ٹوپی اُڑکر دور گری۔ سب لڑکے کھلکھلا کر ہنس پڑے وہ کھسیا کر بولا "آپ کے مزاج مین اور چار دن گھوڑے پر چڑھ لے تجھے تو گدھا بھی تعجب نہین ہونے کا"۔ اس پر آپ فوراً گھوڑے سے اُتر پڑے اُس سے ہاتھ ملاکر کہا "دوست اب اپنی ہی کمائی سے گھوڑے پر سوار ہونگے" چنانچہ ایسا ہی کیا۔ جبتک اپنی کمائی سے گھوڑا نہین خرید لیا گھوڑے پر سوار نہین ہوئے یہ خودداری بچپن سے آپ مین موجود تھی۔ کبھی اپنے والد کے سامنے بھی ایک پیسہ کے لیے ہاتھ نہین پھیلایا۔

آپ کی بذلہ سنجی کے اکثر لطیفے یاد ہین۔ لکھنؤ کے نواح مین کسی ہائی اسکول مین اسسٹنٹ ماسٹر تھے۔ وہان کے ہیڈ ماسٹر نے چند روز کے لیے رخصت لی اور سکنڈ ماسٹر ان کی جگہ کام کرنے لگے۔

ایک روز یہ انٹرنیس کلاس کو پڑھا رہے تھے کہ آپ بھی جا پہونچے سکنڈ ماسٹر دو چار ادھر اودھر کی باتین کر کے کہنے لگے "میان کنھیالال کوئی شعر نہین سناتے۔ آپ نے وہین موزون کر کے بیساختہ پڑھ دیا۔

یہ کل کی بات ہے اے دل جہان پر شور بلبل تھا
خدا کی شان ہے اُس جا صدائے بوم آتی ہے

مظفرنگر یارائے بریلی مین آپ ڈپٹی انسپکٹر ہو کر پہونچے۔ ہائی اسکول کے ہیڈ ماسٹر ملنے کے لیے آئے۔ سلسلہ گفتگو مین کہنے لگے کیا اچھا ہوتا ڈپٹی صاحب اگر آپ انگریزی بھی جانتے ہوتے (یہان یہ بھی لکھنا ضروری ہوا کہ آپ اردو بولنے مین انگریزی لفظ یا جملے ملانا توہین زبان سمجھتے تھے۔) چند یاران طریقت بھی بیٹھے تھے کہنے لگے کہ اب سیکھ لین گے ابھی عمر ہی کیا ہے۔ غرض یہ طے ہوا کہ ہیڈ ماسٹر صاحب ڈپٹی صاحب کو انگریزی زبان کی تعلیم دیا کرین دوسرے ہی روز ہیڈ ماسٹر صاحب مع کتاب پرائمر اور سلیٹ پنسل کے آموجود ہوئے۔ یاران طریقت بسم اللہ دیکھنے کے لیے پہلے ہی وقت پر آدھمکے تھے۔ بسم اللہ ہوئی۔ اے۔ بی سی۔ ڈی۔ یون ہی روز یاران طریقت جمع ہوتے اور ڈپٹی صاحب پڑھا کرتے۔ اے۔ ٹی ایٹ۔ ایٹ معنی پر۔ سی۔ اے۔ ٹی کیٹ۔ کیٹ معنی بلّی روز ڈپٹی صاحب پڑھتے اور روز بھول تے کبھی معنی کبھی ہجے۔ ہیڈ ماسٹر صاحب ذرا منھ بنا کر شکایت آمیز متانت سے فرماتے ڈپٹی صاحب اس طرح تو کام نہین چلیگا مین تو اپنا قیمتی وقت خراب کرتا ہون اور آپ کچھ توجہ ہی نہین کرتے۔ دھیان ہی نہین دیتے۔ اس سے تو پھر یہ سلسلہ ختم کیجیے،، یاران طریقت حاشیہ چڑھاتے اجی کہان کے ڈپٹی شاگرد ہین تمہارے بیت لو بیت،، ڈپٹی صاحب کہتے "نہین ہیڈ ماسٹر صاحب کل سے ضرور یاد ہوگا"

غرض دو تین مہینے یہی لیل و نہار رہے۔ روز شام کو یاران طریقت جمع ہوتے درس تدریس زجر و تنبیہہ کی دل لگی رہتی مگر اُس سادہ لوح ہیڈ ماسٹر پر یہ ستم ظریفی نہ کھلی۔ ایک روز شہر مین کسی رئیس کے یہان شادی کی تقریب مین دعوت تھی۔ ہیڈ ماسٹر صاحب بھی موجود تھے ڈپٹی صاحب بھی اور یاران طریقت بھی۔ کھا پی کر ہیڈ ماسٹر صاحب کو دور کی سوجھنی لگی۔ لگے

کھڑے ہوکر اسپیچ دیتے۔ شامتِ اعمال سے کوئی فقرہ غلط بول گئے ڈپٹی صاحب نے وہین انگریزی مین اعتراض کرکے درست کیا۔ یارانِ طریقت نے قہقہہ لگایا۔ پھر تو قیامت ہی برپا ہوگئی۔ ہیڈ ماسٹر صاحب برس ہی تو پڑے اور وہ وہ سنائین کہ الٰہی توبہ۔

شہر مین صرف آپ کے ایک دوست تھے۔ یہ دوستی اُس پایہ کی تھی جس کی مثال اب قصہ کہانیون مین ملتی ہے۔ جب تک وہ زندہ رہے عجیب اختلاط وارتباط کی صحبتین باہم گرم رہتی تھین اور قریب قریب روزانہ۔ زمانہ کچھ فرق ان مین نہ ڈال سکا۔ ان کے انتقال کا صدمہ آپ کو مدتون رہا۔ اور پھر کسی کو دوست نہ کہا۔ یا میرے پروردگار کیا یہ دوستیان یہ محبتین دنیا سے معدوم ہوگئین نہین معلوم یہ کاروبارِ حیات کیونکر چل رہا ہے۔ اب تو دوستون کی گرمجوشی محض ٹی اور ٹینس تک محدود رہگئی ہے۔ ؎

وہ صورتین الٰہی کس دیس بستیان ہین

اب دیکھنے کو جن کے آنکھین ترستیان ہین

اپنے والد کے انتقال کے بعد آپ کی تمام عمر کتب بینی اور علمی مشاغل مین صرف ہوئی۔ علمی شغف نے آپ کو بالکل گوشہ نشین کردیا تھا۔ نہین معلوم تنہائی وعزلت مین کیا کشش ہے کہ اکثر بڑے بڑے شعراء حکماء علماء نے اسکے گوشہ مین وہ عافیت دیکھی ہے کہ تمام جہان کی دلاویزیون سے آنکھین پھیر لی ہین ؎

کھل گئی دل سے رسم وراہِ کلام

ہمکو جنت ہے کُنجِ تنہائی

آپ نے اپنے مذہبی اور اخلاقی خیالات کو ایک ضخیم کتاب مین ظاہر کیا ہے جو دس بارہ سال کی مسلسل دماغ سوزی اور جگر کاوی کا نتیجہ ہے۔ اور تصوّف مین ایک کارنامہ عشق بیعت وطریقت، قناعت، رضا وتسلیم، صحبت اولیاء وغیرہ وغیرہ مضامین پر بحث کی گئی ہے۔ دور دور سے ذی علم اہلِ تصوّف اسکو سننے آیا کرتے تھے وہ صحبتین اسوقت بھی میری نظر مین پھر رہی ہین۔ جب سامعین پر کیفیتین طاری ہوجاتی تھین اور آنکھون سے بے اختیار آنسو بہتے تھے۔

اسی زمانہ مین کمشنری بریلی مین مسٹر جی۔ ایچ میک انٹوش ہیڈ اسسٹنٹ تھے بہت

ذی علم، حکمتہ رس۔ بلند نظر انگلو انڈین تھے۔ یہ بھی اس کتاب کے دلدادہ تھے لیکن ہمیشہ ان کی زبان سے یہی نکلا کر یہ یا حیف و صد حیف ہو گئی۔ نہیں معلوم اس شخص کی زبان میں کیا تاثیر تھی باآنکہ مرنے سے کئی سال پیشتر یہ تصنیف مکمل ہو چکی تھی۔ لیکن زمانہ بدل گیا تھا ۔

کچھ اور ہی سماں نظر آیا دم سحر

بزم نشاط بھی صف ماتم بنی ہوئی

طباعت کی حسرت داغ دل بنکر ساتھ گئی۔ جس دل میں اب یہ فرض بنکر کھٹکتی ہے دیکھئے پروردگار کب اُسے یہ توفیق عطا کرتا ہے۔ اور عطا بھی کرتا ہے یا نہیں۔

ذیل کی چند سطرین اس کتاب سے نقل کیجاتی ہین۔

عشق یعنی پریم

عشق آمد و بیرون در افگند چو نعلین

از خلوت اندیشۂ من ہر دو جہان را

دھن دے جیرا راکھئے جیرا دے رکھ لاج

دھن دے جیہ دے راکھئے . . . . .

سچ ہے حضرت عشق کو اللہ جل شانہٗ نے یہی رتبہ عطا کیا ہے اور کیون نہ ہو عجیب ہی کیا ہے۔ جب خود بدولت نے خود ہی اپنے تئین حضرت عشق زاد اللہ اجلالہٗ انفا لہٗ کے قبضۂ اختیار مین دیدیا تو پھر ان کی قدر و منزلت کا کیا پوچھنا ہے انسان کی کیا جان ہے جو ان کی شوکت و شان کو بیان کر سکے ہردم عاشق تیجان کو تیغ ستم سے قتل کرتے ہین اور ہر آن جان تازہ سے نوازتے ہین۔ اور لطف یہ کہ جو حیات کہ عطیۂ حضرت عشق ہے وہ تو در اصل اصل زندگی ہے الاجو موت کہ آپ کے دربار سے عطا ہوتی ہے۔ زندگی سے کم نہین جیسا کہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی فرماتے ہین۔

آن حیات کہ زندہ میشود مردہ از جو | وآن حیات کہ مردہ میشود زندہ از د
ہم مردہ و ہم زندہ خبر دار از وے | در زیست نہان تو دانش با من گو

مگر ان کے جود و کرم کے سامنے یہ بھی کچھ نہیں جو نعمائے دارین اُن سے عطا ہو جائیں کم ہیں ؎

عشق است کہ اکسیر بقا خاکِ درِ اوست — از ہر دو جہان سیر شدن ماحضر اوست
ہرچند ندارد صدف آن گوہر نایاب — ہر دل کہ شود آب محیطِ گہر اوست
بے عشق دل از ہر دو جہان سیر نہ گردد — این فیضِ ز تاثیر نسیمِ سحر اوست

اور بابا کبیر داس صاحب نے ایک شعر میں بہت کچھ فرما دیا ہے ؎

پوتھی پڑھ پڑھ جگ موا پنڈت ہوا نہ کوئے
ایکے اچھر پریم کا پڑھے سو پنڈت ہوئے

اور ایک عارف کا قول ہے ؎

بے عشق کسے نام جہان را نہ گرفت — تا عاشق چیزے نشد آنرا نہ گرفت
تا عشق نبود جسم جان را نہ گرفت — تا گرم نشد تنور نان را نہ گرفت

شمس الدین تبریزی فرماتے ہیں ؎

اے جہان را دلکشا اقبالِ عشق — یفعل اللہ ما یشا اقبالِ عشق
اے فزون از جان و دل دیدارِ یار — اے بیرون از دور جا اقبالِ عشق

عشق کی تعریف بہت مشکل اور سمجھنا عام طور پر ناممکن ہے وہی شوریدہ سر تفتہ جگر راندۂ دنیا و دین عدوئے جانِ شیرین نشانہ بلیاتِ آسمانی موردِ صدماتِ روحانی ہمہ تن غصہ و غم ناز بردارِ جور و ستم سراپا یاس و حسرت دشمنِ عیش و عشرت ناکامی پرشیدا کامگاری سے ناآشنا سمجھ سکتا ہے۔ جسکے خانۂ دلکو آنحضرت سلمہ اللہ تعالےٰ نے تاخت و تاراج کر دیا ہوگا اور جسکا ہر رشتۂ بدن فرطِ بیتابی و درد سے ایک دوسرے سے جدا سیماب وار بیقرار ہوگا ؎

درین دریائے پر آشوب خود را جمع چون سازم
کہ وحشت میکند از یکدگر چون موج اعضا یم

جس کی روح نشۂ محبت سے سرشار، ہر گھڑی آفتِ تازہ میں گرفتار اس مجلس تنگ سے

بیزار ہر آن مخلصی کی خواستگار ہو گی - اور جس کی جان زار روح و تن کی کشمکش سے بیقرار زندگی مستعار کو بار گران سمجھکر استقبال موت کے لیے ہر دم تیار ہو گی آخر کار اُسکا ہر تار نفس اُسکا شرر بار ہو کر دل و جگر کو پھونکتا سینے کے پار آتا ہو گا اور یہ مقطع مرزا بیدل کا وردِ زبان ہو گا ؎

زندگی در گردنم افتاد بیدل چارہ چیست
شاد باید زیستن ناشاد باید زیستن ؁

عشق کے معنی انتہائے محبت وہ محبت جسنے دل سے خودی کو دفع کر کے بجائے اُسکے بیخودی کو آباد کر دیا ہو وہ محبت جسمین اہلِ دل و عقل و خرد سے گزر کر ہمقرین دیوانگی ہو گیا ہو وہ محبت جسمین عاشق کو علائق دنیا کی طرف سے بیدلی محض ہو گئی ہو وہ محبت جس مین دلِ عاشق پر نفع و نقصان دنیوی کا اثر یکسان ہو گیا ہو - وہ محبت جس نے امتیاز نیکی و بدی دل عاشق سے دور کر دیا ہو وہ محبت جسمین عاشق کو ہر دم اور ہر کہین سوا اپنے معشوق کے دوسرا سوجھتا ہی نہ ہو - وہ محبت جس نے دل عاشق سے خیال عشرت ذاتی و حفاظت بدنی دور کر دیا ہو وہ محبت جس نے عاشق کو تمام فرائض دینی و دنیوی سے بری کر دیا ہو القصہ وہ محبت جسمین عاشق نے اپنے تن من دھن کو معشوق پر قربان کر کے اپنے تئین خود آپ ہی سے بیگانہ کر دیا ہو اور بذات خود کچھ باقی نہ رکھا ہو ؎

تا عشق گرفت در دلِ بندہ مقام	از بندہ نماند ہیچ چیزے جز نام
شاہنشہ عشق خیمہ تا در دل زد	اسباب حیات رفت بر باد تمام"

الغرض اسی جوش و خروش سے یہ دریائے موّاج ایک سو اٹھائیس صفحے تک وجپ اُمڈتا چلا گیا ہے - اسی پر دیگر مضامین کی عبارت معنویت جامعیت کا قیاس ہو سکتا ہے

آپ اپنے ہر اُردو اور انگریزی مکتوب کی نقل ضرور رکھتے تھے انگریزی مکاتیب کی نقلین کئی ہزار صفحات فلس کیپ کی تقطیع کی تھین - ان مین سے تخمیناً پانچسو اوراق مجھے دستیاب ہوئے ہین - باقی ضائع ہو گئے - دست برد زمانہ سے سو پچاس بچ رہے ہین - طوالت کے خوف سے صرف

دو نمونے نہایت مختصر پیش کئے جاتے ہین۔

مونس من   سلام علیک آپ کی ذات سے یہ تغافل موجب حیرت، اور زیادہ تر یہ کہ گاہ یہ سرگرمی کہ صلے علے کبھی یہ بے اعتنائی کہ واہ واہ خود ہی انصاف شرط ہے۔ والسلام۔

سبزۂ پامال کنھیا لال

انیس من مونس من   بندگی آپ نے وعدہ چار یوم کا کیا تھا مگر دو ہفتہ سے زیادہ عرصہ منقضی ہوا اور ریا دوہانی کے بارے مین یہ دوسرا کارڈ ہے۔ اگر معاملہ کرنا ہے بسم اللہ، بسم اللہ کیجئے۔ اگر نہین تو خیال خام سے درگزر یئے۔ ع

اے نفرصت بیخبر در ہر چہ باشی زود باش

شاعری سے آپ کو طبعی مناسبت تھی اُس پر لکھنؤ کی بود و باش اور کاملین فن کی صحبت سونے مین سہاگا ہو گئی۔ سترہ اٹھارہ سال کی عمر سے شعر کہنا شروع کر دیا۔ مولانا غلام حسنین قدرؔ بلگرامی سے تلمذ حاصل تھا۔ قدر صاحب کی تعریف میرے قلم کی محتاج نہین۔ قدر صاحب کو اپنے نوجوان شاگرد سے ترقی کی بہت اُمیدین وابستہ تھین اور بہت ہمت افزائی فرمایا کرتے تھے۔ افسوس کہ اس جوہر سے مستفیض ہونا ہم لوگون کی قسمت مین نہ تھا۔ ورنہ آج دلؔ صاحب ادبی دنیا مین کسی تعارف کے محتاج نہ ہوتے دو چار سال کی مشق مین سو پچاس غزلین جمع ہو گئی تھین کہ آپ کی بیاض مع دیگر سامان کے چرالی گئی اور ستم یہ کہ ردّی مین بیچدی گئی۔ ہرچند تلاش کی کوششین کین گمردہ خریطۂ جواہر نہ ملنا تھا نہ ملا یہ داغ وہ داغ تھا جو کبھی دل سے نہ مٹا اور ایک سخت عہد کی صورت مین عمر بھر تازہ رہا۔ آپ نے اُس روز سے اُردو شعر کہنے کی قسم کھائی اور آخر وقت تک اُس کا پاس کیا۔ یہی نہین بلکہ جو اشعار یاد تھے وہ بھی یک لخت بھلا دینے کی کوشش کی۔ بہت اصرار پر کبھی کبھی وہ دو چار شعر سنا دیتے تھے جو بھلانے پر بھی نہ بھولے تھے۔ فرماتے ہین ؎

خونِ گردن جوش پر ہے تیغ قاتل چاہیئے ۔۔۔ کشتیِ عمرِ رواں ٹھہرے وہ ساحل چاہیئے

کسکو خورشید اور کسکو ماہِ کامل چاہیئے ۔۔۔ تیری صورت ہر دم آنکھوں کے مقابل چاہیئے

شعر کہنے کے لیے عالم نہ فاضل چاہیئے ۔۔۔ کشتۂ عشقِ صنم ہوبس وہی دل چاہیئے

پہلے کر عشقِ مجازی تا حقیقت ہو عیاں — راہ مشکل ہے سفر منزل بمنزل چاہیئے

عشق کیا کوئی کریگا دلؔ تمہارے سامنے — سوزِ غم سے دل جلانے کے لئے دل چاہیئے

ان اشعار میں جوش، پاکیزگی، صداقت، جدت، سلاست، چستی، تڑپ۔ سب ہی کچھ ہے۔ تیسرے شعر میں شاعری کے متعلق جو قول فیصل دیدیا ہے۔ محققین فن نے اسی پر ورق کے ورق لکھ ڈالے ہیں۔ چوتھے شعر پر قدر صاحب نے چار صاد کئے ہیں اور یہ تحریر فرمایا "واہ رے کنہیا جوان کیا خوب لکھا ہے" جوان یہاں بالضم جیم و سکون واو پڑھا جائے گا۔

الٰہی ہمتو خیر ساقی کوثر مناتے ہیں — کہ جسکے فیض سے ہر دم نیا عالم بناتے ہیں

الا اے مرگ نازِ طالعِ نامہرباں کب تک — خدایا زور وحشت پہ زمیں پہ آسماں کب تک

عمر بھر کس شوق سے تیرا کئے دریائے عشق — وائے قسمت جب کنارے پہونچے ساحل ہٹ گیا

آخری شعر تو یقیناً تیر ہے اور تیر بے پناہ۔

شاعری زندگی کی تلخیوں کو ایک گونہ حلاوت بخشتی ہے اگرچہ اس سے دل کا زخم گہرا اور وسیع ہوجاتا ہے۔ لیکن ٹیس میں راحت پیدا ہوجاتی ہے۔ اور وہ راحت جس کی کیفیتوں سے کچھ روح ہی لذت یاب ہوتی ہے۔ شاید یہی باعث تھا کہ آخر زمانہ عمر میں آپ کی طبیعت خود بخود پھر شعر کہنے کی طرف مائل ہوئی۔ لیکن شعر فارسی نہ کہ اردو افسوس کہ وہ اوراق بھی پریشان ہوگئے ؎

اِک داغ یادگارِ ستمہائے عشق تھا

وہ بھی جگر کے ساتھ جلا اور مٹ گیا

چند رباعیات کے ایسے مسودے ملے ہیں جو ترمیم و تنسیخ سے پُر ہیں۔ صاف نقل ان کی بھی دستیاب نہ ہوئی۔ اُنھیں میں سے ذیل کے نمونے مرتب کرکے پیش کرتا ہوں۔

(رُباعی)

چگویم چون بسر بردم حیاتِ مستعارِ من — نمودم وقفِ دنیا ہم خزان و ہم بہارِ من

ز دل بیگانہ ماندم ہم ز فرصت بیخبر بودم — بجائے فاتحہ صد لعن باید بر مزارِ من

(ایضاً)

از ازل عاشقم و صحبتِ دل کارم ہست — ہمہ تن دردم و اندوہ مزارم ہست

ہر کہ خواند بمزارم سبقِ عشق اے دلؔ — بیگمان یارِ من و مونس و غمخوارم ہست

حکس (بریلوی)

خوردبین سے سُراغرسانی

اکتوبر ۱۹۲۳ء مین ایک شب کو کیلی فورنیا کی سرحد کے قریب سدرن پناما ایکسپرس ٹرین نمبر ۱۳ ایک سُرنگ کے اندر سے گزر رہی تھی۔ ابھی سرنگ مین داخل ہی ہوئی تھی کہ چند ڈاکوؤن نے انجنیر اور فائرمین کو ریوالوروں سے گھیر لیا۔ انجنیر کو ٹرین کے روکنے پر مجبور کیا اور ان دونون آدمیون کو وہین ہلاک کر دیا اسکے بعد ڈاک کے درجہ کا ایک حصہ ڈائنامیٹ سے اُڑا دیا جس سے میل کلرک ہلاک ہو گیا اور پھر بریک مین کو بھی گولی ماردی۔ جس وقت پولیس موقع واردات پہ پہنچی قزّاق پہاڑون مین بھاگ گئے لیکن اپنے ساتھ سامان غارت نہ لیجا سکے۔ چار بے گناہ آدمی ہلاک ہوئے۔ اور قاتلون کی نشانی صرف تین ذرے نمک کے ملے۔

موقع واردات پر کرِچ کا ایک غلاف ملا۔ جو قزّاقون مین سے کسی ایک شخص کے جوتے پر چڑھا ہوا ہوگا۔ غلاف پر انجیر سے تیار کیا ہوا روغن ملا ہوا تھا۔ ایک مشہور سراغرسان ایڈورڈ آسکر ہین پرح معلّم کیلی فورنیا یونیوسٹی نے خوردبین کے ذریعہ سے اس غلاف کا معائنہ کیا اور اسمین نمک کے صرف تین ذرّے دریافت کئے۔ اور اپنی قوت استغراق سے قیاسات ترتیب دیکر اس عجیب حیرت انگیز نتیجہ کا اعلان کیا۔

> مجرمون مین سے ایک شخص کے بال بھورے ہین۔ بائین ہاتھ سے زیادہ کام کرنے کا عادی ہے۔ عمر ۲۵ سال سے زیادہ نہین۔ تقریباً پانچ فٹ آٹھ انچ قد ہے۔ اپنی عادات مین صفائی پسند ہے۔ ڈاڑہی مونچھین بالکل صاف رکھتا ہے۔ حال مین نارتھ ویسٹرن اوریگن یا [illegible] واشنگٹن مین اُن کیمپون مین کام کرتا رہا ہے جہان انجیر کے درخت گرائے گئے ہین۔

بڑے بڑے تجربہ کار سراغرسانون کو ان قیاسات و نتائج کی صحت کا یقین نہ آیا۔ لیکن واقعات

سر گنگا رام مرحوم

نے ان کو درست ثابت کردکھایا۔ اسلیئے کہ محض اسی بیان کی مدد سے متواتر چار سال تک دنیا کے مختلف ممالک مین تفتیش کرنے کے بعد آخر تینون قزاق (جن کے نام ہف۔ رے۔ رائے ہین) گرفتار ہوئے اور آج مقام سلیم مین حبس دوام کی سزا بھگت رہے ہین۔ ہف جیپر سراغ رسانی کا مجوزہ حلیہ وحال بالکل صادق آیا۔ اسی سال منیلا مین فوجی ملازمت کی حالت مین گرفتار ہوا ہے جرمن مین اسکے دو توام بھائی گرفتار کئے گئے۔ انہون نے حادثۂ ٹرین مین اپنی شرکت کا اقبال کیا لیکن قتل کا ملزم ہف ہی کو قرار دیا۔

یہ تمام سراغ رسانی صرف تین ذرات نمک کا نتیجہ تھی۔ کس درجہ عجیب و ناممکن بات نظر آتی ہے! اب اسکا امکان سنئے تجزیۂ کیمیائی سے ہین رچ کو معلوم ہوا کہ یہ نمک اسی قسم کا ہے جیسا نیویارک کی دوا کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔ اس اشارہ کی مدد سے اس نے مختلف مویشی خانون کا معائنہ کیا اور ایک مویشی خانہ کے قریب تہ خانہ کے اندر ایک کوٹھری ملی اس مین اس کرچ کے چند ٹکڑے پائے گئے جس سے وہ جوتہ کا غلاف بنایا گیا تھا جو مقام واردات پر ملا تھا۔ ان ٹکڑون پر ویسا ہی روغن انجیر ملا ہوا تھا۔ اور اس قسم کے درخت انجیر اس مقام پر موجود بھی تھے۔ اس کوٹھری مین ایک تولیہ ملی جسپر ڈاڑھی مونڈنے کے بعد بالون کو صاف کرنے کے نشانات پائے گئے۔ بالون کو خوردبین سے معائنہ کرنے پر دریافت ہوا کہ اس تولیہ سے تین آدمیون نے منہ صاف کیا ہے۔ اب ان بالون کا اس فہرست سے مقابلہ کیا گیا جسمین مختلف عمرون مین بالون کے تغیرات و اختلافات درج ہوتے ہین۔ اس سے دریافت ہوا کہ ان تینون مین سے کوئی شخص ۲۵ سال سے زیادہ عمر کا نہین ہے۔ اس کے علاوہ تولیہ پر رخسار کی جلد کے بھی چند ٹکڑے ملے اور ان سے یہ انکشاف ہوا کہ وہ لوگ ہلکی رنگت اور غالباً لاطینی نسل کے ہین۔

موقع واردات کو دوبارہ معائنہ کرنے سے ایک کپڑا ملا جس کو ملبوس کے اوپر پہنتے ہین۔ اس کی جیبون سے کچھ اور ذرات نمک حاصل ہوئے اور روغن کے دھبے بھی نظر آئے۔ ان سے معلوم ہوا کہ ان کو صرف ایک ہی شخص نے استعمال کیا ہے۔ یہ بھی دریافت ہوا کہ وہ لوگ ہیزم کش ہین۔ اس ملبوس کی پیمایش و قطع سے ہین رچ سراغ رسان نے پہنے والے کا قد دریافت کرلیا اور اس پر جو دھبے لگے ہوئے تھے ان سے قیاس کیا گیا کہ پہننے والا بائین ہاتھ سے کام کرتا ہے۔ کچھ ترشے ہوئے ناخن

بھی پائے گئے اوران سے ثابت ہوا کہ وہ شخص صفائی پسند بھی ضرور ہے۔

اسی ملبوس کی ایک جیب مین بگل ملا۔اور معلوم ہوا کہ اسی جیب مین ریوالور بھی رکھا گیا ہے۔ چنانچہ اسی کوٹھری کے قریب ایک ریوالور بھی چھپا ہوا ملا۔تحقیقات سے معلوم ہوا کہ وہ ریوالور اذرگین کے ایک تاجرنے واردات سے کچھ عرصہ قبل ایک شخص ولیم آلیبٹ کے ہاتھ فروخت کیا تھا۔ ریوالور کی نال کے نشانات سے گولیون کے نشانات کا مقابلہ کیا گیا۔اور ثابت ہوگیا کہ آلہ قتل بھی ریوالور تھا۔ولیم الیبٹ کا سُراغ یوجین کے ایک چھوٹے سے مکان مین ملا۔جہان ان تینون بھائیون کا باپ رہتا تھا معلوم ہوا کہ نام فرضی ہے۔ اسی مکان مین چند بال وکپڑون کے ٹکڑے اور انگلیون کے نشانات ملے۔ان سے ان قیاسات کی صحت مین کوئی شبہہ نہ رہا۔

تینون بھائیون کی تصویرین اور حلیے تمام ریاستہائے امریکہ ودیگر ممالک مین بھیجدیئے گئے۔ انعام کا اعلان کیا گیا۔مہینے گزر گئے اور کچھ پتہ نہ چلا۔آخر ایک روز منیلاکے مقام پر ایک سارجنٹ نے ایک فوجی سپاہی پر اس حلیے کو مطابق پایا۔ چپکے سے اسکے پاس گیا اور اسکے ہتیار اُتارلئے اور حوالات مین بھیجدیا۔یہ سپاہی ہیو تھا۔چند ماہ بعد رے اور رآئے بھی بمقام اوہیو گرفتار ہوگئے۔

حامد حسن قادری

رسید کتب

اسلامی کہانیان حصہ اول۔مرتبہ ملک عزیز عالم صاحب اعوان علیگ قیمت ۴ر

مسئلہ شرقیہ مترجمہ مولانا نیاز فتحپوری قیمت عاَر

تاریخ افغانستان مصنفہ سید جمال الدین افغانی مترجمہ مولوی محمود خان قیمت ۸ر

فقرائے اسلام ۔مولفہ مولانا عبدالسلام ندوی قیمت ۸ر

غازی انور پاشا مولفہ مولانا سید ظہور احمد صاحب شاہجہانپوری قیمت ۸ر

ملنے کا پتہ ۔ صوفی پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی لمیٹڈ منڈی بہاءالدین۔

صحیفہ مصحفی۔مولفہ مولانا میر افق موسوی قیمت ۸ر پتہ شاہجہانی پریس دہلی۔

پانچوان سین

(حضرت حسین علیہ السلام کے حرم کی عورتین بیٹھی ہوئی باتین کر رہی ہین شام کا وقت)

سکینہ۔ امان بڑی پیاس لگی ہے۔

علی اصغر۔ پانی۔ پانی۔

حنفہ۔ قربان گئی بیٹے کتنا پانی پیوگے؟ ابھی لائی ا مشکون کو جاکر دیکھتی ہے اور جھانتی پیتی لوٹتی ہے!
اے قربان گئی بی بی کہین ایک بوند پانی نہین بچّون کو کیا پلاؤن۔

زینب۔ کیا بالکل پانی غائب ہوگیا۔

حنفہ۔ اے قربان گئی بی بی۔ ساری مشکین خالی پڑی ہوئی ہین۔

زینب[1]۔ غضب ہوگیا ندی تو بند ہی تھی۔ اب ظالم کنوئین بھی نہین کھودنے دیتے۔

اصغر۔ پانی۔ پانی۔

شہربانو۔ یا خدا۔ کس عذاب مین پھنسے۔ ان ننھون کو کیسے سمجھاؤن!

حنفہ۔ بی بی قربان جاؤن! مین جاکر دریا سے پانی لاتی ہون کون مارے گا۔ منھ جھلس دون
اُسکا۔ کیا سید کے لال پیاسون تڑپین گے جب دریا مین پانی بھرا ہوا ہے۔؟

زینب۔ تو نہین جانتی سات ہزار جوان دریا کا پانی روکنے کے لیے تعینات ہین۔

حنفہ۔ اے قربان جاؤن بی بی۔ کون مجھے روکے گا۔ جیا جوتا مار دون گی۔ رسول کے بیٹے پیاسے
رہین گے۔؟

---

[1] سلسلہ کے لیے دیکھیے زمانہ اگست ۲۴ء

(حنفہ ایک مشک لیکر دریا کی طرف جاتی ہے اور تھوڑی دیر کے بعد لوٹ آتی ہے سر کے بال نچے ہوئے۔ کپڑے پھٹے ہوئے۔ مشک ندارد روتی ہوئی زمین پر بیٹھ جاتی ہے۔)

زینبؑ - کیا ہوا حنفہ؟ یہ تیری کیا حالت ہے؟

حنفہ - بی بی خدا کا غذاب ان روسیا ہون پر نازل ہو ظالمون نے مجھے روک لیا۔ میری مشک چھین لی اور ایک نے کو مجھپر چھوڑ دیا۔ بھاگتے بھاگتے کسی طرح یہانتک پہنچی ہون! ہائے ان موذیون پر آسمان بھی نہین ٹوٹ پڑتا اتنا ذلیل کبھی نہ ہوئی تھی۔ (روتی ہے)

حسینؑ - اندر جاکر حنفہ کیون روتی ہے۔ ارے یہ تیرے کپڑے کس نے پھاڑے؟

زینبؑ - بیچاری شامت کی ماری پانی لانے گئی تھی بچے پیاس سے تڑپ رہے تھے۔ ظالمون نے نیم جان کر دیا۔

حسینؑ - حنفہ مت رو رسول کے قدمون کی قسم۔ ابھی ان ظالمون کا سر تیرے پیرون پر ہوگا جن کے بیرحم ہاتھون نے تیری بے حرمتی کی ہے چاہے میرے سارے رفیق میرے سارے عزیز اور مین خود کیون نہ مر جاؤن۔ عورت کی بیحرمتی کا بدلہ خون ہے۔ چاہے وہ غلام اور بیکس ہی کیون نہ ہو۔ مین ان ظالمون کو دکھا دون گا کہ مجھے اپنی لونڈی کی آبرو اپنے حرم سے کم پیاری نہین ہے

(تلوار ہاتھ مین لیکر باہر جاتے ہین پر حنفہ ان کے پاؤن سے لپٹ جاتی ہے)

حنفہ - میرے آقا میری جان آپ پر فدا ہو۔ مین اپنا بدلہ دنیا مین نہین عقبےٰ مین لینا چاہتی ہون جہان کی آگ کہین زیادہ تیز۔ جہان کی سزائین یہان سے کہین زیادہ دل ہلانے والی ہونگی مین نہین چاہتی کہ آپ کی تلوار سے قتل ہو کر وہ عذاب سے چھوٹ جائین۔

حسینؑ - حنفہ۔ یہ سب اُسکے لیے ہے جو دنیا مین اپنا بدلہ نہ لے سکے۔ اگر میرے پاس ایک لاکھ آدمی ہوتے تو تیری بے عزتی کا بدلہ لینے کے لیے مین انہین قربان کر دیتا۔ ان بہتر آدمیون کی حقیقت ہی کیا ہے۔ میرے پاؤن چھوڑدے۔ ایسا نہ ہو کہ میرا غصّہ آگ بنکر مجھکو جلا کر خاک کر دے۔

حنفہ (دل مین) - کاش اسوقت وہ ظالم یہان ہوتے اور دیکھتے کہ جسے اُنھون نے کتون سے نچوایا تھا۔ اُسکی حضرت علی کے بیٹے کی نگاہون مین اتنی عزت ہے۔ نہین میرے مولا مین دشمنون

کو اتنی اچھی موت دینا نہین چاہتی - مین انھین جہنم کی آگ مین جلانا چاہتی ....

(علی اکبر کا آنا)

علی اکبر - ابّاجان - سعد اپنی فوج سے نکلکر آیا ہے اور آپ سے ملنا چاہتا ہے۔

حسینؑ - ہان! مین نے اُسے اسی وقت بلایا تھا - پہلے اُس سے حقہ کے ستانے والون کے ظلم کا معاوضہ لینا ہے۔

(حضرت حسینؑ اور علی اکبر باہر جاتے ہین)

علی اکبر - یا حضرت مین بھی آپ کے ساتھ رہون گا۔

عباس - مین بھی -

حسین - نہین مین نے اُس سے تنہا ملنے کا وعدہ کیا ہے - تمہارے ساتھ رہنے سے میری بات مین فرق آئے گا۔

اکبر - وہ تو اپنے ساتھ ایک سو جوانون سے زیادہ لایا ہے - جو چند قدمون کے فاصلے پر کھڑے ہین - ہم آپکو تنہا نہ جانے دینگے -

عباسؑ - سعد کی شرافت پر مجھے بھروسہ نہین ہے۔

حسینؑ - مین اُسے اتنا کمینہ نہین سمجھتا کہ میرے ساتھ دغا کرے - خیر چلو - اگر اُسے کوئی اعتراض نہ ہوگا تو وہان موجود رہنا - اُسے بھی اپنے ساتھ دو آدمیون کو رکھنے کی آزادی ہوگی۔

(تینون آدمی ہتھیارون سے سجکر چلتے ہین - پردہ بدلتا ہے - دونون فوجون کے بیچ مین حسینؑ اور سعد کھڑے ہین - حضرت حسینؑ کے ساتھ اکبر اور جناب عباس ہین - سعد کے ساتھ اسکا بیٹا اور غلام -)

سعد - السّلام علیک یا فرزند رسول - آپ نے مجھے اپنی خدمت مین حاضر ہونے کا موقع دیا اسکے لیے آپ کا مشکور ہون - مجھے کیا ارشاد ہے -

حسینؑ - مین نے تمہین یہ تصفیہ کرنے کے لیے تکلیف دی ہے کہ آخر تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟ تمہ والد رسول پاک کے فدائیون مین سے تھے اور اگر باپ کی طبیعت کا اثر کچھ بیٹے پر پڑتا ہے تو مجھے امید ہے کہ تم مین انسانیت کا جوہر موجود ہے - کیا نہین جانتے کہ مین کون ہون؟ مین تمہ

منھ سے سننا چاہتا ہوں۔

سعد ۔ آپ رسول پاک کے نواسے ہیں۔

حسینؑ ۔ اور یہ جانکر بھی تم مجھسے جنگ کرنے آئے ہو۔ کیا تمہیں خدا کا ذرا بھی خوف نہیں۔ تم میں ذرا بھی انصاف نہیں ہے کہ تم مجھسے جنگ کرنے آئے ہو جو تمہارے ہی بھائیوں کی دغا کا شکار ہنکر یہاں آپہنچا ہے۔ اور اب یہاں سے واپس جانا چاہتا ہے۔ کیوں ایسا کام کرتے ہو۔ جس کے لیے تمہیں دنیا میں رسوائی اور عقبےٰ میں روسیاہی حاصل ہو۔؟

سعد ۔ یا حضرت میں کیا کروں۔ خدا جانتا ہے کہ میں کتنی مجبوری کی حالت میں یہاں آیا ہوں۔

حسینؑ ۔ سعد۔ کوئی انسان آج تک یہ کام کرنے پر مجبور نہیں ہوا جو اُسے پسند نہ آیا ہو۔ تمکو یقین ہے کہ میرے قتل کے صلے میں تمہاری جاگیر بڑھے گی۔ رے کی حکومت ہاتھ آئے گی دولت حاصل ہوگی لیکن سعد حرام کی دولت نے بہت دنوں تک کسی کے ساتھ دوستی نہیں کی اور نہ تمہارے لیے اپنی پرانی عادت چھوڑے گی۔ ہوس کو چھوڑو اور مجھے اپنے گھر جانے دو۔

سعد ۔ پھر تو میری زندگی کے دن انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں۔

حسینؑ ۔ اگر یہ خوف ہے تو میں تمہیں اپنے ساتھ لیجا سکتا ہوں۔

سعد ۔ یا حضرت ظالم میرے مکان برباد کر دینگے۔ جو شہر میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔

حسینؑ ۔ سبحان اللہ۔ تمنے وہ بات منھ سے نکالی جو تمہاری شان سے بعید ہے اگر حق پر قایم رہنے کی سزا میں تمہارا مکان برباد کیا جائے تو ایسا بڑا نقصان نہیں۔ حق کیلئے لوگوں نے اس سے کہیں بڑے نقصان اُٹھائے ہیں۔ یہاں تک کہ جان سے بھی دریغ نہیں کیا۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں تمہیں اُس سے اچھا مکان بنوا دونگا۔

سعد ۔ یا حضرت میرے پاس بڑی زرخیز اور آباد جاگیریں ہیں جو ضبط کر لی جائینگی۔ اور میری اولاد ان سے محروم رہجائے گی۔

حسینؑ ۔ میں حجاز میں تمہیں اُن سے زیادہ زرخیز اور آباد جاگیریں دونگا۔ اطمینان رکھو کہ میری ذات سے تمہیں کوئی نقصان نہ پہونچے گا۔

سعد ۔ یا حضرت آپ پر میری جان نثار ہو۔ میرے ساتھ ۲۲ ہزار سوار اور پیدل ہیں زیادہ دنے ان کے

سرداروں سے بڑے بڑے وعدے کر رکھے ہیں۔ میں اگر آپ کی طرف آبھی جاؤں تو یہ آپ سے ضرور جنگ کرینگے۔ اس لیے ٹھیک یہی ہے کہ آپ جو شرطیں پسند فرمائیں میں زیاد کو لکھدوں۔ میں اپنے خط میں صلح پر زور دونگا اور مجھے یقین ہے کہ زیاد میری تجویز کو منظور کرلے گا۔

حسینؑ۔ خدا تمہیں اسکا ثواب عاقبت میں دیگا۔ میری پہلی شرط یہ ہے کہ مجھے مکہ کو لوٹنے دیا جائے۔ اگر یہ منظور نہ ہو تو میں سرحدوں کی طرف جاکر امن سے زندگی بسر کرنے کو راضی ہوں۔ اگر یہ بھی منظور نہ ہو تو مجھے یزید کے پاس جانے دیا جائے اور سب سے بڑی شرط یہ ہے کہ جبتک میں یہاں ہوں مجھے دریا سے پانی لینے کی پوری آزادی حاصل ہو۔ میں یزید کی بیعت کسی حالت سے نہ قبول کروں گا۔ اور اگر تم نے میری واپسی کی یہ شرط قایم نہ کی تو ہم یہاں شہید ہو جانا ہی پسند کریں گے۔ لیکن اگر یہ ارادہ ہے کہ مجھے قتل ہی کردیا جائے تو میں اپنی جان کو گراں سے گراں قیمت پر بیچونگا۔

سعد۔ حضرت۔ آپ کی شرط بہت معقول ہے۔

حسینؑ۔ میں تمہارے جواب کا کب تک انتظار کروں۔

سعد۔ صبح آفتاب کی روشنی کے ساتھ میرا قاصد آپ کے خدمت میں حاضر ہوگا۔

(دونوں آدمی اپنی اپنی فوج کی طرف لوٹتے ہیں)

پریم چند

رسید کتب

رنگ زمانہ۔ مصنفہ منشی برج بھوکن لال صاحب محب دہلی آبادی۔ مطبوعہ تعلقدار پریس گنیش گنج لکھنؤ قیمت ۸؍

نشٹے۔ مولفہ ایم۔ اے گلے۔ مترجمہ پروفیسر سید مظفر الدین ایم۔ اے مطبوعہ مطبع معارف اعظمگڑھ قیمت ۸؍

رائے بہادر سر گنگا رام مرحوم

پنجاب کی خاک پاک سے موجودہ دور میں جو مایۂ ناز ہستیاں نمودار ہوئین ان مین سر گنگا رام مرحوم کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ آپ ذاتی کوشش کی بدولت ایک نہایت معمولی حیثیت سے ترقی کرکے فلک قوم کے کبھی نہ غروب ہونے والے آفتاب بنکر چمکے۔ اور سرزمین پنجاب کے مایۂ ناز سپوتون مین شمار ہوئے اور اپنے پیچھے اپنی مفید و بہترین زندگی کے ایسے مستقل نقش قدم چھوڑ گئے جو ہمیشہ نوجوانان وطن کے لیے مشعل راہ ثابت ہونگے۔

۱۸۵۱ء مین آپ موضع منگت والا ضلع شیخوپورہ کے گوردوارہ مین لالہ دولت رام کورٹ انسپکٹر امرتسر کے گھر مین پیدا ہوئے تھے لالہ دولت رام ایک مستقل مزاج اور فرشتہ سیرت انسان تھے۔ سادھو اور مہنتون کی خدمت کا بڑا شوق تھا۔

سر گنگا رام کی ابتدائی تعلیم کا آغاز معمولی پاٹھ شالہ سے ہوا۔ لیکن جب پاٹھ شالہ کے پنڈت کو آپکی غیر معمولی فہم و فراست کا اندازہ ہوگیا تو اُس نے آپ کے والد کو کسی باقاعدہ اسکول مین داخل کرنے کی صلاح دی۔ اسکول مین داخل ہونے کے پانچ ہی سال کے اندر آپ نے امرتسر سے میٹریکولیشن کا امتحان پاس کیا۔ آپ کے ذہن کا یہ حال تھا کہ اونچے درجون مین جب لڑکون کو کوئی بات نہ آتی تھی تو اُسکے حل کے لیے ادنےٰ درجے سے ان کو بلا کر لڑکون کو غیرت دلائی جاتی تھی۔ میٹریکولیشن کا امتحان پاس کرنے کے بعد کالج کی تعلیم کے لیے آپ لاہور تشریف لائے۔ لاہور مین آپکے وطن کے ایک پنڈت ایگزیکیٹو انجنیر لاہور کے دفتر مین ملازم تھے۔ آپ ان کے ساتھ رہتے تھے۔ ایک روز آپ ان کے دفتر گئے اور اگزیکیٹو انجنیر کی کرسی پر بیٹھ گئے۔ اسی وقت صاحب بہادر آ گئے اور اُنھون نے کرسی خالی کرنے کو کہا۔ اس واقعہ سے آپ کو بڑا صدمہ ہوا اور آپ نے تہیہ کر لیا کہ وہ اسی کرسی کو حاصل کرینگے جو ان کو خالی کرنا پڑی ہے۔ اور بالآخر یہ عہد پورا ہو کر رہا۔

آپ نے رڑکی کالج مین انجنیرنگ کی تعلیم حاصل کی۔ اور ۱۸۷۳ء مین سند حاصل کر لی۔ کامیابی

کے بعد محکمۂ پبلک ورکس پنجاب کی عمارتوں اور سڑکوں کے اسسٹنٹ انجینیر مقرر ہو کر لاہور میں تعینات ہوئے اور جلد ہی اپنے علم اور قابلیت سے اپنا سکہ جما لیا۔ آپ نے اپنے فرائض اس حسن و خوبی سے انجام دیئے کہ ہر اعلےٰ وادنےٰ آپ کی خداداد قابلیت کا قائل ہو گیا۔

سنہ ۱۸۹۵ء میں ہز رائل ہائنس پرنس آف ویلز (کنگ اڈورڈ ہفتم) ہندوستان کی سیر و سیاحت کے موقعہ پر لاہور میں انتظامات پیشوائی کے انچارج مقرر ہوئے اور اپنی خوش انتظامی کی بدولت دہلی دربار کے بھی منتظم بنائے گئے۔ سنہ ۱۹۰۳ء کے دربار میں آپ نے بیا ... بھی تعمیر تیار کیا گورنمنٹ نے نہ صرف آپ کا زبردست شکریہ کیا بلکہ انتظامی معاملات ... افسر بھی شمار کیے گئے۔ سنہ ۱۹۰۳ء میں لارڈ کرزن کے انتظامات دربار کے آپ سپرنٹنڈنٹ مقرر ہو ... ن جیسے شاندار گورنر کا خوش کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ لیکن وہ ایسے خوش ہوئے کہ اُنھوں نے سر گنگا رام کی بیحد تعریف کی۔ لارڈ کرزن نے دربار سے ایک دن پہلے ایک جدید سڑک تیار کرنے کا حکم دیا جس کے لیے ایک پل کی ضرورت تھی اس حکم کی تعمیل میں سر گنگا رام نے ایک رات ہی کے اندر سڑک معہ پل تیار کرا دی۔

اسی سال حسن خدمات کے صلہ میں آپ کو سی۔ آئی۔ اے کا خطاب ۲۰ یا ۲۵ مربع زمین عطا کی گئی۔ آپ دہلی دربار سنہ ۱۹۱۱ء کے بھی کنسلٹنگ انجینیر تھے۔

آپ ترقی کرتے کرتے قائم مقام سپرنٹنڈنٹ کے عہدہ پر پہونچے۔ لیکن اس عہدہ پر مستقل نہیں کیے گئے۔ کیونکہ اُن دنوں یہ عہدہ انگریزوں ہی کے لیے مخصوص سمجھا جاتا تھا۔ آپ کی ملازمت کا زیادہ حصہ لاہور ہی میں گذرا اور ایچسن چیف کالج لاہور اور عجائب گھر آپ کی یادگار ہیں۔ سنہ ۱۹۰۳ء میں آپ ملازمت سے سبکدوش ہو کر پٹیالہ ریاست کے انجینیر مقرر ہوئے۔ اور محکمہ پبلک ورکس آپ کے سپرد کیا گیا۔ پٹیالہ کی ڈرینج اور واٹر ورکس کی اسکیموں کو آپ ہی نے مکمل کیا۔ اور سکریٹریٹ کی عمارت بھی آپ ہی نے تعمیر کرائی۔ سنہ ۱۹۱۷ء میں آپ وہاں سے سبکدوش ہو کر زراعت اور کاشتکاری کے پیشہ کی طرف راغب ہوئے۔ آپ کی دانائی۔ حوصلہ اور دماغ کا نتیجہ تھا کہ آپ ہندوستان کے متمول ترین آدمیوں میں شمار ہوئے۔ آپ نے پہلے اپنی زمین کی کاشت شروع کرائی اور بعد کو اسی مربع زمین اور حاصل کی اور جدید آلات زراعت کے استعمال سے اس پیشے میں خاطر خواہ کامیابی حاصل کی۔

لڑائی کے دنوں میں گورنر پنجاب نے بھرتی کی ترقی کے لئے سپاہیوں کو واپسی پر زمین دینے کا

اعلان کیا۔ اس انعام کی تیاری کے واسطے تین سال کے لیے ۲۳ ہزار ایکڑ زمین گورنمنٹ نے آپ کو دی اور تین سال کے بعد مع سامان کے واپس لینے کا وعدہ کیا۔ جسکو آپ نے پورا کیا اور اس زمین کی کاشت سے کافی مالی فائدہ اُٹھایا۔ اس کے بعد ایک اس سے بھی زیادہ اہم اسکیم کا ٹھیکہ آپ نے گورنمنٹ سے لیا اور اس کو بھی کامیاب بنایا۔

زراعت کے کام کے علاوہ آپ نے بہت سے کارخانہ جات شمالی حلقہ مین قائم کئے تھے۔ ۱۹۲۰ء مین گورنمنٹ نے آپ کو امپیریل بنک آف انڈیا کا گورنر مقرر کیا۔ ۱۹۲۷ء مین پنجاب گورنمنٹ نے آپ کو زرعی شاہی کمیشن کا ممبر نامزد کیا اس سلسلہ مین ہندوستان کے دورہ کے بعد آپ انگلستان تشریف لے گئے تھے کہ ۱۰ جولائی ۱۹۲۷ء کو دس بجے ستتر سال کی عمر مین آپ نے انتقال فرمایا۔

ہر سال آپ وصیت کیا کرتے تھے۔ اس دفعہ سفر انگلستان سے پہلے جب آپ نے وصیت لکھی اور اس پر شہادت لکھوائی تو آپ نے آبدیدہ ہو کر کہا تھا کہ غالباً اس سفر سے واپسی ناممکن ہے چنانچہ بعد وفات گولڈن گرین کے مقام پر لندن کے ہندوستانیوں کی موجودگی مین آپکا کریا کرم کیا گیا اور آپ کے پھول ہندوستان لاکر ہردوار مین گنگا کے دامن مین سپرد کئے گئے۔ لاہور مین آپ کی سمادھ زیر تعمیر ہے جسکا نقشہ و تخمینہ مرحوم خود بنا کر چھوڑ گئے تھے۔

آپ نے ۱۹۲۳ء مین سر گنگارام ٹرسٹ قائم کی تھی۔ جو آپ کے خیراتی کامون کی نگرانی کرتی ہے۔ ۱۹۱۴ء مین آپ نے ودھوا سہائک سبھا قائم کی۔ جسکا کام بیواؤن کی شادی کا رواج دینا اور مدد کرنا ہے۔ ۱۹۲۱ء مین آپ نے ایک اسپتال قائم کیا۔ ۱۹۲۳ء مین ہندو طلبا کی امداد و دستگیری کے واسطے آپ نے ہندو طلبا کی ایک سوسائٹی قائم کی۔ جو وظیفے وغیرہ دیتی ہے۔ آپ نے ایک کاروباری و صنعتی کتبخانہ بھی قائم کیا۔ ایک اپاہج آشرم بھی آپ کی فیاضی کی بدولت چل رہا ہے۔ ۱۹۲۶ء مین آپ نے ایک صنعتی کارخانہ قائم کیا۔ اس کے علاوہ ہندو وڈو ہوم لاہور لیڈی مینارڈ صنعتی اسکول ہیلی کالج کامرس لاہور قائم کئے اسکے علاوہ سیکڑون وظیفے جاری کئے۔ اپنی زندگی مین آپ نے قریب چالیس لاکھ روپیہ خیراتی کامون کے لیے خرچ کیا۔

غرض سر گنگارام مرحوم کے چشمۂ فیض سے اسوقت پنجاب کی سیکڑون تشنہ کام ہستیان سیراب ہو رہی ہین اور ہمیشہ سیراب ہوتی رہین گی۔ کیونکہ مرحوم مذکورہ بالا مفید کامون

کے لیے لاکھوں روپیہ کا ٹرسٹ قائم کر گئے ہین جن کی مجموعی آمدنی سوا لاکھ روپیہ سالانہ کے قریب ہے۔ اِس کے علاوہ وصیت کے مطابق دس لاکھ کی اور رقم ان کامون کے لیے چھوڑ گئے ہین۔

مرحوم اگرچہ اس دارِ فانی مین موجود نہین لیکن ان کا نام ان غیر فانی یادگارون کی بدولت ہمیشہ زندہ رہے گا۔

کرشن درپن

یہ ایک مختصر سا رسالہ ہے جسمین منشی مہاراج بہادر صاحب برق دہلوی بی۔ اے کی نو نظمین شائع ہوئی ہین یہ پرخلوص نظمین سری کرشن جی سے متعلق ہین۔ جنمین جوش عقیدت کے علاوہ۔ شاعرانہ حسن بیان کا دریا موجین مارتا ہوا نظر آتا ہے برق صاحب دور حاضرہ کے ایک مشاق و خوشگو شاعر ہین آپکی اکثر نظمین رسالہ زمانہ مین شایع ہوکر ناظرین زمانہ سے خراج تحسین وصول کرتی رہتی ہین ؎

اس مجموعہ کے شروع مین منشی سورج نرائن صاحب مہر دہلوی کی طرف سے ایک مختصر تمہید اور آخر مین ساحر دہلوی کا ایک مختصر تبصرہ شامل ہے نظمون کی خوبی ذوق مطالعہ پر منحصر ہے حجم ۲۲ صفحہ قیمت فی کاپی ۲ ؍ ملنے کا پتہ۔ منشی مہاراج بہادر صاحب برق دہلوی۔ بی۔ اے۔ تیلشے والی گلی۔ دہلی۔

"حرم"

رسالۂ حرم ایک مفید و دلچسپ رسالہ ہے جو پڑھی لکھی خواتین کیلئے پیلی بھیت سے ڈاکٹر بیگم عبد الغفور ایل۔ ایم۔ پی کی ادارت مین شائع ہوتا ہے۔ اسمین علاوہ دینی و اخلاقی مضامین کے طبی مضامین بھی شائع ہوتے ہین۔ جن مین مختلف امراض کے آسان علاج درج ہوتے ہین۔ اس رسالہ کی قیمت تین روپیہ سالانہ ہے۔ شائقین حضرات ذیل کے پتے سے طلب فرمائین۔

دفتر رسالہ حرم محلہ کھکانہ پیلی بھیت۔

ایک تصویر کو دیکھکر

(۱)

یہ صفحۂ قرطاس ہے یا تختۂ گل زار؟　　تصویر ہے یا روح چمن جلوہ نما ہے؟
سرچشمۂ حیرت ہے کہ آئینۂ اسرار؟　　تخلیق مصور ہے کہ تخلیق خدا ہے؟
یہ کون ہے؟ کیا ہے؟

(۲)

اتنا تو سبھی کہتے ہین انسان نہین یہ!　　اک حور ہے اُڑنے کو جو پر تول رہی ہے
لاریب کہ ذی روح ہے بیجان نہین یہ　　معلوم یہ ہوتا ہے کہ لب کھول رہی ہے
اور بول رہی ہے؟

(۳)

معمور بصد لطف تکلم سے ہے خموشی!!　　یہ بات جو کرتی بھی تو یہ بات نہوتی!
اللہ رے کیف اثر زلف بدوشی!　　یہ بال نہ کھلتے تو کبھی رات نہوتی!!
برسات نہ ہوتی!

(۴)

ہر چین جبین ناز و نزاکت کا فسانہ!!　　ہر ابروے خمدار سے تمکین کا اظہار
آنکھین یہ فسونگر ہین "ذرا دلکو بچانا　　تسکین یہ مژگان نہین سوفار ہین سوفار
ہشیار! خبردار!!"

(۵)

ظاہر نہین کیفیت نظارہ کسی پر!　　آنکھو نمین لیے جذب و فسون دیکھ رہی ہے

ہر شخص سمجھتا ہے کہ نظرین ہین مجھی پر !　　　　کیا جانے وہ ہے کون کہ یون دیکھ رہی ہے

"کیون دیکھ رہی ہے"

(۶)

یہ عارضِ رنگین، یہ ادائے خم گردن　　　　مرکوز ہے کیفیت جذبات نہانی !

ظاہر اثر رنگ سے ہے سینہ کی دھڑکن　　　　آتی ہے نظر خون کی رگ رگ مین روانی

اللہ رے جوانی !

(۷)

یہ صفحۂ قرطاس ہے یا تختۂ گل زار ؟　　　　تصویر ہے یا روح چمن جلوہ نما ہے ؟

سر چشمۂ حیرت ہے کہ آئینہ اسرار ؟　　　　تخلیق مصوّر ہے کہ تخلیق خدا ہے ؟

یہ کون ہے کیا ہے ؟

تسکین (سروری)

رُباعیات اثر

حیران اِدھر مین ہون اُدھر وہ حیران　　　　ہر پارۂ دل مین ہے گُل تازہ کی شان

یہ کس کے تبسم نے چمن بندی کی　　　　آئینۂ دل ہے گلفروشون کی دُکان

دیکھو نہ حقارت سے اگر خاک ہے عشق　　　　صیقل گر آئینۂ ادراک ہے عشق

ہے محو تجلیات عرفان ورنہ　　　　اِک صاعقۂ خرمن افلاک ہے عشق

مرزا جعفر علیخان اثر

نواب اُلّن کی بیٹی

(ٹامس کیمبل کی مشہور نظم "لارڈ النس ڈاٹر" کا ترجمہ)

ایک امیر مقتدر اور دوسری اک گلعذار
سخت عجلت مین روان ہین دونو سوئے کوہسار

راہ مین ملتا ہے ناگہ ان کو اک رودِ عظیم
مرد کشتی بان سے کہتا ہے امیر باوقار

اشرفی اک دونگا تجھکو نقد مزدوری تری
بے توقف تو ہمین کردے اگر دریا کے پار

بولا کشتی بان "کہان سے آئے ہو" "تم کون ہو
کونسی ایسی مصیبت ہے، بھلا تم پر سوار؟

سخت طوفان خیز ہے اسوقت رودِ لاچ گایل
آسمان سے ہو رہی ہین اس کی موجین ہمکنار

ہے عبور اس پر سے بالکل ایسی حالت مین محال
ہے سراسر غیر ممکن ایسی صورت مین گذار

اسکی جانب یاس سے یون دیکھکر بولا امیر
ہے بڑا قصّہ مرا۔ سن تو مگر بالاختصار

مین ہون سردار جزیرہ جس کا اُلوا نام ہے
اور یہ ہے دختر نواب اُلّن نامدار

تین دن گذرے ہین ہمکو بھاگتے بزآب زنان
ہین تعاقب مین ہمارے انکے والد کے سوار

آلیا نواب نے گر ہمکو اس۔ گھاٹی مین آج
خون سے میرے بنین گی جھاڑیان یہ لالہ زار

غم نہین مرنے کا مجھکو۔ بلکہ گر بخشے خدا
حسن کی دیوی یہ اپنی۔ مین کرون سو جان نثار

مجھکو خدشہ ہے فقط اس بات کا مرنے کے بعد
میری پیاری دلربا کا کون ہوگا غمگسار

دلدہی اسکی کریگا کون؟ گر ہو یہ ملول
اسکے آنسو کون پونچھیگا؟ جو ہو یہ اشکبار

دل بھر آیا سن کے یہ سب ماجرا ملاح کا
جوش مین آکر کہا ہو جاؤ کشتی پر سوار

اشرفی کا آپکی مجھکو نہین لالچ جناب
آپ کی دلبر کی خاطر سر پہ یہ لیتا ہون بار

پُرخطر بیشک ہے اس جا آپکا اس دم قیام
کب گوارا ہے مجھے خطرے مین ٹھہرے یہ نگار

ہے تلاطم سخت دریا مین مگر پروا نہین
گر خدا چاہے تو کر دونگا تمہین کشتی مین پار

ہوگیا اس درمیان مین اسقدر طوفان شدید
آرہی تھی قعر دریا سے صدائے گیرودار

چرخ بھی چین بر جبین تھا لکہ ہائے ابر سے　　عرصۂ عالم نظر آتا تھا سب تاریک و تار

دفعتاً آنے لگی گھوڑون کی ٹاپون کی صدا　　جس سے ظاہر تھا کہ سر پر آ گئے ظالم سوار

بولی یون گھبرا کے کشتی بان سے وہ نازآفرین　　دیکھ جلدی کر کہ بالکل نہین وقت قرار

قہر طوفان کا مجھے منظور ہے سہنا، مگر　　خشم کی حالت مین ہونگی مین نہ والد سے دوچار

چل پڑی کشتی کنارے سے۔ مگر کس حال مین؟　　لطمہ زن تھی موج دریا از یمین و از یسار

کشمکش مین جان تھی ملاح کی بیحد۔ مگر　　حالت عشاق کہتی تھی کہ ہان ہمت نہ ہار

خندہ زن تھا آب دریا یونکہ انجا کی نژاد　　بس نہین چلنے کا۔ کر تو اک نہین کوشش ہزار

قہر شفقت سے مبدل ہو گیا نواب کا　　دیکھکر یہ منظر پر ہول و جوشش رود بار

لاڈلی بیٹی کو دیکھا رنج و محنت مین اسیر　　شدت طوفان سے تھی وہ یاس و حرمان کا شکار

ایک دست نازنین پھیلا تھا استمداد کو　　دوسرا تھا عاشق غمناک کی گردن کا ہار

پھٹ گیا اسکا کلیجہ دیکھکر بیٹی کا حال　　غم کے لہجہ مین پکارا ہو کے اسکو بیقرار

نور چشمی لوٹ آ اس بحر طوفان خیز سے　　بخش دونگا تیرے عاشق کی خطائین یکبار

التجا بے سود ٹھہری۔ کیونکہ مثل فیل مست　　مارتی تھین ٹکرین ساحل سے موجین بار بار

یہ نہ تھا ممکن کہ پہونچے کچھ مدد اسکو وہان　　اور نہ آسان تھا کہ کشتی لوٹ آئے برکنار

کی نہ کچھ اہل زمین نے قدر اسکی اس لیے　　لے لیا دریا نے آخر کو وہ در شاہوار

تک رہا تھا سوئے دریا مثل بت نواب اور　　تھا بندھا آنکھون سے اسکی متصل اشکونکا تار

ہاتف غیبی نے آکر کان مین اسکے کہا　　کیون کھڑا روتا ہے آخر اسقدر زار و قطار

ہیچ دانی؟ ہر کہ میداند شنا در بحر عشق
غرق در بحر فنا ہرگز نہ گردد۔ یاد دار۔

غالب زیدہ دوان
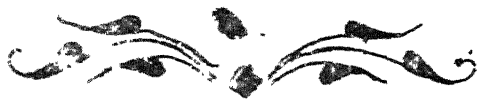
آئینۂ حال

جل رہا ہے آتش غم سے دل اندوہ گین — اس لیے لب پر ہے میرے آج آہ نارسا
ضبط کا خوگر تھا مین تو، کیا کرون مجبور ہون — صبر مین کب تک کرون، کچھ صبر کی ہے انتہا

کیا بتاؤن حال دل، اچھا ہون، اُسکا شکر ہے — دل مین سب کچھ ہے مگر کچھ لب پہ آسکتا نہین
کیا کرون اُسکی شکایت، کیا کرون اُسکا گلہ — خوگر تسلیم ہون، مجھکو تو یہ زیبا نہین

ہان مگر اتنا کہونگا، مین زبان حال سے — دیکھ لے صورت مری، کیا میری حالت ہو گئی
آج تک پوری ہوئی کوئی نہ دل کی آرزو — آرزو ہی آرزو مین ایک مدت ہو گئی

ترجمان آرزوئے دل ہے میری چشم تر — سیل اشک خون بدامان کو چھپا سکتا نہین
میری آہ نارسا سوز نہان کی ہے گواہ — کیا زبان کھولون، کہ مین لب بھی ہلا سکتا نہین

ہمنشین خاموش ہو، اب کیون ستاتا ہے مجھے — مین سمجھتا ہون کہ تو ہے اہل دل، نکتہ شناس
کہدیا جو کچھ تھا کہنا، اور اب مین کیا کہون — میری صورت دیکھکر کرلے جو کرنا ہو قیاس

راز چاندپوری

بزم سخن

۱۰ اپریل [illegible] کو ٹاؤن ہال فتحپور میں زیر اہتمام بابو بہروسے رام ایم۔ اے، ایل ایل۔ بی وکیل ایک عظیم الشان بزم مشاعرہ منعقد ہوئی تھی۔ غزلیات کا انتخاب ہدیۂ ناظرین زمانہ ہے۔

(سحر تبگانی)

حضرت نوح ناروی

پنجۂ وحشت سے میری جان کس الجھن میں ہے	جو گلے میں تھا گریباں، اب وہی دامن میں ہے

اللہ اللہ یہ بہارِ حسن، رنگ روپ حسن	کیا کہیں ہم تجھ میں گلشن ہے کہ تو گلشن میں ہے

جناب [illegible] بدایونی

گلشنِ ہستی میں ہستیٔ چمن کیا خاک تھی	آنکھ جب گل کی کھلی دیکھا خزاں گلشن میں ہے

جناب کرشن سہائے بہکاری وحشی

شور اٹھا کس قدر آنسو کا قطرہ جب گرا	میں سمجھا ہوں کہ اک طوفان مرے دامن میں ہے

اسکو صحرا چاہیئے، خارِ مغیلاں چاہیئے	وحشیٔ خستہ کی گنجائش کہاں گلشن میں ہے

جناب [illegible] مرزاپوری

آپ باہر کوئی یادِ رخِ روشن میں ہے	گھر میں ہم ہیں [illegible] میں ہے

اسکے جلوے بھی سما سکتے ہیں تجھ میں یا نہیں	کتنی وسعت عرصۂ محشر ترے دامن میں ہے

جناب بدر فتحپوری

مانعِ پرواز ہیں تارِ قفس کی تیلیاں	طائر [illegible] جبتک تن میں ہے

رنگ لائیگا مرا اشکِ ندامت روزِ حشر	ایک طوفانِ قیامت زا مرے دامن میں ہے

جناب عاشق فتحپوری

جب سے دل الجھا ہوا زلفِ پُر فن میں ہے	[illegible]

میر خوبان کو کوئی گل پیرہن آیا تھا کیا ؟ کیسی بھینی بھینی بو ساحل ترے دامن میں ہے

جناب بسمل الہ آبادی

مانتا ہوں میں بھی یہ اہلِ چمن کا فلسفہ موت ہے کنجِ قفس میں، زندگی گلشن میں ہے
ہم کہیں ہندو کہ مسلم حضرت بسمل تمہیں ہاتھ میں تسبیح ہے، زنار بھی گردن میں ہے

جناب ظریف

جسقدر تیزی ہماری طبع کے توسن میں ہے اوتنی موٹر میں نہ اوتنی ریل کے انجن میں ہے
زلفِ پیچاں کو منڈا کر ٹال یہ سب کا وبال کیا اسے سلجھا رہا ہے، کیوں پڑا الجھن میں ہے
شیشۂ دل میں مے الفت بہت بھرتا ہے کیوں اتنی گنجائش کہاں اس چھوٹے سے برتن میں ہے

جناب سحر ہنگامی

حسرتوں کا رنگ ہے اور آرزوؤں کی نمود داغِ خون ہے یا کسی کا دل ترے دامن میں ہے
ہم اسیرانِ قفس کو خون رولانے کے لیے فصلِ گل کس رنگ سے پھر جلوہ زا گلشن میں ہے
یادگارِ عشق تجھے، ذلت افزا ہی سہی وہ ترا طوقِ اسیری جو مری گردن میں ہے

نمبر ۲

حضرت نوح ناروی

اب وہ سرمستیِ بہار نہیں نشہ کیسا مجھے خمار نہیں
کیا مرے دل سے برق کو نسبت ہے اگر اتنی بے قرار نہیں
زندگی پر زمانہ مرتا ہے زندگی کا کچھ اعتبار نہیں

جناب عاشق نجیوری

وہی آئیں کہ موت ہی آ جائے مجکو اب تابِ انتظار نہیں
باعثِ زیست ناتوانی ہے یعنی مرنے پہ اختیار نہیں

جناب صفدر مرزاپوری

دل کو بے اختیار ہی کہہ دیں ہمکو اتنا بھی اختیار نہیں
نقشِ قدم کہاں ہے صفدر برگِ گل بھی سرِ مزار نہیں

جناب نواب عطا حسین عطا فتحپوری

باغ عالم میں صورت شبنم | اے عطا میں کسی پہ بار نہیں

جناب شاطر الہ آبادی

میرے گھر میں وہ گلعذار نہیں | سامنے نقشہ بہار نہیں
آشیان کی طرح قفس جلتا | بس پہ اپنا اختیار نہیں
عشق میں ہمکو حضرت شاطر | اپنی چالوں کا اعتبار نہیں

جناب فراق گورکھپوری

کھینچدیتا جنون کی اک تصویر | ہاتھ میں دامن بہار نہیں

جناب انوار غنی انوار

مجھکو غیروں کی بات کا یقین | تمکو میرا بھی اعتبار نہیں

سحر ہنگامی

خود مجھے دل پہ اختیار نہیں | جان جاں! تم جفا شعار نہیں
جان نثاری پہ ہو رہے ہو خفا | پھر کہوگے کہ جان نثار نہیں
وہ کوئی گل ہے جو شگفتہ نہو | وہ کوئی دل ہے جو فگار نہیں
اُس جفاجو سے اور وفا کی اُمید | کون مجھ سا امیدوار نہیں

جناب صہبا مارہروی

پھر جھلکتی سی کچھ پلا دینا | عشق کا رنگ پھر چڑھا دینا
جی سے اپنے نہ میں گذر جاؤں | دل کی دھڑکن نہ پھر بڑھا دینا
خط جو لکھو تو اس طرح لکھنا | یاس کا خوف بھی دلا دینا
قصۂ غم جو کہنے میں بیٹھا | ہنس کے بولے کہ "ہاں سنا دینا"
انکی زلفیں پڑی ہیں شانوں پر | اے تصور نہ یہ بھلا دینا
کالی راتیں ہیں باعث تسکین | تم نہ پردے میں مسکرا دینا
دلربائی جہان صہبا ہے | کوئی پوچھے تو یہ بتا دینا

نوٹ اور خبرین

اس سال رسالہ زمانہ کی زندگی کا پچیسواں سال ختم ہو رہا ہے اور فروری آیندہ مین اسکا جوبلی نمبر شائع ہونیوالا ہے۔ لیکن کتنے رنج اور قلق کی بات ہے کہ اس جشن کو دیکھنے کیلئے اس رسالہ کے نامور بانی جو اپنی نیک نفسی اور ایثار پسندی کے باعث ادبی دنیا مین ابتک گمنام رہے۔ ہمارے درمیان موجود نہ ہونگے۔ پچیس سال ہوئے کہ منشی راج بہادر صاحب دیوان صدر ریاست رامپور نے رسالہ زمانہ کو قیصری پریس بریلی سے جناب منشی شیوبرت لال صاحب ورمن کی ایڈیٹری مین جاری کیا تھا جس بلند حوصلگی اولوالعزمی اور بے نفسی کیساتھ ممدوح نے صوبہ کی ادبی ترقی مین مدد دینے کے خیال سے رسالہ کے ابتدائی سالون مین ہزار ہا روپیہ بیدریغ صرف کئے اسکی نظیر ملک کے بڑے بڑے متمول رئیسون کی زندگی مین بھی مشکل سے ملیگی۔ نام و نمود سے ممدوح کو ہمیشہ نفرت رہی اور یہی وجہ ہے کہ ابتک آپکے ادبی احسانات کا حال کسیکو معلوم نہین ہے۔ آپ نے کبھی اپنے نام کے اظہار کی اجازت نہ دی آپکی ذات والا صفات مین اور بھی صدہا خوبیان جمع ہو گئی تھین مگر ہم اسوقت کن کن باتون کو یاد کرین۔ افسوس کہ ۸ اگست ۱۹۲۸ء کے صبح کے وقت آپ رہگرائے عالم جاودانی ہو گئے۔ کارکنان رسالہ کیلئے یہ سانحہ ایک ذاتی سانحہ ہے۔ جس محبت و شفقت سے مرحوم سب لوگون سے پیش آتے تھے جو اعتماد انہون نے اس رسالہ کے موجودہ اڈیٹر پر ظاہر کیا۔ جس اولوالعزمی کیساتھ مرحوم نے ابتدائی زندگی مین اسکی حوصلہ افزائی کی جس بے لوثی سے انھون نے تمام عمر اپنے فرائض منصبی ادا کئے۔ اسکا نقش دلون پر ہمیشہ ہمیشہ باقی رہے گا۔ افسوس اس دنیاء ناپائیدار مین کسی کو بجز ذات خداوند مطلق بقا نہین ہے۔ خداوند تعالے مرحوم کی روح پر فتوح کو غریق رحمت کرے اور پسماندگان کو اس حادثہ کے برداشت کی قوت عطا فرمائے ہم ان کے اس افسوسناک سانحہ مین مرحوم کے لایق صاحبزادون کے ساتھ شریک غم ہین دراصل ان کا غم ہمارا غم ہے۔

پچھلے مہینہ رسالہ کو ایک دوسرا نقصان عظیم یہ پہونچا کہ ۲۴ ستمبر ۱۹۲۸ء کو زمانہ کے قدیم مضمون نگار نامور محب وطن پنڈت مادھو رام صاحب بی۔ اے وکیل انبالہ کا بمقام سولن انتقال ہو گیا۔

مرحوم زمانہ کے ابتدائی مضمون نگارون مین تھے اور آخر عمر تک اسکی قلمی اعانت اپنا فرض سمجھتے رہے چنانچہ پچھلے سال ہماری قومی ضرورتون کے عنوان سے ایک نہایت مفید مضمون زمانہ کے کئی نمبرون مین مسلسل شائع ہو چکا ہے۔ مرحوم کے اکثر مضامین کے مشہور انگریزی رسالون مین بھی شائع ہو چکے ہین اردو مین آپنے کئی کتابین بھی تصنیف فرمائی تھین اور یہ ملک مین مشہور بھی ہوئین آپ اصلاح تمدن کے بھی زبردست حامی تھے غرض ملک کی ہر قسم کی ترقی کے آپ ایک پر جوش علمبردار تھے۔ اور ملکی خدمت مین نوجوانون کی حوصلہ افزائی اپنا فرض سمجھتے تھے اڈیٹر زمانہ کیساتھ آپ نے شروع ہی سے جس شفقت و محبت کا اظہار کیا اسکی یاد کبھی دل سے محو نہین ہو سکتی ہے افسوس اب آپ رسالہ کو مزید فیض پہنچانے کیلئے موجود نہین ہے۔ پرماتما آپکی آتما کو شانتی دین اور آپکے اعزا و اقربا کو صبر جمیل عطا فرمائیگا۔

تصاویر:- اس ماہ دو تصویرین ہدیۂ ناظرین کیجاتی ہین پہلی تصویر جسمین سلطنت مغلیہ کے مشہور بادشاہ بابر کے دربار کا نقشہ پیش کیا گیا ہے ایک قدیم مرقع سے نقل کیگئی ہے اسکے ملاحظہ سے شاہان مغلیہ کے بارونق دربار اور شاندار محلسرا کا اندازہ ہو سکتا ہے دوسری تصویر پنجاب کے محترم و فیاض بزرگ رائے بہادر سر گنگا رام صاحب مرحوم کی ہے جنکے تفصیلی حالات کیمتعلق اس رسالہ مین ایک مستقل مضمون موجود ہے۔

حضرت تعشق لکھنوی

زمانہ

جلد ۴۹ — اکتوبر ۱۹۲۷ء — نمبر ۴

بھاشا کے نورتن

(۹)

ہریشچندر

بھاشا کے نورتنوں میں بابو ہریشچندر سب سے آخری رتن ہیں مگر چمک دمک سب سے انوکھی رکھتے ہیں۔ آپ جسطرح نظم کے بادشاہ ہیں اسی طرح نثر کے۔ آپ اس رتن میں ظرافت کی چمک۔ متانت کی آب۔ جذبات کا نور۔ تخیلات کی روشنی جلوہ گر پائینگے۔ آپ کا کلام زندہ دلی کا عدیم المثال نمونہ ہے آپکی سوانحعمری میں اسکا جزو نمایاں نظر آئیگا۔

آپ ۱۸۵۰ء میں پیدا ہوئے آپ کا مولد و منشا بنارس ہے آپکے والد کا نام بابو گوپال چند المتخلص بگردھرداس تھا جو ہندی کے مشہور شاعر ہو چکے ہیں۔ آپ لڑکپن سے ذہین اور طباع تھے آپ نے ہندی کے ساتھ ساتھ انگریزی اور فارسی کی تعلیم بھی حاصل کی تھی طبیعت میں جولانی کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ چنانچہ مشہور ہے کہ صرف چھ برس کی عمر میں ایک دوہا لکھا تھا سترہ برس کی عمر ہوتے ہوتے آپ ہندی کے خاصے شاعر ہو گئے طبیعت میں حسن پرستی کا مادہ زیادہ تھا اس وجہ سے آپ دل پر قابو نہ رکھ سکے اور ایک حسن کی دیوی کی پوجا کرنے لگے۔ بزرگوں سے جو دولت ملی تھی وہ فیاضی اور عشرت میں برباد ہونے لگی۔ یہ حال دیکھکر ان کی نانی نے بقیہ نقد اور ننہالی جائداد کو ان کے چھوٹے بھائی کے نام ہبہ کر دیا۔ چونکہ جیتے جی کے بحفظ کے وہ ہبہ نامہ ناجائز تھا۔ اس لئے نانی کے کہنے پر لاکھ ڈیڑھ لاکھ کا سرمایہ جو ان کے حصہ کا تھا اپنے بھائی کو بخشدیا۔

طبیعت مین مذاق بیحد تھا اس لیے اکثر "اپریل فول" کے مواقع پر آپ ایک نہ ایک سوانگ ضرور رچتے دل و دماغ مین وطن کی محبت بھری تھی۔ سودیشی اشیا کی قدر کرتے تھے۔ ہندوستان کی حالت زار پر جو آنسو انھون نے بہائے ہین۔ وہ بھارت کی دردشا " مین ابھی تک ایک وطن پرست کو خون کے آنسو رُلاتے ہین۔

ہندی ناٹک لکھنے کے موجد آپ ہی ہین، عام فوائد ہمیشہ مدنظر رکھتے تھے چنانچہ آپ نے ایک اسکول اپنے نام سے بنارس مین کھولا جو ابھی تک ہرشچندر ہائی اسکول کے نام سے جاری ہے۔

آپ نے مختلف رسالے اور اخبار بھی وقتاً فوقتاً نکالے مگر جب دوسرے کی ادارت مین گئے بند ہو گئے۔ طبیعت مین فیاضی اتنی تھی کہ جس چیز کی کسی نے تعریف کر دی آپ نے اُسی کو بخشدی۔ افسوس کہ ایسے دریکدانہ کو آسیائے چرخ نے بہت جلد پیس ڈالا اور محض اکتیس سال زندہ رہکر مرض دق کی نذر ہو گئے۔

آپ کی تصانیف مین لوگ ایکسو بیچیز کتابین بتلاتے ہین مگر "ستیہ ہرشچندر ناٹک" "چندراولی" "بھارت دردشا" "پریم یوگنی" "کشمیر کُٹم" "چتراولی" "پریم پھلواری" "کرشن چرتر" وغیرہ زیادہ مشہور ہین۔

نمونۂ کلام

बोल्यौ करै नूपुर श्रवरान निकट सदा

بولیو کرے نوپُر سروَن کے نکٹ سدا

पद तल माहिं मन मेरो बिहर्यौ करै

پد تل ماہین من میرو بہہرو کرے

बाज्यो करै बंशी धुनि पूरि रोम रोम मुरव

باجیو کرے بنسی دھنی پورا روم روم مکھ

मन्द मुसक्यानि मन्द मनहिं हरयौ करै

مند مسکان مند منہی ہریو کرے

हरीचन्द चलनि मुरनि बतरानि चित

ہری چند چلین مورنی بتران چت

छाई रहे छबि जुग ध्यान भरयौ करे

چھائی رہے چھبی جگ دھیان بھریو کرے

प्रानहूं ते प्यारो रहे प्यारा तू सदाई प्यारे

پرانہو تے پیارے رہے پیارا تو سدائی پیارے

पीत पट सदा होय बीच पहरयौ करे

پیت پٹ سدا ہوئے بیچ پہرو کرے

مطلب

کرشن جی کے پاؤں کے گھونگھرو کانوں کے نزدیک ہمیشہ بجا کرتے ہیں اور اس آواز کو سنکر میرا دل ان کے قدموں کے نیچے مسلا کرتا ہے۔ میرے روئیں روئیں سے نہی کی آواز نکلتی ہے اور ان کا تبسم میرے دلکو فریفتہ کر لیتا ہے۔

ہریشچندر کہتے ہیں کہ ان کا چلنا۔ مڑنا۔ اٹھلانا دلمیں سمایا رہتا ہے اور ان کی تصویر آٹھ پہر آنکھوں میں بھری رہتی ہے۔

اے پیارے کرشن تو ہمیشہ جان سے پیارا ہے اور محبت کا پھریرا ہمیشہ لہرایا کرے۔

जिय पै जो होय अधिकार तौ विचार कीजिये

جیہ پے جو ہو ادھکار تو بچار کیجئے

लोक लाज भलो बुरो भले निरधारिये

لوک لاج بھلو برو بھلے نردھارئے

नैन स्रवन कर पग सबै बरबस भये

نین سرون کر پگ سے بربس بھئے

उतै चलि जात इन्हैं कैसे के संभारिये

اوتے چلی جات انہیں کیسے سنبھارئے

हरीचन्द भई सब भांति सो पराई हम

ہری چند بھئیں سب بھانت سون پرائی ہم

इन्हें ज्ञान कहि कहो कैसे के निवारिये

انھین گیان کہی کہو کیسے نوارئیے

मनमें रहे जो ताहि दीजिये बिसारि मन

من مین رہے جو تاہی دیجئے بساری من

आपै बसै जामें ताहि कैसे बिसारिये

آپے بسے جامین تاہی کیسے کے بسارئیے

مطلب

اگرجی پر اختیار ہو تو کچھ سوچا جا سکتا ہے۔ اور زمانہ کی شرم، برائی، بھلائی کا اچھی طرح اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ آنکھ۔ کان۔ ہاتھ۔ پاؤن سب بے قابو ہو گئے اور انھین کی طرف مائل ہین ان کو کیسے سنبھالین۔ اے ہریشچندر ہم ہر طرح پرائے ہو گئے ان کو عقل کی بات کہکر کیسے منع کرین۔ اگر جی مین کچھ رہے تو جی سے بھلا دیجئے۔ اور جب جی خود آپ ہی کسی مین بستا ہے تو اسکو کوئی کیسے بھلا دے۔

जान देरी जान दे विचार कुलकानिहु को

جان دے رے جان دے بچار کل کانہو کو

गावन दे मेरे कुलटापन के गाथ को

گاؤن دے میرے کلٹاپن کے گاتھ کو

मैं तो रही भूलि बिन बात के विचारे जौन

مین تو رہی بھولی بن بات کو بچارے جون

प्रेम को बिगारे छाड़ ऐसे सब साथ को

پریم کو بگارے چھاڑ ایسے سب ساتھ کو

देखो हरीचन्द कौन लाभ पायो या में

دیکھو ہریشچندر کون لابھ پایو یا مین

पछिताय रहि गई धन पय खोयो हाथ को

پچھتائے رہی گئیں دھن پئے کھویو ہاتھ کو

जरौं ऐसी लाज आवै कौन काज जाने आज

جرون ایسے لاج آوے کون کاج جانے آج

लखन न दीनो मारे नैन प्रान नाथ को

لکھن نہ دینو ہمرے نین پران ناتھ کو

مطلب

رادھکا ایک سکھی سے مخاطب ہو کر کہتی ہے کہ خاندانی عزت ووقار کے خیال کو جانے دے لوگون کو میری برائیون کے قصے گانے دے یہی فضول باتون مین بھول گئی، جو ساتھ محبت کو خراب کرکے اسکو چھوڑ۔ دیکھو ہریشچندر اس مین کیا فائدہ ہوا سوائے اسکے کہ ملا ہوا دھن ہاتھ سے نکلگیا ایسی شرم مین آگ لگ جائے جس سے آنکھ بھر کر بھی آج دیدار نصیب نہین ہوا۔

धीरे २ घन आये छाय रहे चहुं ओर

گھیر گھیر گھن آئے چھائے رہے چہون اور

कौन हेत मान नाथ, सुरति बिसारी है

کون ہیت پران ناتھ سُرت بساری ہے

दामिनि दमक जैसी जुगनू चमक तैसी

دامنی دمک جیسے جگنو چمک تیسی

नभ में बिसाल बग पंगति संवारी है

نبھ مین بسال بگ پنگت سنواری ہے

ऐसे समय हरीचन्द धीर ना धरत नेकु

ایسے سمے ہری چند دھیرنا دھرت نیک

बिरह बिथा ते होत व्याकुल पियारी है

برہ بتھانے ہوت بیاکل پیاری ہے

प्रीतम पियारे नन्दलाल बिनु हाय! यहा

پریتم پیارے نندلال بن ہائے یہہ

सावन की रात की धौं द्रोपदी की सारी है

ساون کی رات کیدھون درو پدی کی ساری ہے

مطلب

بادل گھر آئے اور چارون طرف چھا گئے ایسے وقت مین کس بری طرح سے انھون نے بھلا دیا ہے۔ برسات کی اندھیری راتون مین جگنو کا چمکنا بجلی کی چمک سے کم نہین۔ بگلون کی قطارین جو ہوا پر اڑ رہی ہین سفید بادلون کے مسلسل ٹکڑے معلوم ہوتے ہین۔ ہریشچندر کہتے ہین کہ ایسے سہانے وقت مین مجھ کو ذرا بھی قرار نہین۔ کرشن جی کے بغیر ساون کی اندھیری رات اتنی طول پکڑ رہی ہے کہ مجھے شبہہ ہوتا ہے کہ یہ رات ہے یا دروپدی کی ساری جو ختم ہونے کا نام ہی نہین لیتی۔

भूली सी, भ्रमी सी, चौंकी, जकी सी थकी गोपी

بھولی سی بھرمی سی چونکی، جکی سی، تھکی گوپی

दुखी सी, रहति कछु नाहीं सुधि गेह की

دکھی سی، رہت کچھ نا ہین سُدھ گیہہ کی

मोही सी, लोभाइ कछु मोदक सो खाये सदा

موہی سی لوبھائی کچھ، مودک سو کھائے سدا

बिसरी सी रहै नेकु खबर न मेह की

بسری سی رہے نیک، کھبر نہ گیہہ کی

रस भरी रहै, कबौं फूली न समाति अंग

رس بھری رہے کبھون پھولی نہ سماتی انگ

हँसि हँसि कहै बात अधिक उमेह की

ہنس ہنس کہے بات ادھک ادمیہہ کی

पूछे ते रिसानी होय उत्तर न आवे ताहि

پوچھے کھسیان ہوئے اوتر نہ آوے تاہہ

जानी हम जानी है निसानी सनेह की

جانی ہم جانی ہے نشانی سنیہہ کی

مطلب

از خود رفتہ رہنا، خوفزدہ رہنا، چونک چونک پڑنا، خفگی کی حالت مین رہنا۔ غمگین رہنا اپنے مکان کی خبر نہ رکھنا۔ صورت سے محبت کا ٹپکنا۔ آنکھون سے حسرت برسنا۔ بیخود رہنا۔ کبھی غصے سے بھرا رہنا۔ کبھی خوشی سے پھولا سمانا، اُمنگ کی باتین ہنس ہنس کر کہنا۔ اگر کوئی تیرے کی بات پوچھے غصے ہوجانا اور جواب نہ دے سکنا۔ تیری یہ سب حالتین بتا رہی ہین کہ کہین آنکھ لڑگئی ہے۔

धिक है वह देश औ गेह सखो

دھک ہے وہ دیش او گیہہ سکھی

जेहि के बस नेह को टूटनो है

جیہی کے بس نیہہ کو ٹوٹنو ہے

उन प्रान पियारे बिना यहि जीवहि

اُن پران پیارے بنا یہی جیو ہی

राखि कहा सुख लूटनो है

راکھی کہا سکھ لوٹنو ہے

हरिचन्द जू बात ठनी सो ठनी

ہری چند جو بات ٹھنی سو ٹھنی

तिनकी कुल कानि सो छूटनो है

تن کی کل کانی سو چھوٹنو ہے

तजि आज उपाय अनेक भई

تجی آج اوپائے انیک بھئی

मनतो हम को बिस घूटनो है

اب تو ہمکو بس گھونٹو ہے

مطلب

اے سکھی وہ شہر اور مکان قابل لعنت ہے جہان رہکر محبت کا ٹوٹنا نصیب ہو بھلا اُن کے بغیر جو جان سے عزیز ہین ہماری جان کس طرح آرام پا سکتی ہے۔ ہریشچندر کہتے ہین کہ اب تو جو دلمین ٹھنی ہے وہ نہین ہے اب تو ہر قسم کی تدبیر چھوڑکر زہر کھا لینا ہی مناسب ہے۔

مناظرات

नव उज्जल जल धार हार हीरक सी सोहत

نو اُجل جل دھار ہار ہیرک سی سوہت

बिच बिच छहरत बूंद मध्य मुक्ता मनिपोहत

بچ بچ چھہرت بوند مدھیہ مکتا منی پوہت

लोल लहर लहि पवन एक पै इक इमि आवत

لول لہر لہی پون ایک پے یک امی آوت

जिमि नरगन मन बिबिध मनोरथ करत मिटावत

جمی نر گن من بیدھ منورتھ کرت مٹاوت

گنگا جی کی تعریف مین فرماتے ہین کہ اس کے نئی اور اُجلی پانی کی دھار ہیرے کی ہار کی مانند خوبصورتی پیدا کرتی ہے۔ اور بیچ بیچ مین پانی کے اچھلتے قطرے ایسے معلوم ہوتے ہین کہ جواہرات کے ہار مین بیچ بیچ مین موتی پروتے ہین۔ سیماب وش لہرین ہوا کے دھکے سے ایک پر ایک اسطرح آتی ہین جیسے آدمی دلمین طرح طرح کے ارادے کرتا ہے ہین اور مٹاتا ہے۔

یہ نظم شروع سے آخر تک نادر تشبیہون سے بھری ہے اس کے علاوہ اشعار سے بھگتی کا جوہر الگ ٹپکا پڑتا ہے۔

جمنا برنن

यमुनाबरनन

तरनि तनूजा तट तमाल तरुवर बहु छाये

ترن تنوجا تٹ تمال ترور بہو چھائے

झुके कूल सों जल परसन हित मनहु सोहाये

جھکے کول سون جل پرسن ہت منہو سوہائے

किधौं मुकुर में लखत उझकि सब निज निज सोभा

کیدھون مکر مین لکھت ادجھک سب نج نج سوبھا

कै प्रनवत जल जानि परम पावन फल लोभा

کے پرنوت جل جانی پرم پاون پھل لوبھا

मनु आतप बारन तीर को सिमिटि सबै छाये रहत

منو آتپ بارن تیر کو سمٹ سبے چھائے رہت

कै हरि सेवा हित नै रहे निरखि नैन मन सुख लहत

کے ہری سیوا ہت نے رہے نرکھ نین من سکھ لہت

جمنا جی کی تعریف مین فرماتے ہین۔ سورج کی لڑکی یعنی جمنا جی کے کنارے بہت سے تمال کے درخت کھڑے ہین معلوم ہوتا ہے کہ کنارے پر جمنا جی کے پانی کو پاک سمجھکر چھونے کے لیے جھکے ہین یا جمنا جی کے پانی کو آئینہ سمجھا ہے اور جھک جھک کر اسمین اپنی خوبصورتی دیکھتے ہین یا بہت زیادہ پاک پانی سمجھکر ثواب حاصل کرنے کی غرض سے سلام کرنے کے لیے جھکے ہین۔ یا گرمی سے بچنے کے لیے سب کے سب کنارے پر جمع ہین۔ یا کرشن جی کی سیوا کے لیے سب کے سب جھکے ہین اور اس کالے رنگ کے پانی کو دیکھکر آنکھون کو روشن کر رہے ہین۔ اس نظم مین بھی کمال دکھایا ہے۔ یہ مناظر ہندی نظم مین نثر سے کم گزرے ہین اگر مین غلطی پر نہین ہون تو اس رنگ کے موجد بھی آپ ہی ہین مرثیہ بھی آپ نے لکھا ہے "دسرتھ بلاپ" کا ایک ایک لفظ درد و غم کی تصویر ہے اور کھڑی بولی کا ایک اعلےٰ نمونہ۔ چند شعر ملاحظہ ہون۔

कहाँ हो ए हमारे राम प्यारे ।

کہان ہو اے ہمارے رام پیارے

किधर तुम छोड़ कर मुझको सिधारे

کدھر تم چھوڑ کر مجھ کو سدھارے

छिपे हो कौन से परदे में बेटा

چھپے ہو کون سے پردے میں بیٹا

निकल आवो कि अब मरता है बुड्ढा

نکل آؤ کہ اب مرتا ہے بڈھا

मेरी आंखों की वह पुतली कहां है

میری آنکھوں کی وہ پتلی کہاں ہے

कमर टूटी न बस अब उठ सकें गे

کمر ٹوٹی نہ بس اب اٹھ سکیں گے

अरे बिन राम के कैसे जियें गे

ارے بن رام کے کیسے جئیں گے

न निकली जान अब तक बे हया हूं

نہ نکلی جان اب تک بے حیا ہوں

भला मैं राम बिन क्यों जी रहा हूं

بھلا میں رام بن کیوں جی رہا ہوں

ناظرین زمانہ آج بھاشا کے نورتن کا سلسلہ ختم ہوتا ہے۔ تو میں کہہ نہیں سکتا کہ میں اس عنوان پر جیسا حق تھا مضمون لکھ سکا مگر اتنی استدعا کی جسارت ضرور کرونگا کہ اردو دان جماعت وہ خاص دلفریبی اور طرز ادا جو بھاشا میں ہے اردو میں پیدا کرنے کی کوشش کرے۔

منظور الحق کلیم اعظم گڈھی

فارسی کا ایک گمنام شاعر

کسی فرد کامل کے واقعات زندگی کو پبلک کے سامنے پیش کرنا اور اُسکے علم و فضل و کمال سے ادبی دنیا کو بہرہ مند کرنا ایک اجر معقول رکھتا ہے۔ ایک ایسا احسان ہے جو اس فن پر ہوتا ہے جس سے اُس فرد کامل کو تعلق ہو۔ انقلاب روزگار سے فارسی کا چرچا بالکل نہ رہا اور فارسی کے اُٹھ جانے سے زبان اُردو بھی معدوم ہوا چاہتی ہے نظم ہو یا نثر فارسی ہو یا اُردو کوئی کسی کا قدردان نہیں رہا اور نہ ان فنون سے کچھ کام نکلتا ہے۔ ورنہ خاکدان ہند میں اب بھی ایسے لوگ موجود ہیں کہ جن کا مثل و نظیر زمانہ پیدا نہیں کرسکتا مگر افسوس کہ زمانہ کی ناقدردانی کی وجہ سے وہ لوگ کس مپرسی کے عالم میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ منشی ولایت علیخان صاحب عزیز صفی پوری بھی انھیں بزرگوں میں ہیں جن کی قابلیت پر گمنامی کا پردہ پڑا ہوا ہے۔

آپ کے آباؤ اجداد بادشاہ اودھ شجاع الدولہ کے زمانہ سے واجد علیشاہ کے زمانہ تک میر منشی رہے اودھ کی سلطنت کے زوال کیساتھ ان کا بھی زوال ہوا۔ عزیز کا سن چودہ یا پندرہ برس کا تھا کہ انگریزی عملداری ہو گئی اور واجد علیشاہ ۱۸۵۶ء میں مٹیا برج چلے گئے۔ واجد علیشاہ کے کلکتہ جانے کے سوا برس بعد ۱۸۵۷ء میں غدر ہوا۔ عزیز کے مکانات جو شاہی محلات سے ملحق تھے مٹ گئے بعد غدر عزیز نے صفی پور ضلع اناؤ میں قیام اختیار کیا کیونکہ بادشاہی جاتی رہی اور لکھنؤ میں کوئی قیام کا ذریعہ باقی نہ رہا۔

سولہ یا سترہ برس کے سن میں عزیز نے ارادت خان جو عالمگیر کے زمانہ میں منشی بے بدل تھا اُس کے پنجرقعہ کا جواب لکھا اور ایک محب کے اصرار سے غالب مرحوم کے پاس بغرض اصلاح روانہ کیا مرزا غالب نے بجائے اصلاح کے داد دی۔ اور لکھا۔

"خوشا مدفقیر کا شیوہ نہیں تمہارا پنجرقعہ ارادت خان کے پنجرقعہ سے کہیں بہتر ہے تحسین ہے الفاظ آبدار اور معنی نازک کہاں ع نقاش نقش ثانی بہتر کشد ز اول نہیں حک و اصلاح

کی مطلق گنجائش نہین"

مولانا حالی و شبلی نے عزیز کے کلام پر حسب ذیل رائے ظاہر کی :-

"آپکے کمال انشا پردازی کا دل سے اقرار کرتا ہون۔ ازمغان ونور ہان کو مین نے بڑے شوق سے پڑھا۔ اور چونکہ غالب مرحوم کے بعد یہ انداز بیان اب تک کسیکی نظم و نثر مین نہین دیکھا تھا۔ ان نثرون کو دیکھکر بے اختیار زبان سے نکلا هاذی الذی سمرنا قبلہ من قبل۔ آپ ان لوگون کی یادگار ہین جنکی نشانیان صفحۂ روزگار سے روز بروز مٹتی جاتی ہین پس آپ کا وجود اس زمانہ مین غنیمت کبریٰ ہے"

امیر مینائی مولوی عبدالحق خیرآبادی اور محسن کاکوروی و مولوی محمد ظہیر احسن شوق نیموی نعمان احمد و مولانا عباس بھوپالی نے عزیز کو اپنے عصر کا بہترین فارسی دان تسلیم کیا۔ عزیز فارسی کے بیدل وکلیم ہائے دہر شاعر ہین اور اسوقت فارسی دانی مین دور دور اپنا نظیر نہین رکھتے۔ فارسی نظم و نثر دونون پر آپکو اسقدر قدرت حاصل ہے کہ زمانۂ موجودہ مین کوئی دوسرا شخص اس تبحر اور فضل و کمال کا پیش نہین کیا جاسکتا۔ قریب ستر برس تک عزیز نے فارسی زبان کی خدمت کی اور ۲۹ کتابین تصنیف کین۔

دیوان ولایت۔ دیوان عزیز۔ نور تجلی۔ نعت محبوب۔ ختم فکر فارسی ۵ دواوین فارسی مین ہین۔

نیر نمہ نثرہ۔ نگارش عاری۔ مخزن ولایت۔ ازمغان نور ہادن مینگیش شاہجہانی نثر مین ہین۔ آخر الذکر تین خالص فارسی مین ہین اور صنائع و بدائع سے مملو ہین مصنف نے ایک لفظ بھی عربی کا استعمال نہین کیا۔ ان رسالون مین مصنف نے خالص فارسی مین کمال جدت طرازی سے لیاقت و ذہنیت کے دریا بہائے ہین اسکا لطف بغور مطالعہ کرنے پر منحصر ہے۔ مرآۃ الصنائع اسمین ۷ اصنوں کا ایک فارسی کا قصیدہ ہے جسکو جناب عزیز نے ۱۲۶۰ھ یعنی اپنی زمانہ شعر گوئی کے آغاز مین تحریر فرمایا تھا اُسوقت اسمین قریب سو شعر کے تھے غالب مرحوم نے ۱۲۶۹ھ کے وقت جو شعر پسند آئے ان پر صاد کردیا اور یہ مطلع تخمیس مین اپنی طرف سے بڑھایا۔

اے تیر انداز جوانے روئے تو راز   وے تار از بلائے موئے تو تار

اور لکھا کہ مین اسی وزن و قافیہ مین التزام صنائع کیساتھ ایک قصیدہ لکھنا چاہتا ہون اسمین سے یہ مطلع اپنے قصیدہ مین شامل کر لو اب اس مجموعہ مین جناب عزیز نے ۳۳۵ شعر لکھے جسمین ۲۴۸ صنائع غیر مکرر موجود ہین جن کی تصریح ۱۹ صفحون مین لکھی ہے۔ اعجاز التواریخ اسمین جناب عزیز کی تاریخین درج ہین۔ بیان التاریخ یہ بھی ایک تاریخون کا مجموعہ ہے جس کے آغاز مین ۱۹ صفحون پر ایک مقدمہ یا دیباچہ ہے جسمین تاریخ کے مختلف طرق سے بحث کی ہے ۲۰ صفحہ سے ۱۱۴ صفحہ تک فارسی تاریخین ہین اور اس کے بعد ۱۱۳ صفحہ سے ۱۲۰ صفحہ تک اُردو تاریخین ہین۔ عزیز نے گیارہ مثنوی۔ ذکر جمیل۔ خبر خیبر۔ اعجاز محمدی۔ ماہ شب و روز۔ حیرت دل۔ زمرۃ الشہادتین۔ جلوۂ حسن۔ شعلۂ محبت۔ جذبۂ محبت۔ جذبۂ عشق مقصد الابرار۔ فتح مبین۔ تصنیف کین۔ مثنوی فتح مبین ۹ برس مین تصنیف کی اور یہ مثنوی مثل شاہنامہ فردوسی کے ہے۔ ملک کو ان جواہر پارون کی قدر کرنا چاہیئے۔ عزیز ایک درویش صفت صوفی مشرب اور خدا پرست بزرگ ہین۔ ساڑھے سات روپیہ ماہوار پنشن جو سرکار انگریزی سے ملتی ہے۔ تمام عمر اسی مین بسر کی اور آجتک دست سوال کسی کے سامنے دراز نہین کیا۔ عزیز اپنی بے بضاعتی کی وجہ سے اپنی کوئی کتاب بھی طبع نکرا سکے پندرہ سولہ کتابین ڈاکٹر حاجی محمد احسان علیصاحب انصاری ریٹائرڈ صوبہ دار میجر صفی پور ضلع [...]ناؤ کی سعی و کوشش پلنے سے زیور طبع سے آراستہ ہوئین۔ بہت سی نادر کتابین اب تک زمانہ کی ناقدردانی [...]ی وجہ سے طبع نہ ہوسکین۔

عزیز کا سن قریب بچاسی برس کے ہے اور وہ بالکل چراغ سحری ہو رہے ہین خدا عمر مین برکت [...]ے۔ بوجہ پیرانہ سالی لکھنے پڑھنے ست بالکل معذور ہین۔ اس امر کا بیحد افسوس ہے کہ عزیز کے ساتھ [...]رسی کا بہترین خزانہ بھی خاک ہو جائیگا عزیز سے پبلک مطلق واقف نہین اور وہ کس مپرسی کے عالم مین [...]رگی کے دن گزار رہے ہین اس امر کا بیحد قلق ہے کہ ایسے جید فاضل کے علم و فضل و کمال سے ادبی [...]یا نے مطلق فائدہ نہ اُٹھایا۔ چنانچہ ایک کتاب کے دیباچہ مین عزیز خود ارشاد فرماتے ہین۔ رباعی۔

رُجحان ہے فارسی کی جانب کس کا　　چرچا نہین اب ہند مین ہرگز اس کا
اللہ نے وہ زبان دی مجھکو عزیز　　کوئی بھی نہین سمجھنے والا جس کا

علاوہ فارسی کے بارہ کتابین نثر و نظم کی عزیز نے اُردو مین تصنیف کین۔ لیکن بہت سی [...]ین اب تک شایع نہ ہوسکین۔ اشعار الاشعار عروض و قافیہ مین بہترین کتاب ہے جس برس کا

زمانہ ہوا کہ یہ کتاب شائع ہوئی تھی لیکن اب کوئی نسخہ دستیاب نہیں ہو سکتا ادبی دنیا کے لیے یہ ایک بہترین تحفہ ہے۔ عزیزؔ اپنے کلام کے متعلق خود ارشاد فرماتے ہیں۔ ع

دیوان عزیزؔ است کتابے تہِ دریا

جناب عزیزؔ کو فارسی زبان سے ایک خاص ذوق ہے لیکن اردو سے بہت کم دلچسپی ہے جیسا وہ خود اعتراف کرتے ہیں، جس زمانہ میں غالبؔ اور ذوقؔ کے سہروں کے متعلق مواخذے اور مباحثے ہو رہے ہیں۔ اس وقت جناب عزیزؔ نے بھی اسی زمین ایک سہرا لکھا تھا۔ اس کے آخری دو شعروں میں آپ نے ظاہر کر دیا ہے کہ میں فارسی کا شاعر ہوں مجھے اردو کا شوق کم ہے۔ فرماتے ہیں۔

فارسی گو ہوں میں اردو کا مجھے شوق ہے کم　　برسوں کہتا ہی نہیں اور پھر اس پہ سہرا

ہاشمی نے بہت اصرار کیا مجھ سے عزیزؔ　　اس خاطر سے لکھا مثلِ سخنور سہرا

تاہم کبھی کبھی احباب کے اصرار سے اردو میں بھی غزلیں کہی ہیں لیکن ان غزلوں میں نعت و تصوف کا رنگ غالب ہے۔ آپ کا اردو دیوان، طورِ تجلی ابتک شائع نہیں ہوا اس دیوان کو دیکھکر امیرؔ مینائی مرحوم نے تحریر فرمایا تھا کہ جن مشکل زمینوں میں آپ نے نعت کی غزلیں کہی ہیں۔ ان میں عاشقانہ شعر بھی مشکل سے نکل سکتے ہیں۔

ذیل میں جناب عزیزؔ کی چند فارسی و اردو غزلیں پیش کی گئی ہیں۔ سخن شناس ناظرین کلام کی خوبیوں کے متعلق خود اندازہ کرینگے۔

کلام فارسی

گل سید مزہ آتش سنگِ مزارِ ما　　سوزد چو لالہ داغ بہ سر دلِ بہارِ ما

آمد خون دیدہ گل افشاں نگارِ ما　　روشن زآہ گرد چراغِ مزارِ ما

آوردش آہ بر سرِ خاکِ مزارِ ما　　ہنگامہ سرگرم کرد دل پر شرارِ ما

تارِ نظر گسیختۂ و رشتۂ نفس　　آہ از بلائے کشمکشِ انتظارِ ما

خود را بوہم تنگ در آغوش خود کشید　　خاکے زمانیافت زمین از فشارِ ما

ہر شب فروغِ بزم تو از ماست ہمچو شمع　　سوز و گداز دل ہمہ آمد بکارِ ما

نبود ہنوز در سرِ ما جز ہوائے تو　　گردد بگرد کوئے تو مشتِ غبارِ ما

آه بر لب چشم پر خون داغ حسرت در جگر
چون ولایت روز و شب فریاد و واویلا کنم

نسبت او به گل مده گل چو رخ نگار کو — زمزمه سنج حسن او هر طرفے هزار کو
طره ز سر گشاده است شانه بموے می‌زند — تا خم و پیچ بنگرد سنبل تابدار کو
پیکر نازکش ببین آه جمال نازنین — در چمن این صفت کجا در چمن این بهار کو
دیر مکن در آمدن زود بیا نگار من — عاشق ناصبور را طاقت انتظار کو
شعله بجان که یار زد در رگ دل شرار زد — در سر ما خرد کجا در دل ما قرار کو
گل بهزار رنگ بوست بلبل زار محو اوست — شاهد لاله رو کجاست ترک ستم شعار کو
گرچه به تیغ یک نظری فگنی هزار سر
همچو ولایت اے صنم کشتهٔ دلفگار کو

شراب عشق در پیمانه کردی — بیک پیمانه ام مستانه کردی
بیک غمزه مرا از خود ربودی — بیک عشوه مرا دیوانه کردی
بکن هر انچه خواهی اے ستمگر — نخواهم گفت کردی یا نه کردی
به افسون نظر دادے فریبم — بر سواے مرا افسانه کردی
به محفل شمع گشتی گل به گلشن — ستم بر بلبل و پروانه کردی
مرو سوے حرم اکنون ولایت
که عمرے خدمت بت خانه کردی

قطعه

این طرفه تماشاست که عشق همه فتنه — خود بود تماشا و خود آمد به تماشا
خود بود که پیدا شده در قالب یوسف — خود بود که پنهان شده در جان زلیخا
خود صورت شیرین شده خود معنی فرهاد — خود ظاهر مجنون شده خود باطن لیلی
خود بود که اسرار خود از غیر بپوشید — خود کرد به یکرنگی مستی همه افشا

خود بود ولایت بہ نہان خانۂ خلوت
خود آمدہ در جلوت و شد محو تجلا

قصیدہ کی تشبیب کے چند اشعار۔

بحیرتم کہ برافراخت گنبد دوّار — کہ روئے روز نماید ز پردۂ شب تار
ز سرو گل کہ دماند بقامت خوبان — ز گل بہ نغمہ کہ آرد ہزار در گلزار
بزلف سنبل پیچان کہ می زند شانہ — کہ میکند بہ گلستان بنفشہ نکہت بار
برابروان حسینان کہ می کشد وسمہ — کہ داد دیدۂ حیران بہ نرگس بیمار
سحر ز شبنم غلطان کہ در بر آراید — بزلف سنبل و موئے بنفشہ در ہر تار
بشاہدان کہ دہد چشم نا مسلمانی — کہ پارسا بیک ایمائے او خرد زنار
کہ رنگ و بو بودیعت نہاد در ہر گل — کہ نوک تیز امانت سپردہ است بخار
شگفت روی زکہ تعلیم یافت باد صبا — کہ گل شود تبسم بران سبک رفتار
کہ کرد ساغر گل پُر ز بادۂ شبنم — کہ داد در کف گلبن قدح ز مے سرشار
برین نمط کہ رقم کرد کلک معنی بند — کرا مجال کہ پیدا کند یکے ز ہزار

وے مقدر مطلق کہ لا شریک لہ
نمود این ہمہ اشکال مختلف بہ کار

غزلیات اُردو

بلا کے بات بھی کی اور مسکرا بھی دیا — کیا شہید بھی قاتل نے خون بہا بھی دیا
گیا جو نامہ بر آیا بہت سراسیمہ — کہا کہ چاک کیا خط کو اور جلا بھی دیا
سنبھلتے حضرت موسیٰ گر ستم یہ ہوا — دکھا کے جلوۂ دیدار کچھ ستا بھی دیا
میں وہ چراغ ہوں جسکو فروغ ہستی نے — قریب صبح کیا روشن اور بجھا بھی دیا

عزیزؔ اس کے کرم پر فدا نہ ہوں کیونکر
کہ عشق دے کے مجھے عشق کا مزا بھی دیا

سکھائی ناز نے قاتل کو بیدردی کی خو برسوں — رہی بیتاب سینے میں ہماری آرزو برسوں

گر سجدے میں تجھکو دیکھتے ہی وائے رسوائی — کیا تھا جس ولی نے آب زمزم سے وضو برسوں
اگر منظور تھا پہلے سے دلمیں جلوہ دکھلانا — پھرایا کیوں کلیسا سے حرم تک کو بکو برسوں
نہ پوچھو بے نیازی آہ طرز التجا دیکھو — ملائی خاک میں ہنس ہنس کے میری آبرو برسوں

خرابی ہو گئی زاہد بنایا ہجر ساقی نے
عزیز افسوس الگ رہتا ہے ساغر سے سبو برسوں

کیسے ہم آشفتۂ شام غریباں ہو گئے — عمر بھر کے خواب سب خواب پریشاں ہو گئے
شور محشر پوچھتا ہے اک دبی آواز سے — کیا وہ خواب ناز سے اٹھکر خراماں ہو گئے
بیٹھے بیٹھے کیوں اٹھایا کیا کیا اے شور عشق — دلمیں جتنے آبلے تھے سب نمکداں ہو گئے
گریہ کرنا دل جلانا جان کھونا عشق میں — بیخودی کے فیض سے سب کام آساں ہو گئے
ہو گئے تحلیل دلمیں اب کہیں ملتے نہیں — سینۂ زخمی میں گم تیروں کے پیکاں ہو گئے
میں نے جو پوچھا کہ دشمن ہو گئے تم دوست کے — بول اٹھے بیساختہ ہاں ہو گئے ہاں ہو گئے

جو یہاں آئے رہے آمادۂ رحلت عزیز
سب کے سب سرگشتۂ گردون گرداں ہو گئے

الفت زندگی نہیں جاتی — جان بے عشق دی نہیں جاتی
جائے گی اکدن فراق میں جان — کیا ہوا گر ابھی نہیں جاتی
جان جائے تو آرزو جائے — یہ بلا جیتے جی نہیں جاتی
ہوش جاتے ہیں جب وہ آتے ہیں — دلکی حالت کہی نہیں جاتی

کیا کہوں طرفہ ماجرا ہے عزیز
دل گیا بے خودی نہیں جاتی

اللہ کی جس نے جستجو کی — احمد کی شبیہ روبرو کی
چکر میں ہے اُن کے غم سے دل اب — کھاتا ہے قسم مرے لہو کی
لائی ہے نسیم ان کی خوشبو — حاجت نہیں ساغر و سبو کی

سیّد احمد حسن صفی پوری

جادۂ ہستی

(از مسٹر جے کرشنا مورتی)

باب اول

آسمان پر ابر کا نشان تک نہین - ہوا نام کو بھی نہین چلتی - آفتاب کی تیز شعاعون کی حدت سے کرۂ عالم کرۂ نار بنا ہوا ہے - مین تن تنہا راستہ پر چلا جا رہا ہون - ہر دو جانب لق و دق میدان ہے - گھاس کی ایک پتی بھی سبز نہین - اس وادی دلفگار مین کوئی پھول تک نہین کھلتا - ہر شے خشک اور مرجھائی ہوئی زمانہ کے ناگفتنی رنج و الم کے مصیبت کی شاکی ہے اس صحرائے ہستی مین ایک بھی ایسا شجر نہین جس کے سائے تلے کوئی نازک اور کمزور ہستی آفتاب کی ... سے بچکر خرم و شادان نشو و نما پا سکے گرمی کے مارے خود زمین بھی منھ کھولے ہانپ رہی ہے اور آنکھین پھاڑ پھاڑ کر بیدرد سورج کی طرف دیکھتی ہے - آسمان کی رنگت مین اب وہ ہلکی نیلاہٹ بھی نہین - صدیون کی تپش نے اسکا رنگ سفید کر دیا ہے - کبھی تو ضرور اس آسمان نے بارش کی ننھی ننھی بوندین برسائی ہونگی - کبھی تو ضرور اس پیاسی زمین نے بارش کا پانی پیا ہوگا - ان مردہ پودون اور مرجھائی ہوئی جھاڑیون اور گھاس کے تنکون نے بھی کبھی نہ کبھی اپنی پیاس بجھائی ہوگی - مگر اب وہ مردہ ہین زندگی کے نام تک سے آشنا نہین کون کہہ سکتا ہے کہ دل ٹھنڈا کرنے والے بارش کے قطرون کو آسمان سے اترتے ہوئے کتنی صدیان گزر چکی ہین اور یہ غریب پھر بھی ہمین بتا سکتے ہین کہ ان کے دنون مین ساون رت کی امنگین پیدا ہوئے کتنا عرصہ گذر چکا سو کبھی گھاس نے تنکون سے تو کوئی ان کی تر و تازگی کے زمانے کا حال کیا پوچھے - ہر ایک چیز ایسی مردہ ہے جسے زندہ ہونے کی امید تک باقی نہین -

ہر طرف ہو کا عالم ہے - کانون مین ... تک نہین آتی - ہر سو ہولناک خاموشی طاری ہے

گاہے بگاہے زمین کی چھاتی پھٹنے سے درد بھری کراہنے کی آواز سنائی پڑتی ہے اور مٹی کے ذرّے آسمان کی طرف اُڑکر پھر بے حس و حرکت زمین پر گر پڑتے ہین - کسی جاندار ہستی کو اس گلو سوز ہوا مین دم مارنے کی مجال نہین ہے جو کسی وقت زندہ ہوگی - اب مردہ ہے - لب سڑک وہ کشادہ نہر جو کسی زمانے مین لہرون کی اُمنگ سے پھولی نہین سماتی تھی اور اپنے آب سرد سے جاندارون کو فرحت بخشتی تھی آج سوکھی پڑی ہے اُس کی تشنہ لب تہ کو اب اتنی بھی خبر نہین کہ اُس پر پانی کب رواں تھا - بیچاری مچھلیون کو بھی جنکی گلی سڑی ہڈیان اسوقت سورج کی چکاچوند روشنی مین بکھری پڑی ہین اب وہ زمانہ بھی یاد نہین جب پانی مین تیر کر اپنے گوناگون چمکیلے اور خوشنما رنگون کو وہ آفتاب کی پرضیا اور جان بخش کرنون کے نذر کرتی تھین - وادیان بھی زمانہ ماضی کے بیکسون کی لاشون سے بھری پڑی ہین جو اب نئی روح کی تحریک سے پھر زندہ اور بشاش نہین ہو سکتین سارا کھیل ختم ہو چکا موت نے ہر ایک جاندار ہستی کو اپنی بے مہر آغوش مین لے لیا ہے اسوقت ایک فقط میری ہستی کے سوا اور کوئی ہستی باقی نہین -

اس منزل جانکاہ مین میرا کوئی رفیق نہین - مین فقط اکیلا ہون غالباً کچھ پس ماندگان میرے پیچھے آرہے ہونگے - مگر پیچھے مڑکر زمانہ گذشتہ کے دل دہلا دینے والے مصائب پر نظر ڈالنے کی اب ہمت نہین پڑتی میرے دور و دراز بے پایان جادۂ ہستی کے دونون طرف سنسان ویران عالم ہے جو اشارہ مین مجھے موت کی تاریک اور ہولناک خاموشی کی طرف بلا رہا ہے - میرے سامنے رستہ کوسون لمبا ہے جس کی مسافت سالہا سال کیا صدیون مین بھی طے نہین ہو سکتی جسے سورج کی زبردست جلتی ہوئی شعاعون نے سفید کر دیا ہے اور جو بتدریج آسمان کی بلندی مین جا ملا ہے - اس دشوار گذار رستہ کی سفیدی آفتاب کی چمک سے ملکر میری آنکھون کو اندھا کر رہی ہے - جیون ہی آنکھون کو مہلت اور قرار دینے کے لیے کسی طرف اُٹھاتا ہون روشنی کی چکاچوند سے آنکھ فوراً جھپک جاتی ہے - آفتاب بھی غروب ہونے کا نام نہین لیتا - اپنی ناگوار اور شعلہ فشان کرنین بیدرد ظالم کی طرح لگاتار برسائے جا رہا ہے - رستہ مطلق ہموار نہین - لیکن ادہر ادہر کہین کہین اُسکی سطح صاف اور شفاف جھیل کی ہموار سطح کے مانند ہے یون تو اس ہولناک رستہ پر چلتے ہوئے قدم لغزش نہین کرتے مگر غیر آسودہ طوفان کی طرح جسے چشم زدن مین تباہی پھیلانے ہی مین خوشی حاصل ہوتی ہے یہ راہ اچانک ہی گہرے نشیب پیدا کر دیتی

ہے اور مجروح مسافر کی بیکسی پر اسے مطلق رحم نہیں آتا۔ کون کہہ سکتا ہے کہ پھر کب یہ راہ ہموار ملے گی۔ ممکن ہے کہ دوسرے ہی قدم پر آسان ہو جائے۔ اور تعجب نہیں کہ ساون کی محنت اور مصیبت کے بعد سنبھلے۔ یہ ایسا دشوار گزار بے رحم رستہ ہے کہ اسے مسافر کی آسائش یا تکلیف کا کوئی احساس نہیں خوشی سے چلے یا ناک بھوں چڑھا کر سفر چلے بغیر طے نہیں ہو سکتا۔ خدا جانے اس فتنہ انگیز راستہ کو کس نے بنایا ہے۔ خود راستہ بھی اپنے بنانے والے کا پتہ نشان نہیں دے سکتا۔ اسکی ہستی صدیوں سے کیا لاکھوں برس سے چلی آتی ہے۔

میرے سوا کسی اور شخص نے اس راہ پر قدم نہیں رکھا۔ یہ محض میرے ہی لیے تنہا سفر کرنے کو بنایا گیا تھا۔ میرے رفیق۔ احباب بھائی بہن۔ ماں۔ باپ سب ہی تھے۔ مگر اس فنائی منزل میں کسی ہستی کو قرار نہیں۔ جادۂ ہستی مثل ایک حاسد اور سچے عاشق کے ہے جو اپنے معشوق کو غیروں سے مانوس ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔ یہ سنگدل میری سچی محبت کی برابر آزمائش کرتا رہتا ہے۔ میرے کسی دوست یا غمگسار کی جان نہیں بخشتا۔ ہر بات اپنی مرضی کے مطابق کرانا چاہتا ہے۔ مجھے اپنی نگاہ سے کبھی علیحدہ نہیں ہونے دیتا۔ اس کی آغوش میں بلا کی طاقت ہے۔ جو بغلگیر ہوتے وقت میرا دم گھونٹ دیتی ہے۔ اس کے عجیب و غریب انداز الفت ہیں۔ میرے مجروح خون آلود پیروں کو دیکھ کر اس کے لبوں پر تبسم پیدا ہوتا ہے۔ یہ میرا ایسا دائمی رفیق اور عاشق زار ہے کہ میں اس سے ہرگز علیحدہ نہیں ہو سکتا۔ بجز اس راہ بے پایان کے مجھے کسی اور ساتھی کی آس نہیں۔

بعض اوقات میرا دلدادہ میرے ساتھ بالکل اجنبی کی طرح برتاؤ کرتا ہے۔ اور اسے مطلق میری خوشی یا رنج کی پرواہ نہیں ہوتی۔ مصیبت میں دن کاٹوں یا مسرت میں زندگی بسر کروں۔ حالت افسردگی میں رہوں یا یاد خدا میں مسرور۔ اسے کچھ واسطہ نہیں۔ اور ہو بھی کیوں۔ وہ خوب جانتا ہے کہ میں جادۂ ہستی کو کسی طرح ترک نہیں کر سکتا اور نہ مجھ ایسے آزردہ دل سے وہ خود علیحدہ ہو سکتا ہے۔ ہم دونوں ایک جان دو قالب ہیں وہ مجھ سے جدا اور میں اس سے جدا نہیں ہو سکتا۔ ہم دونوں ایک ہیں مگر اس پر بھی ایسے مختلف موسم بہار کی سہانی صبح کی طرح جادۂ ہستی مجھے شاہراہ امن پر چلنے کی ترغیب دے رہا ہے اور مجھے اس عارضی سکون سے اس طرح بہکا کر دور ہٹا دیتا ہے۔ جیسے غضبناک سمندر کی موج بیکران اچانک تیز قدم کھا کر بہا لیجاتی ہے۔ چلتے چلتے جب میرے قدم

ڈگمگانے لگتے ہین تو لپٹ کر مجھے سہارا دے دیتا ہے - جس سے تھوڑی دیر کے لیے گذشتہ رنج والم کو بھول جاتا ہون - جادۂ ہستی محافظ اور مہربان مادر کی طرح مجھے بوسہ دیتا ہے - مگر ساتھ ہی جب کبھی مسرّت حقیقی کے چشمہ سے فیضیاب ہوکر مجھ مین سرور کی کیفیت پیدا ہونے لگتی ہے تو یہ ستمگر ایک جھٹکے مین مجھے اس خوشگوار عارضی خواب سے جگاکر پھر ان مجروح پیرون سے چلنے کو مجبور کرتا ہے -

میرا خلوت پسند محبوب سنگ دل بھی ہے اور مہربان بھی اسے وفا اور جفا کرتے دیر نہین لگتی - یہ مجھ سے پیار کرے یا نکرے اسکی مطلق فکر نہین مگر رونا تو اس بات کا ہے کہ اسکے سوا اس راہ پر میرا کوئی اور ہمدرد اور رفیق بھی تو نہین اور نہ میرے دلمین کسی اور ہمجنس کی صحبت کی تمنّا ہے - آفتاب مجھے جلا رہا ہے اور جادۂ ہستی میرے پاؤن کو چھلنی بنا رہا ہے - اس سخت راہ پر میرا کوئی نقش قدم بھی باقی نہین رہتا اور نہ کسی اور مسافر کے پانون کا نشان ہی دکھائی دیتا ہے غرضیکہ اپنی تنہائی پر مجھے ناز ہے میری تکلیفین اغیار کی تکلیفون سے کہین انوکھی نہین میری خوشیان ان کی خوشیون سے کئی گنا بڑھ چڑھکر ہین اور میرے دلمین محبت اور پیار کی ایسی دھن ہے کہ اسکا نمونہ دنیا مین ڈھونڈھے نہین ملیگا - مین اپنے محبوب کا سچّا عاشق اور وفادار ہون - کوئی عاشق اس معبود کی پرستش مین مجھ سے دلی ارادت اور عقیدت مندی مین سبقت نہین لے جاسکتا - نہ مجھ سے بڑھکر کوئی سچا عابد اور نہ میرا ایسا کوئی جوشیلا مرید ہوگا - اُسکی بیدردی میری محبت کی آگ کو اور بڑھاتی ہے اور اُسکے کرم ہمیشہ کیلئے مجھے اُس کے ساتھ وابستہ کر رہے ہین - ہماری زندگی ایک دوسرے کے لیے وقف ہے اور بجز میرے اسکے چاند سے منور مکھڑے کی زیارت کسی اور کو نصیب نہین - اس کے نازک ہاتھون پر بوسہ دینے کا فخر صرف مجھ ہی کو حاصل ہے - میرے سوا میرے محبوب کا کوئی عاشق نہین جس طرح ایک چھوٹا سا پرندجس کے پر و بال دنیا کی آزمائش سے ناآشنا ہون موقع پاکر آزادی اور سیر گلشن کی ہوس مین اپنے محفوظ گھونسلے سے باہر اُڑ جاتا ہے - ویسے ہی مین بھی اس جادۂ ہستی کی طرف سرور و محبّت کے مزے تنہائی مین لوٹنے کے لیے دوڑ آیا ہون کہ مبادا کسی رقیب کی نگاہین میرے محبوب کی دلفریب رخسارون پر پڑین -

مختلف موسمون کی مختلف ہواؤن نے میرا سامنا کیا ہے - مین باد خزان کے جھونکون سے خشک پتے کی طرح پامال کیا جاچکا ہون - مگر بار بار میرا قدم اسی دلفریب جادۂ ہستی کی طرف پڑتا ہے

بادسموم نے کڑی دھوپ مین موج آب کی طرح مجھے کئی ناچ نچائے ہین۔ مثل ایک صحرائے اعظم کے جس کی وسعت بے پایان اور لا محیط ہو آفتاب کی کرنون کے سامنے مین متحرک ہون اور سمندر کی ریگ کی طرح میری ہستی بیقرار رہتی ہے۔ مین کبھی ایک لمحہ کے لیے شادکام نہین ہوا۔ میری روح قناعت سے کبھی بھرپور ہوئی خوشی نام کو بھی میرے حصہ مین نہین آئی۔ ہمیشہ کس مپرسی کی حالت مین رہا ہون کسی کے جلوۂ تبسم نے جی بھر کر میرے دل کی آرزو کو پورا نہین کیا۔ کسی کی من موہنی صورت کا دیدار میرے دل بیتاب کے لیے مرہم نہین بنا۔ میرے ہجوم غم کو کسی کے شیرین کلام نے دور کیا۔ نہ مہر مادری ہی نے اور نہ بیوی بچون کی الفت نے میری محبت کے جلتے ہوئے انگارون کو ٹھنڈا کیا تمام لواحقین مجھ سے کنارہ کش ہو گئے اور مین نے ان سب سے قطع تعلق اختیار کیا۔ کوڑھی جذامی کی طرح بہت ٹھوکرین کھائین۔ کسی نے میرے حال پر آنسو تک نہ بہایا۔ فکر و غم میرے ابدی مونس اور رفیق رہے ہین۔ ہجوم یاس نے سایہ کی طرح میرا پیچھا نہین چھوڑا۔ نت نئی مصیبتون نے مجھے آٹھ آٹھ آنسو رُلایا ہے۔ مین نے موت سے واصل ہونے اور صفحۂ ہستی سے یک قلم مٹ جانے کی کئی بار آرزو کی مگر میری آرزو پوری نہین ہوئی۔ مین نے بارہا اجل کی عبرت انگیز رخ کا مشاہدہ کیا ہے اور دل ناشاد کو چاک کر کے کئی بار ہنسی خوشی اُس پر صدقہ کیا۔ مگر وہ ہمیشہ مسکرا کر دعائین دینے لگتی ہے۔ اجل کا دل تسخیر کرنے مین ناکامیاب ہو کر جب جب تھک گیا ہون اُس سے منھ موڑ کر الفت اور عبادت کی قربانگاہ کی طرف قدم بڑھایا ہے۔ مجھے ہرگز راحت حاصل نہین ہوئی۔ اس تمنا مین کہ کسی طرح شانتی (سکون) کے مندر تک میرے قدم پہونچ جائین مین نے اپنی اور غیرون کی بہتیری قربانیان کین مگر سب اکارت گئین۔ بہت عرصہ لگاتار عبادت اور پرستش مین گزارا مگر زمانہ کی حوادثون کے ریاض کی دولت کو نازک بوئے گل کی طرح اُڑا کر مجھے خستہ اور نیمجان چھوڑ گئی۔ میرے گھٹنے ابتک دُکھ رہے ہین۔ — بسا اوقات مین نے پاک ہستیون کے مقدس قدمون پر پھول چڑھائے ہین مگر میری منت پوری نہین ہوئی۔

کتنے ہی بار مین نے اپنے آپکو ہر ملک اور ہر قوم کے دیوتاؤن کے بھینٹ چڑھایا مگر اُنھون نے ہمیشہ نہایت خاموشی و سرد مہری سے بے رخی برتی۔ بارہا مین ان کے مندرون کا پوجاری بنکر رہا۔

گر قبائے پاک میرے تن سے کھسک کر مجھے روز روشن مین عریان چھوڑ گئی۔ دیوتاؤن کے بھگتی مین متدون کے متبرک ہونٹون کا بوسہ لینے کے لیے جب کبھی ہاتھ بڑھایا دیکھتے دیکھتے نازک کنول کے پھول میرے ہاتھون مین ہی مرجھا گئے۔ دنیا کی بنائی ہوئی عبادت گاہون مین صد ہا بار سجدے کئے لیکن ہر مرتبہ اور خاموش نامراد واپس آیا۔ ہزار ہا رسومات بھی ادا کین۔ مگر کوئی تمنّا بر نہ آئی اور خوشی نصیب ہوئی کی تمام مذہبی فرائض سرانجام دیئے مگر نہ تو شکل امید نظر آئی اور نہ خوشی نصیب ہوئی۔ اپنے آپ کو سیکڑون مندرون اور مسجدون مین خدا کے نام پر نثار کیا مگر شانتی (تسکین) حاصل نہ ہوئی صحائف مقدسہ کا بہتیرا مطالعہ کیا مگر علم کمال سے بے بہرہ رہا۔ نہ معلوم کتنی زندگیان زہد و تقویٰ مین گزارین مگر جہل و اگیان کی تاریکی چھائی رہی۔ روزن دل کھولکر ستارون کا بہتیرا مشاہدہ کیا کہ کاش اُنھین سے کچھ پتہ چلے مگر انہون نے بھی راز ہائے سربستہ کا جلوہ نقاب اُلٹ کر نہ دکھایا۔ راتون جاگ جاگ کر عالم فانی کی نیرنگیون کا تماشہ دیکھا اور روشنی کا متلاشی رہا مگر تاریکی اور تیرگی تقدیر مین لکھی رہتی۔

گزشتہ جنمون مین خلوت پسند پیر دانا کے تلقین کی پیروی دیدہ و دانستہ کبھی آنکھ بند کر کے اور کبھی اور آنکھ کھولکر کی مگر ان کی تربیت سے بھی سنسان پہاڑون کے دامن سے آگے قدم بڑھانے کی قابلیت پیدا نہ ہوئی۔ تنگ نفس رہ کر بھی بہتیری زندگیان بسر کین اور محنت اور مشقّت سے کام لیا۔ کبھی نفس پر قابو بھی کیا اور کبھی رند بنا رہا۔ بسا اوقات دل مغموم رو دیا کیا اور مددائے دسی کی تمنّا مین لاکھون آنسو گرائے مگر کسی کا سہارا نہ ملا۔ روشنی کی تلاش مین کیا کیا سخت مقابلے انسانون کے نہ کئے نتیجہ یہ ہوا کہ نہ روشنی نصیب ہوئی نہ انسانیت ہی باقی رہی۔ منزل مقصود کو پیش نظر رکھتے ہوئے اور جذبات و خواہشات کو ضبط کر کے تلاش حق مین کیا کیا گہرا مراقبہ نہ کیا مگر کشف حاصل نہ ہوا۔

بسا اوقات بھائی بندون کے شور و غل سے دور بھاگا ہون۔ اُن کے فاسد خیالات اور دنیوی تفکرات سے اُن کے جھوٹے اور بدنما جذبات اور خفیف کاوشون اور رنج کی داستان سے جو خود انسان نے اپنے آپ پیدا کر رکھی ہین کنارہ کشی کی۔ اُن کے بیدرد تنفر و طفلانہ تاسّف۔ اوچھی محبت اور عارضی دردمندی سے تنگ آکر مین نے کئی بار گوشہ نشینی اختیار کی۔ اُن کی بیجا چہ میگوئیان اور مطلب کی گہری دوستی ان کی خانہ جنگیان اور دھوم دھام کی خوشیون نے مجھے ہمیشہ ان سے دور رہنے پر

کئی بار الہام بھی ہوا۔ مین نے ان کے بتون کی پرستش کی۔ دنیا کے عیش و عشرت کو ترک کیا۔ مان۔ باپ بیوی بچون کو چھوڑ کر چھوٹی بڑی ہر قسم کی قربانیان کر کے علم الٰہی کی تلاش مین اپنا تن من دھن نثار کیا مگر ان تمام کارروائیون سے صبر اور سکون حاصل نہوا۔ مین نے اپنی محبت مین عشق حقیقی کا اثر پیدا کرنا چاہا اور صبر اور سکون حاصل نہوا مصیبتون کو جھیلا ہے۔ زندہ دلی سے ہنستا بولتا رہا ہون۔ بتون کی حضوری مین کئی بار حالت وجد بھی طاری ہو چکی ہے۔ اور نشۂ معرفت سے مخمور ہو چکا ہون۔ دار فنا سے نجات پانے کی کئی بار التجا کی ہے۔ گو اپنی بیکسی مین اورون کی مدد کی اشد ضرورت محسوس کی مگر ہمیشہ بیکسون کا چارہ ساز بنا رہا۔ اپنے دل مجروح کیلئے گو مرہم کی تلاش جاری رہی۔ لیکن اپنا دست سلوک مرہم زخم غریب بنا رہا۔ مجھے رہنمائی جستجو برابر رہی پھر بھی گم گشتگان کی رہنمائی کرتا رہا۔ گو میرے دل بیقرار کو سکون کی تمنا رہی اُسپر بھی اورون کے دلون کو ڈھارس دی۔ رنج و محن کے دریا مین پڑ جانے پر بھی خندان پیشانی رہا مگر ساتھ ہی ساتھ خوشی کے دور دورہ مین بھی سینہ مین دل آزردہ رہا۔ اپنی ہار مین مگن رہا اور اپنی جیت مین بیقرار ہر حالت مین یاد خدا کرتا رہا۔ اس پر بھی میری جان عجیب مخمصہ مین ہے افسوس! چشم بصیرت ابتک وا نہوئی۔ ظلمت، عصیان اور ہستی موہوم کے دام مین ابتک پھنسا پڑا ہون۔ میری آنکھون مین ضیا نہین اور نہ دل مین ٹھنڈک ہے۔ صبر و سکون سب عنقا ہین۔ راحت جاودانی کا پتہ نہین۔ اور اس پر بھی طرفہ ماجرا یہ کہ مین یکہ و تنہا چرخ گردون کے تلے اکیلا سفر کر رہا ہون۔ پوجا پاٹھ اور گوشہ نشینی سے گھبرا کر۔ جان نثاری اور نفس کشی سے نامراد ہو کر راحت جاودانی کی جستجو تلاش حق اور حصول بصیرت مین ناکام ہو کر نیک کرداری اور بے غرضی کو خیرباد کہکر جد و جہد اور کشاکش زندگی سے عاجز آ کر روح و جسم کو رو پیٹ کر بڑے جوش و خروش سے مادی دنیا کا سہارا مین نے اس دھن مین پکڑا کر اسی کی بدولت لاحاصل کو حاصل کرونگا اور بحر ذخار کی تہ تک پہونچون گا۔ اس نئی اُمنگ نے مجھے ایکبار توانا و تندرست ضرور بنا دیا۔ شباب اپنے جوبن پر آ گیا۔ طبیعت مین آزادی اور خوشی کی رنگین موجین بہنے لگین۔ نہ غم امروز نہ فکر فردا۔ مین نے باقاعدہ بڑی دھوم دھام سے دنیا کے مزے لوٹے۔ بجز عیش و عشرت کے کسی کی پروا نہین کی۔ گاہے بگاہے دل و دماغ کا شوق قدرے پورا کر لیا۔ اس دنیائے فانی کے جسقدر تجربے اچھے بُرے حاصل ہو سکتے ہین۔ سب کا لطف اُٹھایا۔ کوئی چیز دنیا کی نہین چھوڑی۔ حصول خوشی میرا مدعا رہا۔ جب میری پیدایش امرا کے طبقہ مین ہوئی ناز و نعمت کی گود مین پلا خوشامد کے مزے چکھے۔ حسن نے میری

جوانی کو چار چاند لگا دیئے اُٹھتی جوانی اور حسن جہان یکجا ہوئے پھر عیش و عشرت کے دروازے کھل گئے زندہ دلی اور چہل پہل مین میرا قدم سب سے آگے رہتا تھا۔ شباب کے مزے خالی صبح سے شام تک نہین بلکہ جب تک شب تاریک رخصت ہوکر نور سحر کی سپیدی جھلملانے لگتی لوٹے جاتے تھے دن رات عیش پسند گبرو جوانون کا جمگھٹ لگا رہتا تھا۔ میرا جیسا کوئی لہو و لعب مین مست نہ تھا ہر شوق کو انتہا تک پہونچانے مین میرا کوئی ثانی نہ تھا۔ نینوا کی بزم آرائیان نینیلیا و نیا کی چہل پہل مصر کی طلسمات ہندوستان کے سامان عیش و طرب غرضکہ دنیا بھر کی نعمتین میرا قدم چومنے لگین مجھ پر اعزاز و تحسین خوشامد اور آفرین کے پھول برسنے لگے۔ مین نے عالم جوانی کے عیش و کامرانی اور حظوظ نفسانی کے جی بھر کر لطف اٹھائے ہین (نوکر چاکر اور میرے غلام ہزارون رہے۔ مگر میرا کوئی آقا نہ تھا گلشن بہار مین جیسے پھول کھلکر پورے جوبن پر ایک دم آجاتے ہین ویسے ہی میری ہر خواہش اور مراد پوری ہوتی تھی۔ جو دل مین ترنگ اُٹھی اور دھن سمائی کوئی اُس پر روک ٹوک نہ تھی۔ لطف اُٹھانے کا خیال آتے ہی فوراً اُس کی تکمیل ہوجاتی تھی۔ انواع و اقسام کے عشق کے چرچے رہا کرتے تھے کوئی شے میرے لیے پاک و متبرک نہ تھی۔ عصمت اور عفت کی بہت کچھ آبروریزی کی۔ دیوتاؤن کا مضحکہ اُڑایا مسکینون اور عقیدتمندون کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا۔ میری بزم مین مئے ارغوانی کے دور پر دور چلتے تھے۔ لونڈیان ہر وقت ساغر ہاتھ مین لیے حاضر رہتی تھین۔ ہر شایستہ ملک اور قوم کی تہذیب نے مردون کے لذات نفسانی پورا ہونے کے جو جو سامان مہیا کئے ہین ان کا تجربہ حاصل کرکے جب طبیعت سیر ہوگئی مین نے عشق بازون کی محبت کا لطف اُٹھانے کے لیے عورت کا جنم لیا ایک عاشق سے میرا جی نہین بھرتا تھا مجھے نت نئے شیدائی اور چاہنے والون کی آرزو رہتی تھی۔ باوجودیکہ عشق کی آگ سب مجھے جلائے ڈالتی تھی مگر پھر بھی اسکی بوالہوسی باقی تھی۔ زندگی کے بہت دن اسی طرح بتائے۔ بچّہ کے پیدایش کی صعوبتین۔ اولاد کی خوشی اُس کی مرگ کے صدمے۔ ضعیفی کے دکھ درد اور پرانے عاشقون کی سردمہری اور بے رخی ان سب کو جھیلا۔ پھر بھی زمانہ ماضی کو یاد کرکے اُس پر فخر کرتا تھا اور اُن دلبرون کے ہجر مین جنھون نے مجھے ترک کردیا زار زار رویا کرتا تھا۔

زن فاحشہ کی آزادانہ اور آوارہ باشی کی کئی زندگیان بسر کین اور پھر اُس سے تنگ آکر ... ایک سہاگن زوجہ کی متبرک زندگی اختیار کی اور پاک محبت کا سکھ اُٹھایا۔ بچّون کی پیدایش مین

ایک نئے قسم کی خوشی محسوس ہونے لگی۔ پھر جب میری زندگی میں ایک معصوم بچی کی پیدائش ہوئی اس کی
طرف سے طرح طرح کی فکر پیدا ہو جاتی ہے مگر جب اس کا [illegible] بچوں کا [illegible] گئی
چنانچہ ان کی بچوں کی بھولی صورتیں ان کی معصوم [illegible] باتیں اور [illegible] سے میرا دل باغ باغ
ہونے لگا۔ جس کی خوشی سے وہ مجھے [illegible] پر عجیب کیفیت پیدا ہو جاتی
تھی بیوی اپنے شوہر کی دلدادہ اور اپنے بچوں کی مادر مہربان تھی اور پاکیزہ محبت میں سرشار
رہنے لگی۔ عورت کا غم بھول کر میں نے پھر [illegible] غالب اختیار کیا۔ اور بجائے نرم دل ہونے کے
پھر سنگدل بن گیا۔ جو [illegible] جذبات کے میرے دل کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے۔ وہ [illegible] ان سے غافل
ہو کر پھر عیش و نشاط میں رنگ رلیاں منانے لگا۔ دوسروں کے دکھ درد سے کوئی سروکار نہ تھا
ہمیشہ اپنی آسائش و آرام کا جویاں رہا۔ دنیوی لذات اور حظوظ سے مالا مال ہوا۔ دنیا کی کوئی چیز
ایسی نہ تھی جو مجھے میسر نہ ہو سکے۔

گو سب کچھ تھا مگر طمانیت و سکون اور حقیقی راحت میرے دل سے ابھی کوسوں دور تھیں۔ میرا
قلب بھر میدان کی طرح ویرانہ نا شاد بنا ہوا تھا کوئی شے ایسی نہ تھی جو اسے رونق دیتی اور اس میں
خوشی کا احساس پیدا کرتی۔ میں نے گذشتہ ایام میں مال و دولت کے خوب مزے چکھے تھے۔ اب میں
کنگال پیدا ہوا۔ در در کا بھکاری۔ ہر جگہ دھتکارا جاتا تھا۔ گندہ بد صورت تھکا ماندہ بھوکا پیاسا
میں خود اپنی نگاہوں میں حقیر و ذلیل تھا۔ ہر شخص مجھ پر ہنستا اور انگشت نمائی کرتا تھا۔ نہ ماں باپ
تھے نہ کوئی نرم دل عورت مجھ کو گوارا کرتی تھی۔ میری حالت پر ترس آتا تھا۔ پاؤں زخمی جسم میں خدا
جانے کتنے روگ بھرے ہوئے تھے۔ کندھوں پر ایک گندہ بوریا جو تیز ہوا کو ایک نفیس پوشاک
اور جاڑے کی راتوں کی تند ہوا سے بچنے کے لیے کمبل کا کام دیتا تھا۔ دن کو سورج کی تپتی
گرمی جب ستاتی تھی تو اس سے اپنا گرد آلود سر بھی لپیٹ لیتا تھا۔ ہاتھ میں ایک ٹوٹا سا عصا لیکر ملک
ملک گھومتا۔ اور دولتمندوں کے کوچوں میں کس مپرسی کی حالت میں سرگرداں پھرا کیا جب میں بڑے
شاندار شہروں میں امیر گھرانے میں پیدا ہوا ہر مالدار دوکاندار نے میری بڑی آؤ بھگت کی مگر اب
گالیوں سے دھتکارا جاتا تھا۔ لات اور دھکے کھاتا تھا۔ جہاں جاتا تھا وحشی کتے اور بیہودہ انسان میرا
پیچھا کرتے [illegible]

لوگ منھ پھیر کر میرے پاس سے گذر جاتے تھے۔ کوئی ہاتھ میری مدد کو نہیں اُٹھتا تھا۔ دیہات اور قصبوں کے لوگ دونوں ہی یکساں بے رحم تھے۔ دیس بدیس کے لوگ یکساں سنگدلی کا برتاؤ کرتے ہوئے میرے قریب سے نکل جاتے تھے میں رات کو کہیں ایسی گندی متعفن اور سنسان جگہ میں بسر کر لیتا تھا جہاں کوئی انسان بلکہ حیوان تک جانا پسند نہیں کرتا تھا۔ بھوک پیٹ کو ہر دم ستاتی تھی آفتاب کی تمازت سے ہر وقت [illegible] رہتا تھا۔ بادِ تند میرے بدن کو کاٹے ڈالتی تھی پالے کے مارے سکڑا جاتا تھا۔ جاڑہ بخار سے لرزہ پر لرزہ آتا تھا۔ تکان سے چور جسم بیماریوں سے چھلنی ایسی بیکسی کی حالت میں چار دانگ عالم میں قلندر روار گھوما کیا۔ کوئی بندۂ خدا ہنس کر بھی نہ بولا۔ ایک میٹھی بات تک نہ کی نہ کبھی نظرِ عنایت سے دیکھا۔ مجھ سے کہیں زیادہ کتّے خوش نصیب تھے۔ جن کے مالک انھیں پیٹ بھر کھانے کو دیتے تھے۔ اور پیار سے چوم کر ان کے آسائش کی ہر طرح فکر رکھتے تھے۔ کتّے بھی مجھے دیکھ کر بھونکتے تھے۔ جہاں جہاں در پر دستک دی کسی نے دروازہ تک نہ کھولا۔ زاہدوں نے پاک عبادت گاہوں سے مجھے باہر نکال دیا۔ روتے ہوئے بچّے مجھے دہشت کھا کر چپ ہو جاتے اور ٹھٹک کر دیکھنے لگتے تھے۔ مجھے دُور سے آتا دیکھ کر مائیں بچوں کو زور سے اپنی چھاتی سے لگا لیتی تھیں اور چیخیں مارتی گھروں کے اندر گھس جاتی تھیں میں گویا اور نحوست کا مجسّم پتلا تھا۔ چرخ نیلگوں بھی مجھے دیکھ کر بادلوں کی اوٹ میں چھپ جاتا تھا۔ جب کبھی پانی کے قریب پیاس بجھانے جاتا چشمے بھی خشک ہو جاتے۔ شجر بار ور اپنے سایہ سے انکار کرتے تھے۔ قدم رکھتے ہی زمین کانپ اُٹھتی تھی۔ اور مجھ سے بدبخت کی شکل دیکھتے ہی تارے چھپ جاتے تھے۔ بارانِ رحمت کا ایک بوند بھی میرے جلتے ہوئے سر پر نہ ٹپکتا۔ جس سے میری گندگی کچھ دور ہوتی۔

مدتوں خانہ بدوش، تنہا اور مصیبت زدہ۔ حقیر و ذلیل۔ اجنبی انسانوں میں دیس بدیس اس طرح گھوما ہوں جیسے کوہ و بیابان پر بادل کا ٹکڑا ادھر ادھر ہوا کے جھونکوں میں اُڑتا ہوا ٹکراتا پھرتا ہو۔ مدتوں مجھے کوئی جائے پناہ اور جسمانی راحت نصیب نہ ہوئی۔ تھکا ماندہ افسردہ دل جیسے کوئی خوفناک جانور للکارا جاوے میں گوشۂ تنہائی ڈھونڈتا تھا۔ مگر افسوس! تنہائی میں بھی مصیبت نے کبھی میرا پیچھا نہیں چھوڑا۔ ایک خشک پتّے کی طرح جو ہر ایک کے پاؤں تلے روندا

جاتا ہوں میں نے اس کمبخت قابل نفرت جسم خاکی میں افلاس اور غلاظت کی زندگی بسر کی ہے ایسے قالب میں نہ تو محبت نہ نفرت ہی کی لاگ تھی۔ رنج والم کا بھی مطلق احساس نہ تھا۔ عقل سے خالی بھوک پیاس کا مارا۔ جو جذبات اعلےٰ کبھی میرے دل کے اندر شعلہ زن تھے۔ مدت ہوئی بجھ چکے۔ زندگی سے مایوس جسے چھوٹے چھوٹے بچے بھی حقیر و ناقابل نفرت سمجھتے۔ ذلیل اور خوفزدہ۔ انسان کی نظروں سے چھپ چھپ کر مصائب اور ہجوم غم میں جسمانی اذیت روحانی بیقراری جھیلکر درد بھری آہوں میں روشنی اور سکون قلب کیلئے رویا کرتا۔ یہ سکون اُس حالت میں بھی نصیب نہ ہوا تھا جب دنیاوی دولت کے نشہ میں چور اور خودی میں مگن تھا بجز لذات نفسانی کے کسی شے کی پرواہ نہ تھی۔ یہ راحت جاودانی اُن زندگیوں میں بھی مفقود رہی جب میں نیک کردار اور پاکیزہ نفس بنا رہا۔ جب کبھی صدق دلی سے پرستش و عبادت اور متواتر نفس کشی کی زندگی بسر کی اور گناہ سے توبہ کش ہو کر تلاش حق کا تہیہ کیا۔ عجب جب میرا باطن تیرہ اور تاریک بنا رہا۔ حالانکہ چاروں طرف نور چھایا رہتا تھا۔ اُسوقت تک بھی جبکہ میرا دل سچی محبت سے پُر اور اسکے اعلےٰ اُمنگوں سے موجزن ہو کر ذکر خدا پر اُچھل پڑا کرتا تھا۔ اور نیز اُس زمانہ میں بھی جب ایذا رسانی سے دور رہتے ہوئے میرا ذہن تنگ خیالی پر مبنی اور محض مندر اور مسجد کی عبادت تک محدود رہتا تھا۔ مجھے ہرگز صبر و سکون نصیب نہ ہوا۔

دُرگا داس

رحم

”رحم“ ان حسیات وجذبات کی مخالفت کرتا ہے جو انسان کی رفعت خیال کا باعث ہوتے ہیں

”رحم“ انسان کے حوصلوں کو پست کرتا ہے جب آدمی رحم کرتا ہے تو اسکا زور گھٹ جاتا ہے۔

”رحم“ نشوونما اور ترقی کے ”قانون انتخاب“ کو توڑ دیتا ہے۔

”رحم“ موجودہ آفات و مصائب کو باقی رکھتا ہے۔ بلکہ ان میں اور اضافہ کرتا ہے۔

”رحم“ تباہی و بربادی کا زبردست وکیل ہے۔

(ماخوذ)

”نطشے“

امیر افغانستان

لارڈ کرزن کی تصنیف موسومہ "سفر کی کہانیاں" کے ایک حصہ کا ترجمہ

مین نے ابھی تک کسی جگہ امیر افغانستان کے متعلق ذکر نہین کیا- جن دنون مین مین پارلیمنٹ کا رکن تھا وسط ایشیا کے پیچیدہ مسئلون پر خاصا وقت صرف کرتا تھا- بلکہ مجھے اُسکے معاملات مین بہت گہری دلچسپی تھی- مین نے روس ایران- بلوچستان- تبت اور چین کے بہت سے علاقون مین سیر و سیاحت بھی کی تھی- لیکن چونکہ مین نے افغانستان نہین دیکھا تھا اور نہ امیر عبدالرحمٰن خان سے ملنے کا اتفاق ہوا تھا اس واسطے مجھے افغانستان کی سیر اور امیر موصوف سے ملاقات کی بڑی خواہش تھی یہ وہ بادشاہ تھا جس سے ہندوستان کو ہر وقت خطرہ رہتا تھا- کیونکہ دور سے اسکی شخصیت بڑی ہیبتناک نظر آتی تھی مجھے معلوم تھا کہ امیر موصوف حکومت ہند سے نہایت بدظن تھا اور اسی خیال سے مین نے کئی دفعہ حکومت کو افغانستان سے اتحاد پیدا کرنے کا مشورہ دیا تھا- مجھے یقین تھا کہ امیر عبدالرحمٰن مجھے اپنے ملک مین آنے کی اجازت دیگا- چنانچہ مین نے ۱۸۹۴ء مین اُسکو ایک چٹھی لکھی- مین اس چٹھی سے کچھ حصے کا اقتباس کرنا ضروری سمجھتا ہون-

"مین نے خراسان کو دیکھا ہے- بخارا مین بھی سیر و سیاحت کر چکا ہون- دوسری طرف سے چین تک ہو آیا ہون- اور پشاور کی سرحد تک پہنچ چکا ہون- لیکن آنجناب کا ملک جو ان تمام علاقون کے درمیان انگوٹھی مین ایک ہیرے کی مانند واقع ہے نہین دیکھ سکا- اور نہ حضور کی زیارت نصیب ہوئی ہے- مین نے بہت سے سیاحون سے افغانستان کے متعلق تعریف سنی ہے اور کئی کتابون مین اس کا حال پڑھا ہے- لیکن مین آنجناب کی ملاقات کرنے کا فخر حاصل کرنا چاہتا ہون- اور مجھے کامل یقین ہے کہ آپ اس ناچیز ہستی کی محدود عقل کو اپنے وسیع تجربات زندگی سے مستفید فرمائین گے"

اول تو امیر افغانستان کی اجازت کا ملنا ایک دشوار امر تھا۔ لیکن دوسری مشکل یہ تھی کہ گورنمنٹ برطانیہ میرے ارادے کو تشویش سے دیکھتی تھی۔ وائسرائے ہند بھی مجھے اجازت دینے سے گھبراتا تھا۔ بالآخر جب مین شملے مین خود آیا تو وائسرائے کی کونسل نے بڑی مشکل سے مجھے اس شرط پر پاسپورٹ دیا کہ مین اپنی ذاتی حیثیت سے سفر کرونگا۔ اور انگلستان کا نمایندہ بنکر نہ جاونگا۔ اور نہ گورنمنٹ میری حفاظت کی ذمہ دار ہوگی۔ مین شملہ سے فارغ ہوکر سیدھا کشمیر گیا۔ اور ابھی تک اُسی جگہ سیر کر رہا تھا کہ مجھے بذریعہ تار کابل کی طرف سے دعوت نامہ پہنچا اور وہان سے مین سیدھا پامیر کی طرف چلا گیا اور تین مہینے تک وہان سیر و سیاحت کرتا رہا۔ بالآخر ۱۳ نومبر سنہ ۱۹۰۴ء کو مین لنڈی خانہ سے گزر کر تورخم مین پہنچا۔ جہان مین نے اپنے آپکو کابل کی حکومت کے سپرد کردیا پیشتر اس کے مین کہ اپنے مشاہدات کا ذکر کرون۔ مین ضروری سمجھتا ہون کہ امیر موصوف کے کچھ حالات لکھون

امیر عبدالرحمن سنہ ۱۸۴۴ء مین امیر دوست محمد خان کے بیٹے امیر افضل خان کے گھر مین پیدا ہوا تھا۔ وہ کبھی انگریزون کا دوست ہوتا تھا۔ اور کبھی دشمن۔ بیس برس کی عمر تک وہ لکھنا پڑھنا نہین سیکھا تھا۔ اور نہ اسکو اس عمر مین شوق تھا۔ بلکہ ان دنون مین وہ بندوق کی نالیان بنایا کرتا تھا۔ اور توپین ڈھالتا تھا۔ سنہ ۱۸۶۳ء مین امیر دوست محمد خان کی وفات کے بعد وہ سیاسی حالات مین حصہ لینے لگا اُنکو افغانی ترکستان کا گورنر مقرر کیا تھا اُنکی زندگی ہر قسم کے نشیب و فراز سے بھری پڑی ہے۔ کبھی وہ دشمن پر فتحیاب ہوتا تھا اور کبھی شکست کھاتا تھا۔ کبھی وہ اتنا طاقتور ہو جاتا تھا کہ وہ اپنی مرضی کا بادشاہ تخت پر بٹھلاتا تھا۔ لیکن کبھی وہ مارا مارا پھرتا تھا۔ وہ تھوڑی مدت گورنر رہا بعد ازان وہ خیوا اور بخارا مین بحیثیت جلاوطن زندگی کے دن گزارتا رہا۔ آخر کار انگریزون کی امداد سے وہ کابل کے تخت پر بیٹھا۔ اور چالیس سال تک بڑی شان و شوکت سے حکومت کی۔ افغانستان کی خانہ جنگی اور سیاسی پیچیدگیون مین صرف امیر موصوف کی ہستی ایسی طاقتور نظر آتی تھی جو اس ملک کے تمام عیوب کو پس پردہ کردیتی تھی۔ اُس نے پہلے اپنے باپ امیر افضل خان اور پھر اپنے چچا اعظم خان کو تخت پر بٹھایا۔ جب امیر افضل خان مر گیا اور امیر اعظم کو اسکے چھوٹے بھائی شیر علیخان نے شکست دی تو امیر عبدالرحمن دس سال تک اپنے ملک سے باہر رہا۔ لیکن اسکو یقین نہ تھا کہ جب اسکے ملک کو اسکی ضرورت محسوس ہوگی تو اسکو واپس بلالین گے۔ اسی خیال سے اُس نے روس سے وظیفہ لینا منظور کرلیا۔ اور سمرقند مین مقیم ہوگیا۔ جب وہ

تخت نشین ہوا تو روس کی حیرانی کی کوئی حد نہ رہی جب انھون نے امیر موصوف کا رویہ اُس کے برخلاف دیکھا۔ روس کو یہ وہم و گمان بھی نہ تھا۔ کہ اسکا وظیفہ خوار مہمان اپنے میزبان سے دوستی کے تعلقات قطع کرے گا۔ اسمین شک نہین کہ وہ انگریزون کی چندان پرواہ نہین کرتا تھا۔ لیکن روس کو سخت ناپسند کرتا تھا۔

جب ۱۸۷۸ء مین امیر شیر علی نے روس سے سازش کر کے انگریزون سے اتحاد منسوخ کر دیا تو برطانیہ نے کابل کو مسخر کر لیا۔ انھین دنون امیر شیر علی مارا گیا۔ تو امیر عبدالرحمٰن فوراً اپنے ملک مین واپس آگیا۔ اور دو سال کے قلیل عرصے مین اتنی طاقت پیدا کر لی کہ انگریزی حکومت کو اسکی شخصیت ماننی پڑی اور اُسے تخت پر بٹھانا پڑا۔ پھر انگریزون نے اپنی فوجین واپس بلالین اس نے دس بارہ سال مین دنیا کی سب سے سرکش قوم کو محض اپنی اخلاقی اور جسمانی طاقت سے مطیع کر لیا تھا۔ اُس نے اپنے دشمنون کی پورے طور سے سرکوبی کی۔ حتیٰ کہ افغانستان کو اس کے عہد حکومت مین وہ فروغ حاصل ہوا جو اس سے پیشتر اُسے کبھی نصیب نہ ہوا تھا۔ مین دعوے سے کہہ سکتا ہون کہ دنیا مین امیر موصوف سے زیادہ تندخو اور جابر حکمران کوئی نہ ہو گا۔ مین اس زبردست ہستی کا پندرہ دن تک مہمان رہا۔ مجھے سلام خانہ مین رہنے کے لے جگہ دی گئی۔ امیر موصوف خود بوستان سرائے مین ایک دو منزلہ مکان مین رہا کرتا تھا۔ اور بالآخر اسی مکان کے احاطے مین مدفون ہوا۔ ہماری ملاقات اس مکان کے ایک بڑے کمرے مین ایک بجے بعد دوپہر ہوا کرتی تھی۔ اور کئی گھنٹون تک بات چیت ہوا کرتی تھی۔ مین اس کتاب مین سیاسی گفتگو کو معرض تحریر مین نہین لانا چاہتا۔ کیونکہ اس کا بہت سا حصّہ خفیہ ہے۔

میرے قیام کے دوران مین امیر موصوف ہر قسم کے علوم مین ایسی آسانی سے بات چیت کیا کرتا تھا گویا وہ ان مین خاص مہارت رکھتا تھا۔ اُسکا قد ذرا لمبا تھا۔ وہ بڑا طاقتور تھا۔ جسم بھرا ہوا تھا وہ ہمیشہ چارپائی پر بیٹھا کرتا تھا۔ اسکے سر پر سفید عمامہ ہوا کرتا تھا۔ اُسکے نقش باقاعدہ تھے۔ سیاہ چمکدار آنکھین تھین۔ جب وہ کسی سے گفتگو کرتا تھا۔ تو اپنی آنکھین اس کے چہرے مین گاڑ دیتا تھا جس سے دوسرا شخص سخت مرعوب ہو جاتا تھا۔ وہ اپنی ڈاڑھی کو مہندی لگایا کرتا تھا۔ آواز بارعب تھی۔ اُسکے چہرے سے جلالت اور ہیبت ٹپکتی تھی۔ وہ ایسی خوش اسلوبی سے ہر ایک مسئلہ

پر بحث کرتا تھا۔ اور اپنی دلائل پیش کرتا تھا کہ ہمارے دار العوام میں شاید ہی کوئی ممبر اُس کی تاب لا سکے اور جب کبھی وہ اپنی زندگی کے دلچسپ واقعات بیان کرتا تھا۔ تو مجھے محسوس ہوتا تھا کہ وہ ایک اعلےٰ قسم کا داستان گو ہے۔ امیر ممدوح کو شیخ سعدی علیہ الرحمتہ کے بیشمار مقولے یاد تھے اور وہ گاہے گاہے اپنی دلائل کی تائید میں پیش کیا کرتا تھا اس کے اوصاف اُسکی ہیئت سے بھی زیادہ عجیب تھے یہ ظالم بادشاہ حد درجے کا فیاض اور ذہین تھا۔ اور بسا اوقات رحمدل بھی تھا۔ اس کو عطریات گلوں اور باغات سے نہایت الفت تھی باوجودیکہ وہ جنگلی طرز کا بادشاہ تھا۔ لیکن وہ [illegible] تھا جو لوگ اس کی مدد کرتے تھے ان کے ساتھ بڑی فیاضی کرتا تھا۔ لیکن وہ اپنے دشمنوں پر کبھی رحم نہیں کرتا تھا سخت مصیبت کے ایام میں بھی وہ اپنے مذاق سلیم کو نہیں چھوڑتا تھا۔

ایک دفعہ اس نے ایک شخص کو جھوٹی شہادت کی بنا پر پھانسی پر لٹکا دیا۔ بعد میں اس کو اپنی غلطی کا علم ہوا تو پھر اُس نے اپنے آپ پر چھ ہزار روپیہ جرمانہ کر دیا اور یہ رقم متوفی کی بیوہ کو بھجوا دی۔ امیر موصوف مجھے اکثر کہا کرتا تھا کہ اگر میں اسقدر بیرحمی اور سختی سے حکومت نہ کروں تو دشمنوں کو قابو میں لانا نہایت مشکل ہو جائے گا۔ اُس نے ڈاکوؤں کے واسطے ایک پنجرہ بنوایا ہوا تھا جہاں ان کو بند کر دیا جاتا تھا۔ تاکہ عوام الناس کو عبرت ہو۔ ڈکیتی اور زنا بالجبر کی سزائیں نہایت خوفناک ہوا کرتی تھیں۔ ایسے مجرموں کو توپ سے اُڑایا جاتا تھا۔ یا کسی اور طریقے ان کی جان لی جاتی تھی۔ عادی چور کا ہاتھ کاٹا جاتا تھا۔ لیکن ان خوفناک سزاؤں کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام افغانستان میں جرائم تقریباً نیست و نابود ہو گئے۔ ایک دفعہ ایک افسر زنا بالجبر کے جرم میں ماخوذ ہوا۔ اُسے ننگا کر کے شہر کابل کے باہر ایک پہاڑی میں گڑھا کھود کر پھینک دیا۔ ان دنوں سردی کا موسم تھا اس کے اوپر ٹھنڈا پانی پھینکا گیا حتیٰ کہ وہ بالکل منجمد ہو گیا۔ جس پر امیر عبدالرحمٰن نے ہنسکر کہا۔ کہ وہ پھر کبھی گرم نہیں ہو گا۔ ایک آدمی دربار میں گھس آیا اور آتے ہی امیر کو بے نقط گالیاں سنانے لگا۔ اس نے فوراً حکم دیا۔ کہ اس شخص کی زبان نکال دی جائے۔ چنانچہ اُس کے حکم کی اسی وقت تعمیل کی گئی اور وہ آدمی اسی وقت مر گیا۔ جرائم پیشہ لوگ اسکی سزاؤں سے ایسے مرعوب ہو گئے تھے کہ وہ جرم کرنے کی جرأت نہیں کرتے تھے۔

ایک دفعہ امیر صاحب بازار میں گشت لگا رہے تھے۔ ایک فقیر نے سامنے سے آ کر رستہ روک لیا۔ ان کے درمیان حسب ذیل گفتگو ہوئی۔

امیر۔ تم کیا کام کرتے ہو۔

فقیر۔ مین بھیک مانگ کر اپنا پیٹ پالتا ہون۔

امیر۔ کیا تم اسکے سوا اور کچھ نہین کرتے۔

فقیر۔ نہین

امیر۔ اور تم نے کبھی کوئی کام اپنے ہاتھ سے نہین کیا۔

فقیر۔ نہین۔

اس پر امیر نے کہا۔ کہ پھر تو تمہاری زندگی کی ہمین کچھ ضرورت نہین۔ اور ساتھ ہی جلاد کو اشارہ کیا۔ باوجودیکہ وہ اپنی رعایا سے کسی حد تک سختی اور ظلم سے پیش آتا تھا لیکن باینہمہ وہ اپنے ملک اور قوم سے بہت محبت کرتا تھا۔ اور دن رات ان کی ترقی اور بہتری کے لیے نہایت صبر و استقلال سے کام کرتا تھا۔

وہ اپنی رعایا کو پستی سے اٹھا کر ایک متحدہ قوم بنانا چاہتا تھا۔ اور ان کو قتل و خون سے منع کرتا رہتا تھا وہ اپنے مقصد مین بالآخر کامیاب ہوا۔ اُس نے تمام افغانستان کے قبائل کو ایک جھنڈے کے نیچے اکٹھا کر دیا اور ایک خودمختار حکومت کی بنیاد ڈالی۔ اپنے ملک کے سیاسی معاملات (خواہ وہ کسی فوج کے کمان یا کسی صوبے کے انتظام کے متعلق ہون۔ یا فوجی وردی کی طرز اور گھر کے سامان سے تعلق رکھتے ہون) اپنی خاص نگرانی مین کرایا کرتا تھا۔ الغرض حکومت کے نہایت معمولی کام مین اُسے ویسی ہی دسترس حاصل تھی جیسی اسے ضروری سیاسی معاملات مین تھی۔ بلکہ یون کہیے کہ وہ تمام افغانستان کے دماغ۔ کان اور آنکھ کا مجموعہ تھا۔ اسمین کچھ شک نہین۔ کہ وہ انگریزون سے گاہے گاہے بدسلوکی سے پیش آتا تھا۔ لیکن عام طور پر وہ ہمارا دوست تھا۔ ہندوستانی گورنمنٹ سے اُسکے تنازعے لگے رہتے تھے۔ وہ ہمین خواہ مخواہ تنگ کرنے مین لطف اُٹھایا کرتا تھا۔ جن ایام مین مین وائسرائے ہند تھا ان دنون مین بھی ہمارے باہمی جھگڑے لگے رہتے تھے۔ لیکن پھر ہمارے دوستانہ تعلقات برابر قائم رہے۔ انگریزون کے دلون مین اسکی قدر و منزلت ہمیشہ رہے گی۔ کیونکہ اس کی شخصیت افغانستان کی ایک زبردست ہستی تھی۔ اس کی ذہانت اور خودداری کا مندرجہ ذیل واقعہ سے پتہ لگتا ہے۔

ایک مرتبہ ملکہ معظمہ وکٹوریہ نے امیر موصوف کو اپنے ملک مین آنے کی دعوت دی۔ لیکن اُس نے کئی مہینون تک اس دعوت نامے کا جواب نہ دیا۔ میرے خیال مین وہ میری آمد کا منتظر تھا۔ کیونکہ وہ مجھ سے پوچھنا چاہتا تھا کہ برطانیہ مین اس کا استقبال کیسا ہوگا۔ جب مین کابل پہنچا تو امیر موصوف سے انگلستان کے سفر کے متعلق ہی بات چیت ہوا کرتی تھی۔ وہ تہ دل سے انگلستان کی سیر کا شائق تھا۔ بشرطیکہ وہ اپنے ملک سے چند مہینون تک بغیر کسی خطرے کے غیر حاضر ہوسکے۔ اور اس کی حیثیت کے مطابق اسکا شاندار استقبال کیا جائے۔ بالآخر بڑی کشمکش کے بعد اُس نے سفر کرنے کا ارادہ کرلیا اور دعوت نامہ قبول کرکے ملکہ معظمہ کو اپنے ہاتھ سے جواب لکھا اور یہ خط مجھے دربار مین حاضرین کے سامنے دیا گیا۔ جو ایک ریشمی کپڑے مین تہ کیا ہوا تھا۔

جب مین انگلستان واپس گیا۔ تو مین نے ملکہ معظمہ کو یہ خط پہنچا دیا۔ امیر عبدالرحمٰن ہمارے ملک کی ضرور سیر کرتا۔ اگر اُسے افغانستان کی خانہ جنگی سے فرصت ملتی۔ مگر اُسے خطرہ تھا کہ اُسکے دشمن اُسکی عدم موجودگی مین ملک مین فساد برپا کرین گے۔

امیر موصوف لارڈ رابرٹ سے سخت نفرت کرتا تھا۔ کیونکہ وہ عام طور پہ کہا کرتا تھا کہ جن دنون انگریزی فوجین کابل مین تھین۔ تو رابرٹ نے ہزارون بیگناہ افغان بغیر کسی عذر کے قتل کرادیئے تھے ایک دفعہ وہ اسی بحث پر گفتگو کررہا تھا اور لارڈ رابرٹ کی وحشیانہ حرکات کو دُہرا رہا تھا کہ انگلستان کے سفر کا ذکر چھڑ گیا اور ہم دونون مین حسب ذیل گفتگو ہوئی۔

امیر۔ جب مین انگلستان جاؤنگا تو تمہین بتاؤن کہ مین کیا کرونگا۔

کرزن۔ ضرور فرمایئے۔ مین سنکر نہایت خوش ہونگا۔

امیر۔ غالباً میرے استقبال کا انتظام ویسٹ منسٹر ہال مین کیا جائیگا۔ جہان تمام شہزادے امراء اراکین پارلیمنٹ موجود ہونگے۔ ملکہ معظمہ میرے استقبال کے لیے اپنے تخت سے اُٹھے گی۔ اور مجھ سے دریافت کریگی کہ آپ کابل سے کیا پیام لیکر آئے ہین تو تمہین خبر ہے کہ مین اُسکا کس طرح جواب دونگا۔

کرزن۔ مجھے معلوم نہین۔

امیر۔ پہلے مین چپ رہونگا تو وہ مجھ سے دریافت کریگی۔ کہ مین کیون خاموش ہون پھر مین کہونگا کہ جب تک رابرٹ کو نہ بلوایا جائے گا مین خاموش رہونگا۔ جب رابرٹ آجائیگا۔ تو مین اسکے روبرو ملکہ سے کہونگا کہ اس

شخص نے لاکھوں روپیہ خرچ کرکے جھوٹے گواہ بنائے اور ان کی شہادت پر ہزاروں بیگناہ لوگوں کو پھانسی پر لٹکایا۔ پھر میں ملکہ معظمہ سے عرض کرونگا کہ رابرٹ کو سزا دیجائے اور جب اُسکو سزا ملجائیگی تو پھر میں باقاعدہ طور پر گفتگو شروع کرونگا۔

اگر امیر عبدالرحمٰن برطانیہ کی سیر و سیاحت کو جاتا تو وہ ضرور یہ تماشا کرتا۔ جس کے نتائج شاید خطرناک ثابت ہوتے۔ میں نے یہ قصہ لارڈ رابرٹ کو بھی سنایا تھا۔ اور وہ سنکر نہایت برافروختہ ہوا تھا۔

چونکہ امیر کو علم تھا کہ میں پارلیمنٹ کا ممبر ہوں۔ اس واسطے وہ میرے سامنے دارالعوام سے حقارت ظاہر نہیں کرتا تھا۔ البتہ دوسرے لوگوں کے سامنے وہ اپنے خیالات کا اظہار کیا کرتا تھا۔ ایک دفعہ اُس نے ایک انگریز سے کہا تھا کہ اگر وہ برطانوی پارلیمنٹ کا نظارہ کرنا چاہتا ہے تو کابل کے کسی حمام میں جاکر تماشہ دیکھ لے۔ جب وہ حسب ہدایت وہاں گیا تو پھر اسکو امیر موصوف کے خیالات کا صحیح اندازہ معلوم ہوا۔ کیونکہ حمام میں بہت سے آدمی موجود تھے۔ انکی آوازوں سے حمام کا گنبد گونج رہا تھا۔ حتیٰ کہ اتنا شور و غل تھا کہ کسی شخص کی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔

سیر و سیاحت کے بعد میں انگلستان واپس گیا۔ تو میں نے ۱۸۹۵ء میں شادی کی اور اپنی بیوی کی تصویر امیر موصوف کے پاس بھیجی اُسنے ایک خوبصورت تحفہ بطور جواب روانہ کیا۔ اُسکے خط کی نقل ذیل میں درج کرتا ہوں جس سے امیر موصوف کی ذہانت کا پتہ لگتا ہے۔

ہو اللہ تعالیٰ شانہٗ

جناب مستطاب مشفق معظم مہربان دوستان محبت و موالفت بنیان دوست دانشمند آنریبل جارج ان کرزن صاحب بہادر وزیر پارلیمنٹ زاد مجدہٗ۔

بعد از اظہار معانی محبت و موالات و خیالات موانست و موافقت و اشتیاق ملاقات بہجت و مسرت آیات واضح خاطر مودت مآثر آن دوست دانشمند میدارم کہ از مطالعۂ مضامین محبت و صدق و آئین مراسلات محررہ پانزدہم ماہ اپریل و نہم ماہ جون ہذا السنہ مبعوثہ آن دوست مہربان بسیار خورسند و مشکور شدم۔ الحمد للہ کہ حاطر خواہ آنجناب شد خداوند مدام آن دوست دانا را ہمراہ آن جناب بمراد ات دنیوی رسیدہ و مسرور مے خواہم مبارکباد وسے وہم برآن دوست راست اندیش کہ مبارک باشد۔ اگرچہ یک نفر

عیال گرفتہ اند، اما بسیار لائق عیال گرفتہ اند۔ خدا مبارک کند انشاء اللہ تعالیٰ
اما از قرار علم قیافہ معلوم میشود کہ این جنابہ لیڈی صاحبہ شما بسیار آدم فہیم و نیک
خواہ و دوستدار شما و بسیار آدم با عفت و عصمت و لائق است۔ کہ این طور زن
از ہزاران مرد بہتر است انشاء اللہ تعالیٰ کہ ہمہ وقت آن دوست خورسند خواہند
بود از اوضاع زندگانی او۔ جائے بسیار شکر است این طور را موافق بخیال من کہ
در تمام انگلینڈ کم این طور بانو نا وند تا دصاحب آپ دعوت خواہد بود۔ از علم قیافہ چیزیکہ
من تجربہ ہا کردہ ام ہمین قدر دانستہ شدم از صورت عکسی جنابۂ مذکور۔ خداوند برکت عمر
اولاد و نحوہ شما یان بدہد۔ لائق دارد اگر قدرے شما رالت وکوب کند۔ عیب ندارد
ثانیاً میجک لالٹین یعنی چراغ نقشہ ہائے عکسی کہ فرستادہ بودید۔ از تماشائے آن کہ
درمیان آن خوشنودی دیدار جناب دوست والاشان لارڈ سالسبری صاحب بہا
و دوست دانائے من لارڈ ڈفرن صاحب و ملاحظۂ باقی نقشہ جات عکسی شدہ بسیار
ممنون و خورسند شدم۔ و مسٹر کلمنس در کابل خوب نشان دادہ توانست و خانۂ سامان
ہائے حضور ہم با دیگر نقشہ ہا نشان۔ در باب شوق باز ملاقات با من کہ نوشتہ بودید۔ خداوند
شما را سلامت بدارد۔ کل امر ' مرہون باوقاتہا " اگر موقع آن نصیب شود خداوند
مہربان است۔ باقی والسلام۔ ایام عزت و شادمانی مدام باد۔ فقط محررہ یازدہم
ماہ اگست سنہ ۱۸۹۵ء مطابق نوزدہم شہر صفر سنہ ۱۳۱۳ھ من مقام دارالسلطنت کابل

"امیر عبدالرحمن"

ایک دفعہ گفتگو کے دوران میں امیر موصوف نے مجھ سے دریافت کیا کہ میری حکومت کے متعلق انگلستان کی پبلک کی کیا رائے ہے۔ میں نے جواب دیا۔ کہ عام لوگ کہتے ہیں کہ آپ بہت ہی طاقتور حاکم ہیں۔ لیکن اپنے ملک کے نظم و نسق اور دشمنوں کو تباہ کرنے میں بہت سختی کرتے ہیں۔

امیر - لیکن میں نے سنا ہے کہ وہ اس سے بھی زیادہ کہتے ہیں۔ وہ مجھے ظالم اور خونخوار حاکم مشہور کرتے ہیں۔ اور یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ میں اپنے ملک میں انتظام کرنا نہیں جانتا۔

کرزن - مجھے تو ان کی رائے کے متعلق پورے طور پر علم نہیں۔ لیکن ممکن ہے کہ وہ اس طرح کہتے ہوں

جس طرح جناب فرماتے ہین -

امیر - کیا انگلستان مین کوئی سٹینڈرڈ اخبار ہے -

کرزن - جی ہان -

امیر - کیا یہ اچھا اخبار ہے اور صحیح خبرین شائع کرتا ہے -

کرزن - عام طور پر یہ سچا اخبار مانا جاتا ہے -

امیر - کیا آپ کے ملک مین برمنگھم شہر ہے کیا یہ بڑا شہر ہے - اور اس شہر کا انتظام کیسا ہے

کرزن - یہ بڑا شہر ہے اور اسکی آبادی سات آٹھ لاکھ ہوگی - اور مجھے یقین ہے کہ اُسکا انتظام بھی بہت اعلے ہے -

امیر - کیا مانچسٹر بھی کوئی شہر ہے اور اسکا برمنگھم کی طرح انتظام ہے -

کرزن - مانچسٹر کے شہر مین بھی اچھا خاصا انتظام ہے -

اس پر امیر موصوف نے اپنی جیب سے سٹینڈرڈ اخبار کا ایک پرچہ نکالکر کہا کہ وہ اخبار ہے جسکی سچائی کا تم اعتراف کرتے ہو کہ مانچسٹر مین پچھلے سال اتنے خون ہوئے اور برمنگھم مین اسقدر لوگ قتل کئے گئے اور بہت سے قاتل گرفتار ہوسکے کیا یہ درست ہے -

کرزن - میرے خیال مین یہ تعداد درست ہوگی -

امیر (اپنے امرا سے مخاطب ہوکر) میرے ملک کی کتنی آبادی ہوگی -

درباری - حضور والا - جناب اسی لاکھ نفوس پر حکومت کرتے ہین -

امیر - پچھلے سال ہمارے ملک مین کتنے لوگ قتل ہوئے -

درباری - صرف چھ آدمی مارے گئے تھے -

امیر - تو پھر قاتلون کا کیا حشر ہوا -

درباری - وہ فی الفور پکڑے گئے اور انکو پھانسی کی سزا دیگئی -

امیر - (میری طرف مخاطب ہوکر) اور اس ملک کے متعلق مجھے انگلستان مین الزام دیا جاتا ہے کہ مجھے انتظام کرنا نہین آتا - اور مجھے خواہ مخواہ ظالم اور جنگلی کہا جاتا ہے - برمنگھم کی آبادی میرے ملک کی آبادی کا دسوان حصہ ہے اور مانچسٹر کی پندرھوان حصہ اور ان کے انتظام بھی خاطر خواہ بیان کئے جاتے

ہیں۔ لیکن باین ہمہ وہان ایک سال کے اندر اسقدر لوگ مارے جاتے ہین اور بہت سے قاتل گرفتار بھی نہین کئے جاتے۔

مین امیر موصوف کی دلائل کا اچھی طرح سے جواب نہ دے سکا۔ لیکن افغانستان مین جرائم کی کمی حکومت کی خوبیٔ انتظام پر مبنی نہین تھی۔ بلکہ امیر کی سخت اور جابر شخصیت کی وجہ تھی کہ لوگ خوف کے مارے جرائم سے اجتناب کرتے تھے۔

ایک دفعہ وہ دانت کے درد مین سخت مبتلا تھا۔ چنانچہ اُس نے ارادہ کیا کہ دانت کو نکلوایا جاوے ڈاکٹر کو بلوایا گیا اُس نے مشورہ دیا کہ کلوروفارم سے کام لیا جائے تاکہ دانت کے اکھاڑنے مین تکلیف نہ ہو اس نے ڈاکٹر سے دریافت کیا کہ وہ کلوروفارم کے اثر سے کبتک بیہوش رہیگا ڈاکٹر نے جواب دیا کہ ۲۰ بیس منٹ تک امیر نے کہا کہ وہ اپنی دنیا سے ۲۰ بیس سکنڈ کے لیے بھی باہر نہین ہو سکتا اور حکم دیا کہ دانت بغیر کلوروفارم کے اکھاڑا جائے۔

امیر عبدالرحمن نے ایک دفعہ مجھ سے ذکر کیا۔ کہ ایک روسی افسر نے اُسے خط لکھا۔ کہ وہ ہمین سرحد پر پانچسو سپاہیون کو فوجی مشق کرانے کی تجویز کر رہا ہے۔ اور امید ہے کہ امیر موصوف اس کارروائی سے خدوش نہ ہو گا۔ کیونکہ لڑائی کا کوئی خدشہ نہین۔

امیر نے اسے جواب دیا کہ اسے بالکل کوئی اعتراض نہین ہے کیونکہ وہ خود بھی پانچ ہزار فوجیون کو اسی مقام پر قواعد سکھانے کی تجویز کر رہا ہے۔ اس جواب کے بعد روسی افسر نے اس تجویز کا دوبارہ نام نہ لیا۔ اور خاموش ہو گیا۔

وہ یورپ کے شادی کے قوانین کو سخت نفرت سے دیکھتا تھا۔ چونکہ یورپ مین عورتون کی تعداد بہ نسبت مردون کے بہت زیادہ ہے۔ اسلئے اگر مرد ایک عورت سے زیادہ شادی نہ کر سکے۔ تو بہت سی عورتین بغیر شادی کرنے کے باقی رہ جاتی ہین۔ جو کہ نہایت ہی غیر فطرتی اور ظالمانہ رسم ہے اس قانون سے ایک اور بھی قباحت پیدا ہوتی ہے کہ بدکاری عام ہو جاتی ہے۔ اور اسلئے بہت سی تعداد حرامی بچون کی پیدا ہوتی ہے۔ جن کے واسطے دنیا مین کوئی جگہ نہین ہوتی۔ اس لئے برٹش گورنمنٹ ان کو جنوبی افریقہ آسٹریلیا اور کنیڈا وغیرہ مین بھیجتی ہے۔

مین جن دنون بحیثیت وائسرائے ہندوستان مین حکومت کرتا تھا اسکے ساتھ سرکاری طور پر میری خط و کتابت ہوا کرتی تھی۔ سچ یہ ہے کہ اسکے ساتھ نباہ کرنا سخت مشکل تھا کیونکہ وہ

نہایت ہی خطرناک دشمن تھا۔ لیکن میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ امیر موصوف مجھپر اعتبار کرتا تھا بلکہ اُسنے اپنی سوانحعمری میں میری بڑی تعریف کی ہے۔ اُسکی شخصیت نے مجھپر گہرا اثر کیا ہے۔ کابل سے رخصت ہوتے وقت اُس نے مجھے ایک طلائی ستارہ عطا کیا۔ جسمیں ہیرے اور موتی جڑے ہوئے تھے۔

اکتوبر سنہ ۱۹۰۱ء میں امیر عبدالرحمٰن خان ستاون سال کی عمر میں فوت ہوا۔

(ترجمہ)

محمد علی (چودہری) ایبٹ آباد

ننھے پھول

رات کو جب میں سونے لگتا ہوں۔ تو آسمان پر چمکتے ہوئے ستارے دیکھتا ہوں جو مجھے ننھے ننھے خوبصورت پھول معلوم ہوتے ہیں۔

ابھی میں اسی نظارے میں محو ہوتا ہوں کہ چاند میرے سر پہ آ جاتا ہے۔ وہ ایک نوجوان حسینہ ہے جو برف سا سفید لباس پہنے اُس سبزہ زار میں پھول چنے آتی ہے۔ اور جب میں صبح اُٹھتا ہوں تو مجھے آسمان پر ایک ستارہ بھی نظر نہیں آتا۔ کیونکہ اُس نے تمام پھول چنکر شہر کے سبزہ زار میں پھینکدیئے ہیں۔

شبنم کے موتی

ہزاروں ننھے چمکدار موتی درختوں پر چمک رہے تھے چند ننھی لڑکیوں نے کہا۔
"آؤ۔ ایک ایک دو دو موتی تو لیتی چلیں"

لیکن جب انھوں نے موتی پکڑنے کو ہاتھ بڑھائے تو لاکھوں ننھی ننھی کرنیں آئیں۔ اور موتیوں کو اُٹھاکر چلتی بنیں۔

(ترجمہ)

(ماخوذ)

کربلا[1]

چوتھا ایکٹ

چھٹوان سین

(آٹھ بجے شب کا وقت۔ زیاد کی خاص بیٹھک۔ شمر اور زیاد باتین کر رہے ہین)

زیاد ۔ کیا کہتے ہو مین نے سخت تاکید کر دی تھی کہ دریا پر حسینؑ کا کوئی آدمی نہ آنے پائے۔

شمر ۔ بجا ہے۔ مگر مین تو حسینؑ کے آدمیون کو دریا سے پانی لاتے برابر دیکھتا رہا ہون۔ اور شاید میرا دریا کی حفاظت کیلئے اپنی ذمہ داری پر حکم صادر کرنا سعد کو بُرا لگا۔

زیاد ۔ سعد پر مجھے اطمینان ہے۔ ممکن ہے اُسے لوگون کو پیاسون مرتے دیکھکر رحم آگیا ہو اور حق تو یہ ہے کہ شاید مین بھی اس موقع پر اتنا بیرحم نہ ہو سکتا۔ اس سے یہ تو نہین ثابت ہوتا کہ سعد کی نیت ڈانوان ڈول ہو رہی ہے۔

شمر ۔ مین سعد کی شکایت کرنے کیلئے آپکی خدمت مین نہین حاضر ہوا ہون صرف وہان کی حالت عرض کرنا تھی۔ حسینؑ نے آج سعد کو ملاقات کی غرض سے بلایا بھی تو ہے۔ دیکھئے کیا باتین ہوتی ہین۔

زیاد ۔ کیا؟ حسینؑ سے ملاقاتین بھی ہو رہی ہین! تم ثابت کر سکتے ہو؟

شمر ۔ حضور ثبوت کی ضرورت نہین۔ ان کا قاصد آتا ہی ہوگا۔

زیاد ۔ کیا کئی بار ملاقاتین ہوئی ہین؟

شمر ۔ آج کی ملاقات کا تو مجھے علم ہے۔ پر شاید اور بھی ملاقاتین تنہائی مین ہوئی ہون۔

زیاد ۔ کوئی اور آدمی ساتھ نہین رہا؟

---

[1] سلسلہ کے لیے دیکھئے زمانہ ستمبر سنہ ۲۴ء

شمر - میں نے خود ساتھ چلنا چاہا تھا۔ لیکن میری عرض قبول نہ ہوئی۔

زیاد - کلام پاک کی قسم۔ میں اسے نہیں برداشت کر سکتا۔ میں نے اُسے حسین سے جنگ کرنے کو بھیجا ہے۔ مصالحت کرنے کے لیے نہیں۔ میں اُس سے اسکا جواب طلب کرونگا۔

شمر - حضور نے اُن کے ساتھ جو سلوک کئے ہیں اور اس کام کے لیے جو صلہ تجویز کیا ہے وہ تو کسی دشمن کو بھی آپ کا دوست بنا دیتا۔ گر اپنا اپنا مزاج ہی تو ہے۔

(ایک قاصد کا آنا)

قاصد - السلام علیک۔ یا امیر عمر بن سعد کا خط لایا ہوں۔

(زیاد کو خط دیتا ہے اور زیاد اُسے پڑھنے لگتا ہے۔ قاصد باہر چلا جاتا ہے۔)

زیاد - اس مصالحت کا نتیجہ تو اچھا نکلا۔ حسینؑ واپس جانے کو رضامند ہیں۔ اور سعد نے اسکی تائید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان کی جانب سے کسی خطرے کا اندیشہ نہیں۔ خلیفہ یزید کا منشا بھی یہی ہے۔ سعد نے خوب کیا کہ بغیر جنگ و جدل کے فتح حاصل کر لی۔

شمر - بیشک بڑی شاندار فتح ہے۔

زیاد - کیوں یہ فتح نہیں ہے۔ طعنہ کیوں دیتے ہو۔؟

شمر - جسے آپ فتح سمجھ رہے ہیں وہ فتح نہیں آپکی شکست ہے۔ ایسی شکست جو آپکو پھر اُٹھنے نہ دیگی۔ آگ۔ پھوس میں پڑ کر اُتنی خوفناک نہیں ہو سکتی۔ جتنے اس محاصرے سے نکلکر حسینؑ ہو جائیں گے۔ شیر کسی شکار کے پیچھے دوڑتا ہوا بستی میں آگیا ہے۔ اُسے آپ گھیر کر مار سکتے ہیں۔ لیکن ایک بار وہ پھر جنگل میں پہونچ جائے تو کون ہے۔ جو اسکے پنجوں کے سامنے جانے کی ہمت کر سکے۔ کربلا سے نکلکر حسینؑ وہ دریا ہونگے جو باندھ کو توڑ کر باہر نکل آیا ہو۔ اور آپ کی حالت اُسی ٹوٹے ہوئے باندھ کی طرح ہوگی۔

زیاد - ہاں اسمیں تو کوئی شک نہیں کہ اگر وہ نکلکر حجاز او یمن چلے جائیں تو شاید خلیفہ یزید کی خلافت ڈگمگا جائے۔ مگر ایک شرط بھی تو ہے کہ انھیں یزید کے پاس جانے دیا جائے اسمیں تمہیں کیا عذر ہو سکتا ہے۔؟

شمر - اگر باز کبوتر کے نزدیک پہنچ جائے تو دنیا کی کوئی فوج اسے باز کے چنگل سے نہیں بچا سکتی

کوئی عجب نہین کہ اپنی عقل کے زور سے امروز کا قیدی فردا کا خلیفہ ہو اور خلیفہ کو اُلٹے اُن کی بیعت قبول کرنی پڑے -

زیاد - تمہارا یہ خیال بھی بہت درست ہے - کاش مجھے تمہاری وفاداری کا اتنا علم پہلے ہوتا تو تمہین فوج کے سپہ سالار ہوتے -

شمر - کاش سعد نے میری باتین اتنی قدردانی سے سنی ہوتین تو مجھے یہان آنے کی اور آپکو تکلیف دینے کی ضرورت ہی نہ پڑتی -

زیاد - تم صبح چلے جاؤ اور سعد سے کہو کہ فوراً جنگ شروع کردے -

شمر - حضور کو جو حکم دینا ہو بذریعہ خط عطا فرمائین - ماتحت کے ذریعہ افسر کو حکم دینا افسر کو ماتحت کے خون کا پیاسا بنانا ہے -

زیاد - بہتر ہین خط ہی لکھے دیتا ہون -

(زیاد خط لکھکر شمر کو دیتا ہے)

شمر - اسمین حضور نے ایسا کوئی کلمہ تو نہین لکھا جسمین سعد کو شبہ ہو کہ میرے اشارے سے لکھا گیا ہے - ؟

زیاد - مطلق نہین - ہان یہ البتہ لکھدیا ہے کہ اگر تو نے سرتابی کی تو تیری جگہ شمر لشکر کا سردار ہوگا -

شمر - حضور کی قدردانی کی کہانتک تعریف کرون -

زیاد - اسکی ضرورت نہین - اگر سعد میرے حکم کی تعمیل کرے تو بہتر نہین تو وہ معزول ہوگا اور تم لشکر کے سردار ہوگے - پہلا کام جو تم کروگے وہ سعد کا سر قلم کرکے میرے پاس بھیجنا ہوگا یہی تمہاری بحالی کی شد ہوگی -

شمر - (اُٹھکر) آداب بجا لاتا ہون -

(شمر باہر چلا جاتا ہے اور زیاد مکان مین آرام کرنے جاتا ہے)

ساتوان سین

(صبح - تمام کالشکر حرا اور سعد گھوڑون پر سوار فوج کا معائنہ کررہے ہین)

نہایت ہی خطرناک دشمن تھا۔ لیکن مین یہ کہے بغیر نہین رہ سکتا کہ امیر موصوف مجھپر اعتبار کرتا تھا بلکہ آخر اپنی سوانحعمری مین میری بڑی تعریف کی ہے۔ اُسکی شخصیت نے مجھپر گہرا اثر کیا ہے۔ کابل سے رخصت ہوتے وقت اُس نے مجھے ایک طلائی ستارہ عطا کیا۔ جسمین ہیرے اور موتی جڑے ہوئے تھے۔

اکتوبر سنہ ۱۹۰۱ء مین امیر عبدالرحمٰن خان ستاون سال کی عمر مین فوت ہوا۔

(ترجمہ) محمد علی (چودہری) ایبٹ آباد

ننھے پھول

رات کو جب مین سونے لگتا ہون۔ تو آسمان پر چمکتے ہوئے ستارے دیکھتا ہون جو مجھے ننھے ننھے خوبصورت پھول معلوم ہوتے ہین۔"

ابھی مین اسی نظارے مین محو ہوتا ہون کہ چاند میرے سر پہ آجاتا ہے۔ وہ ایک نوجوان حسینہ ہے جو برف سا سفید لباس پہنے اُس سبزہ زار مین پھول چنے آتی ہے۔ اور جب مین صبح اُٹھتا ہون تو مجھے آسمان پر ایک ستارہ بھی نظر نہین آتا۔ کیونکہ اُس نے تمام پھول چنکر شہر کے سبزہ زار مین پھینکدیے ہین۔

شبنم کے موتی

ہزارون ننھے چمکدار موتی درختون پر چمک رہے تھے چند ننھی لڑکیون نے کہا :-

"آؤ۔ ایک ایک دو دو موتی تو لیتی چلین"

لیکن جب انھون نے موتی پکڑنے کو ہاتھ بڑھائے تو لاکھون ننھی ننھی کرنین آئین۔ اور موتیون کو اُٹھا کر چلتی بنین۔

(ترجمہ) (ماخوذ)

کربلا

چوتھا ایکٹ

چھٹوان سین

(آٹھ بجے شب کا وقت۔ زیاد کی خاص بیٹھک۔ شمر اور زیاد باتین کر رہے ہین)

زیاد ۔ کیا کہتے ہو مین نے سخت تاکید کر دی تھی کہ دریا پر حسینؑ کا کوئی آدمی نہ آنے پائے۔

شمر ۔ بجا ہے۔ مگر مین تو حسینؑ کے آدمیون کو دریا سے پانی لاتے برابر دیکھتا رہا ہون۔ اور شاید میرا دریا کی حفاظت کیلئے اپنی ذمہ داری پر حکم صادر کرنا سعد کو برا لگا۔

زیاد ۔ سعد پر مجھے اطمینان ہے۔ ممکن ہے اُسے لوگون کو پیاسون مرتے دیکھکر رحم آگیا ہو اور حق تو یہ ہے کہ شاید مین بھی اس موقع پر اتنا بیرحم نہ ہو سکتا۔ اس سے یہ تو نہین ثابت ہوتا کہ سعد کی نیت ڈانوان ڈول ہو رہی ہے۔

شمر ۔ مین سعد کی شکایت کرنے کیلئے آپکی خدمت مین نہین حاضر ہوا ہون صرف وہان کی حالت عرض کرنا تھی۔ حسینؑ نے آج سعد کو ملاقات کی غرض سے بلایا بھی تو ہے۔ دیکھئے کیا باتین ہوتی ہین۔

زیاد ۔ کیا؟ حسینؑ سے ملاقاتین بھی ہو رہی ہین! تم ثابت کر سکتے ہو؟

شمر ۔ حضور ثبوت کی ضرورت نہین۔ ان کا قاصد آتا ہی ہو گا۔

زیاد ۔ کیا کئی بار ملاقاتین ہوئی ہین؟

شمر ۔ آج کی ملاقات کا تو مجھے علم ہے۔ پر شاید اور بھی ملاقاتین تنہائی مین ہوئی ہون۔

زیاد ۔ کوئی اور آدمی ساتھ نہین رہا؟

سلہ سلسلہ کے لیے دیکھئے زمانہ ستمبر ۱۹۲۴ء

شمر - میں نے خود ساتھ چلنا چاہا تھا۔ لیکن میری عرض قبول نہ ہوئی۔

زیاد - کلام پاک کی قسم۔ میں اسے نہیں برداشت کر سکتا۔ میں نے اُسے حسین سے جنگ کرنے کو بھیجا ہے۔ مصالحت کرنے کے لیے نہیں۔ میں اُس سے اسکا جواب طلب کرونگا۔

شمر - حضور نے اُن کے ساتھ جو سلوک کئے ہیں اور اس کام کے لیے جو صلہ تجویز کیا ہے وہ تو کسی دشمن کو بھی آپ کا دوست بنا دیتا۔ مگر اپنا اپنا مزاج ہی تو ہے۔

(ایک قاصد کا آنا)

قاصد - السلام علیک - یا امیر عمر بن سعد کا خط لایا ہوں۔

(زیاد کو خط دیتا ہے اور زیاد اُسے پڑھنے لگتا ہے۔ قاصد باہر چلا جاتا ہے۔)

زیاد - اس مصالحت کا نتیجہ تو اچھا نکلا۔ حسینؑ واپس جانے کو رضامند ہیں۔ اور سعد نے اسکی تائید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان کی جانب سے کسی خطرے کا اندیشہ نہیں۔ خلیفہ یزید کا منشا بھی یہی ہے۔ سعد نے خوب کیا کہ بغیر جنگ و جدال کے فتح حاصل کر لی۔

شمر - بیشک بڑی شاندار فتح ہے۔

زیاد - کیوں یہ فتح نہیں ہے۔ طعنہ کیوں دیتے ہو۔؟

شمر - جسے آپ فتح سمجھ رہے ہیں وہ فتح نہیں آپکی شکست ہے۔ ایسی شکست جو آپکو پھر اُٹھنے نہ دیگی۔ آگ۔ پھوس میں پڑ کر اُتنی خوفناک نہیں ہو سکتی۔ جتنے اس محاصرے سے نکلکر حسینؑ ہو جائیں گے۔ شیر کسی شکار کے پیچھے دوڑتا ہوا بستی میں آگیا ہے۔ اُسے آپ گھیر کر مار سکتے ہیں۔ لیکن ایک بار وہ پھر جنگل میں پہونچ جائے تو کون ہے۔ جو اُسکے پنجوں کے سامنے جانے کی ہمت کر سکے۔ کربلا سے نکلکر حسینؑ وہ دریا ہونگے جو باندھ کو توڑ کر باہر نکل آیا ہو۔ اور آپ کی حالت اُسی ٹوٹے ہوئے بندھ کی طرح ہوگی۔

زیاد - ہاں اسمیں تو کوئی شک نہیں کہ اگر وہ نکلکر حجاز و یمن چلے جائیں تو شاید خلیفہ یزید کی خلافت ڈگمگا جائے۔ مگر ایک شرط بھی تو ہے کہ انھیں یزید کے پاس جانے دیا جائے اسمیں تمہیں کیا عذر ہو سکتا ہے۔؟

شمر - اگر باز کبوتر کے نزدیک پہونچ جائے تو دنیا کی کوئی فوج آسمان سے جنگل سے نہیں بچا سکتی

کوئی عجب نہین کہ اپنی عقل کے زور سے امروز کا قیدی فردا کا خلیفہ ہو اور خلیفہ کو اُلٹے اُن کی بیعت قبول کرنی پڑے۔

زیاد - تمہارا یہ خیال بھی بہت درست ہے۔ کاش مجھے تمہاری وفاداری کا اتنا علم پہلے ہوتا تو تمہین فوج کے سپہ سالار ہوتے۔

شمر - کاش سعد نے میری باتین اتنی قدردانی سے سنی ہوتین تو مجھے یہان آنے کی اور آپکو تکلیف دینے کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔

زیاد - تم صبح چلے جاؤ اور سعد سے کہو کہ فوراً جنگ شروع کر دے۔

شمر - حضور کو جو حکم دینا ہو بذریعہ خط عطا فرمائین۔ ماتحت کے ذریعہ افسر کو حکم دینا افسر کو ماتحت کے خون کا پیاسا بنانا ہے۔

زیاد - بہتر یہی خط ہی لکھے دیتا ہون۔

(زیاد خط لکھکر شمر کو دیتا ہے)

شمر - اسمین حضور نے ایسا کوئی کلمہ تو نہین لکھا جسمین سعد کو شبہہ ہو کہ میرے اشارے سے لکھا گیا ہے۔؟

زیاد - مطلق نہین۔ ہان یہ البتہ لکھدیا ہے کہ اگر تو نے سرتابی کی تو تیری جگہ شمر لشکر کا سردار ہوگا۔

شمر - حضور کی قدردانی کی کہانتک تعریف کرون۔

زیاد - اسکی ضرورت نہین۔ اگر سعد میرے حکم کی تعمیل کرے تو بہتر نہین تو وہ معزول ہوگا اور تم لشکر کے سردار ہوگے۔ پہلا کام جو تم کروگے وہ سعد کا سر قلم کر کے میرے پاس بھیجنا ہوگا یہی تمہاری بحالی کی شہ ہوگی۔

شمر - (اُٹھکر) آداب بجالاتا ہون۔

(شمر باہر چلا جاتا ہے اور زیاد مکان مین آرام کرنے جاتا ہے)

ساتوان سین

(صبح - تمام کا لشکر حر اور سعد گھوڑوں پر سوار فوج کا معائنہ کر رہے ہین)

حُر - ابھی تک زیاد نے آپکے خط کا جواب نہیں دیا - ؟

سعد اُسکے انتظار میں رات بھر آنکھیں نہیں لگیں - جب کسی کی آہٹ ملتی تھی تو گمان ہوتا تھا کہ قاصد ہے مجھے تو یقین ہے کہ امیر زیاد میری تجویز منظور کر لیں گے -

حُر - کاش ایسا ہوتا - اگر جنگ کی نوبت آئی تو فوج کے کتنے ہی سپاہی [illegible]

(سامنے سے شمر گھوڑا دوڑاتا ہوا آتا ہے -)

سعد - لو قاصد بھی آ گیا - خدا کرے اچھی خبر لایا ہو - ارے یہ تو شمر ہے -

حُر - ہاں شمر ہی ہے - خدا خیر کرے جب یہ خود زیاد کے پاس گیا تھا تو مجھے آپکی تجویز منظور ہونے میں بہت شک ہے -

شمر - (قریب آکر) السلام علیک - میں کل ایک ضرورت سے مکان چلا گیا - آخر زیاد کو خبر ہوئی اُس نے مجھے بلایا اور آپ کو یہ خط دیا -

(خط سعد کو دیتا ہے - سعد خط پڑھکر جیب میں رکھ لیتا ہے اور ایک لمبی سانس لیتا ہے)

سعد - شمر میں نے سمجھا تھا تم صلح کی خبر لائے ہوگے -

شمر - آپ کی سمجھ کی غلطی تھی آپ کو معلوم ہے کہ امیر زیاد ایک مرتبہ فیصلہ کر کے پھر نہیں بدلتے اب آپ کی کیا منشا ہے -

سعد - مجبوراً حکم کی تعمیل کرونگا -

شمر - تو میں فوج کو تیار ہونے کا حکم دیتا ہوں ؟

سعد - جیسا درست سمجھو -

(شمر فوج کی طرف چلا جاتا ہے -)

حُر - خدا سب کچھ کرے لیکن انسان کا باطن سیاہ نہ بنائے -

سعد - یہ سب انھیں حضرت کی کارگزاری ہے - زیاد میری طرف سے کبھی اتنے بدگمان نہ تھے

حُر - مجھے تو فرزند رسول سے لڑنے کے خیال ہی سے وحشت ہوتی ہے -

سعد - حُر - تم سچ کہتے ہو مجھے یقین ہے کہ ان سے جنگ کرنا گویا اپنی عاقبت خراب کرنا ہے مگر مجبور ہوں اس کی پرواہ نہ کروں تو بچوں کا کیا حال ہو - سے نجات نہیں ہو سکتا - افسوس میں نہ ہوا کہ آپ کے ساتھ ہوں

تباہ ہوا۔ کاش میرا دل اتنا مضبوط ہوتا کہ رَے کی نظامت پر لٹو نہ ہو جاتا تو آج مین فرزندِ رسول کے مقابلہ پر نہ کھڑا ہوتا۔ حُر کیا اس جنگ کے بعد کسی طرح مغفرت نہین ہو سکتی۔؟

حُر - فرزندِ رسول کے خون کا داغ کیسے دُھلے گا۔؟

سعد - حُر۔ مین اتنے روزے رکھونگا کہ میرا جسم گھلا جائیگا۔ اتنی نمازین ادا کرونگا کہ آج تک کسی نے نہ کی ہونگی۔ رَے کی ساری آمدنی خیرات کر دونگا۔ پیادہ پا حج کرونگا اور رسول پاک کے مزار شریف پر بیٹھکر رؤدن گا۔ گنہگارون کی خطائین معاف کرونگا اور ایک چیونٹی کو بھی ایذا نہ پہونچاونگا۔ ہائے ظالم شمر سوچنے کا بھی موقع نہین دینا چاہتا۔ فوجین تیار ہو رہی ہین۔ قیس۔ حجّاج۔ اشعث اپنے اپنے آدمیون کو صفون مین کھڑے کرنے لگے وہ دیکھئے نقارے پر چوب بھی پڑ گئی۔

حُر - مین بھی جاتا ہون اپنے آدمیون کو سنبھالو۔

(آہستہ آہستہ جاتا ہے)

سعد - (دلمین) اے خدا! بہت بہتر ہوتا کہ تو نے مجھے شمر کی طرح سیاہ باطن بنایا ہوتا کہ عذاب کی کشمکش سے آزاد ہو جاتا۔ یا ہانی اور کثیر کی طرح دل دیا ہوتا کہ اپنے کو غیرت پر قربان کر دیتا۔ کمزور انسان جسکو اپنی مرضی پر قابو نہ ہو۔ غلام سے بھی بدتر ہے۔ میرے قبیلے والون نے بھی صف بندی شروع کر دی۔ مجھے بھی اب جاکر اپنی جگہ پر سب سے آگے چلنا چاہیئے۔ اور وہی کرنا چاہیئے جو شمر کرائے کیونکہ اب مین فوج کا سردار نہین ہون شمر ہے۔

(آہستہ آہستہ جاکر فوج کے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے)

شمر - (اونچی آواز سے) اے خلافت کو زندہ رکھنے کے لیے اپنے تئین قربان کرنے والے بہادرو! خدا کا نام لیکر قدم آگے بڑھاؤ۔ دشمن تمہارے سامنے ہے وہ ہمارے رسول پاک کا نواسا ہے اور اُس رشتے سے ہم سب تعظیم سے اُسکے آگے سر جھکاتے ہین لیکن جو آدمی حرص کا اتنا بندہ ہے کہ رسول پاک کے حکم کو جو انھون نے خلافت کو اب تک قائم رکھنے کے لیے دیا تھا پیرون تلے کچلتا ہے اور قوم کی بیعت کی پرواہ نہ کرکے اپنی وراثت کے حق کے لیے خلافت کو خاک مین ملا دینا چاہتا ہے وہ رسول کا نواسا ہونے ہوئے بھی مسلمان نہین ہے۔ ہماری نگاہون مین رسول کے حکم کی عزت اُسکے نواسے کی عزت سے کہین زیادہ ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہمنے جس خلیفہ کی بیعت قبول کی ہے اُسے ایسے حملون سے بچائین جو مذہب کے

نام پر کٹے جاتے ہیں - چلو فرض کے میدان میں قدم بڑھاؤ -

(نقارے پر چوب پڑتی ہے اور پورا لشکر حضرت امام حسینؑ کے پڑاؤ کی طرف بڑھتا ہے سعد آگے قدم بڑھاتا ہوا حسینؑ کے قریب پہونچ جاتا ہے)

عباسؓ (حضرت حسینؑ کے خیمے سے نکلکر) سعد یہ دغا! ہم تمہارے جواب کا انتظار کر رہے ہیں اور تم ہمارے اوپر حملہ کر رہے ہو کیا یہی آئین جنگ ہے ؟

سعد - حضرت کلام پاک کی قسم - میں دغا کے ارادے سے نہیں آیا (زیاد کا خط عباس کے ہاتھ میں دیکر) یہ دیکھئے میرے ساتھ انصاف کیجئے میں اسوقت نام کے لیے سردار ہوں - اختیار شمر کے ہاتھوں میں ہے -

عباس - (خط پڑھکر) آخر تم دنیا کی طرف جھکے - یاد رکھو خدا کی درگاہ میں شمر نہیں تم خطاوار سمجھے جاؤگے -

سعد - یا حضرت جانتا ہوں لیکن زیاد کے غصے کا مقابلہ نہیں کر سکتا - وہ بلی ہے میں چوہا ہوں - وہ باز ہے - میں کبوتر ہوں وہ ایک اشارے سے میرے خاندان کا نشان مٹا سکتا ہے - اپنی حفاظت کی فکر نے مجھے مجبور کر دیا ہے - میرے دین اور ایمان کو فنا کر دیا ہے -

عباس - خلاصہ یہ کہ تم ہمارا محاصرہ کرنا چاہتے ہو - ٹھہرو - میں جا کر بھائی صاحب کو اطلاع کردوں -

(عباسؓ حضرت حسینؑ کے خیمے کی جانب جاتے ہیں)

شمر - (سعد کے نزدیک آکر) کیا اب کوئی دوسری چال چلنے کی سوچ رہے ہیں ؟

سعد - نہیں حضرت حسینؑ کو ہماری آمد اور ارادہ کی اطلاع دینے گئے ہیں -

شمر - یہ اس موقع کو ہمارے ہاتھوں سے چھین لینے کا حیلہ ہے - شاید قبیلوں سے امداد طلب کرنے کا قصد کر رہے ہیں - ایک دن کی دیر بھی انھیں موقع کا بادشاہ بنا سکتی ہے -

(عباس خیمے سے واپس آتے ہیں)

عباس - میں نے حضرت حسینؑ کو تمہارا پیغام دیا - حضرت کو اسکا بیحد صدمہ ہے کہ انکی کوئی شرط منظور نہیں کی گئی - صلح کی اس سے زیادہ کوشش اُن کے امکان میں نہ تھی - گو ہم سب جنگ کے لیے تیار ہیں لیکن انھوں نے ایک دن کی مہلت مانگی ہے کہ دعا اور نماز میں گذاریں - صبحکو ہمیں خدا کا جو حکم ہوگا اس کی

قبول کرینگے۔

سعد - اسکا جواب مین اپنی فوج کے دوسرے سرداروں سے مشورہ کرکے دونگا۔

(عباس اپنے خیمے کی طرف جاتے ہین اور حر حجاج اشعث قیس سب سعد کے پاس آکر کھڑے ہو جاتے ہین)

سعد - شمر - تمہاری اِس معاملے مین کیا صلاح ہے؟

شمر - یہ ان کی حیلہ بازی ہے۔ آیندہ آپ امیر ہین جو جی چاہے کرین۔

سعد - (دوسرے سرداروں سے مخاطب ہوکر) حضرت حسینؑ نے ایک دن کی مہلت کی درخواست کی ہے۔ آپ لوگون کی کیا صلاح ہے۔

شمر - اسکا آپ لوگ خیال رکھئے گا۔ کہ یہ مہلت میزان کو پلٹ سکتی ہے۔

حر - مہلت کے منظور کرنے مین پس وپیش کا کوئی موقع نہین۔

حجاج - حسینؑ اگر کافر ہوتے اور مہلت کی درخواست کرتے تو بھی اُسکو قبول کرنا لازم تھا۔ بہت ممکن ہے کہ وہ کل تک آپس مین صلاح کرکے یزید کی بیعت قبول کرلین تو ناحق خونریزی کیون ہو۔

شمر - اور اگر شام تک بنی اسد اور دوسرے قبیلے ان کی مدد کے لئے آجائین تو؟

شلیث - حضرت حسینؑ نے ابھی تک کسی قبیلے سے امداد نہین طلب کی ہے ورنہ ہم اتنے اطمینان سے یہان نہ کھڑے ہوتے۔

سعد - بنی اسد ہی نہین اگر عراق کے سارے قبیلے آجائین تب بھی ہم آج انھین جنگ کے لیے مجبور نہین کرسکتے۔ یہ انسانیت سے بعید ہے۔ میرا یہی فیصلہ ہے آیندہ آپ لوگون کو اختیار ہے۔

(سعد غصہ مین بھرا ہوا وہان سے چلا جاتا ہے)

شمر - کیا آپ لوگون کی یہی مرضی ہے کہ آج جنگ ملتوی کی جائے۔

حرُ - یہان جتنے اصحاب موجود ہین سب اپنی رائین دے چکے - امیر لشکر بھی چلا گیا۔ ایسی حالت مین مہلت کے سوائے اور ہو ہی کیا سکتا ہے؟ اگر آپ اپنی ذمہ داری پر جنگ کرنا چاہتے ہین تو شوق سے کیجئے۔

(حرُ - حجاج وغیرہ بھی چلے جاتے ہین)

شمر - (دل میں) کون کہتا ہے کہ حسینؑ کے ساتھ دغا کی گئی؟ یہاں سب کے سب حسینؑ کے دوست نظر آتے ہیں - اس فوج میں رہنے سے کہیں یہ بہتر تھا کہ سب کے سب حسینؑ کی فوج میں ہوتے تب بھی ان کی اتنی مدد نہ کر سکتے - مجھے ذرا بھی تعجب نہ ہوگا اگر کل سب لوگ ہتھیار رکھکر حسینؑ کے قدموں پر گر پڑیں - زیاد کو اس مہلت کی اطلاع تو دے ہی دوں -

(سعد کا قاصد مہلت کا پیغام لیکر حسینؑ کی لشکر کے جانب آتا ہے - شمر اپنے خیمے کی طرف جاتا ہے)

پریم چند

تین ہزار سال پہلے کی مصری شاعری

کیا دلفریب ہے تیرا ظہور افق آسمان میں!
اے روپہلے طباق! اے سرچشمۂ حیات!
ہر صبح ہم تجھے آسمان کے پورب میں دیکھتے ہیں -
تو پوری زمین اپنے حسن سے معمور کر دیتا ہے!
تو ہی خوبصورت ہے، عظیم ہے - روشن ہے، زمین پر بلند ہے!
تیری شعاعیں تمام زمینوں کو اپنے دامنوں میں سیئے ہوئے ہیں!
ہاں تمام زمینوں کو لیئے ہوئے جنہیں تو ہی نے بنایا ہے!
اور تو نے ہی ان پر انسانوں کو آباد کیا ہے!
وہ انسان جنہیں تو نے محبت کے بندھن سے جوڑ دیا ہے!
کہتے ہیں تو دور ہے بہت دور ہے!
مگر تو دور کہاں ہے؟ تیری شعاعیں تو زمین پر پھیلی ہوئی ہیں -
اے بلند تر! کیا دن کی تابناکی تیرا ہی ایک جلوۂ نورانی نہیں ہے؟

(ماخوذ) ہمایوں دہلی

بعض اردو الفاظ کا املا

زمانہ مئی ۱۹۳۰ء مین جناب حامد اللہ صاحب افسر کا مضمون جو بعنوان "بعض اردو کے الفاظ کا املا" شائع ہوا ہے وہ مفید اور اہل الرائے حضرات کی توجہ کا مستحق ہے۔

لیکن بعض اجزا سے مجھے اختلاف ہے۔ خصوصاً جزو اول سے جسمین وہ الفاظ دکھائے گئے ہین جن مین ب کا تلفظ مشدد ما قبل نون غنہ یا میم ہے۔ اور ظاہر کیا گیا ہے کہ ان کا املا کبھی م کے ساتھ اور کبھی ن کے ساتھ ہوتا ہے۔ ایسے الفاظ حسب ذیل درج مضمون کئے گئے ہین۔

گمبد	گنبد
کمبل	کنبل
تمباکو	تنباکو
لمبا	لنبا
کھمبا	کھنبا

افسر صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ ان الفاظ کے رسم خط کا تعین ہونا ضرور ہے۔ مناسب تو یہ ہے کہ فارسی الفاظ کا رسم خط ن سے اور دوسری زبانون کے الفاظ کا م سے ہو۔

التماس یہ ہے کہ جو اصول افسر صاحب نے تحریر فرمایا ہے بالکل صحیح ہے۔ لیکن الفاظ مندرجہ بالا کا رسم خط مختلف فیہ ہے! اس سے مجھے اختلاف ہے گنبد ہمیشہ ن سے لکھا جاتا ہے اور شاید اسوجہ سے کہ یہ فارسی لفظ ہے۔ کمبل م ہی سے ہمیشہ لکھا جاتا ہے۔ ن سے کوئی نہیں لکھتا۔

تمباکو کا املا البتہ ایک زمانہ مین بہت معرکتہ الآرا مسئلہ رہا ہے۔ کسی استفسار کے جواب مین ایک مضمون میری نظر سے گذرا ہے۔ جسمین جناب شوق قدوائی یا کسی اور بزرگ نے (یاد نہین) یہ رائے ظاہر فرمائی تھی کہ تمباکو سے خوردنی کا املا ن سے اور کشیدنی کا م سے ہونا چاہئے۔ (یا اس کے خلاف

یہ بھی ٹھیک یاد نہیں ہے) لیکن اب تو چہا ترک دیکھا جاتا ہے عموماً تمباکو کو م ہی سے لکھا جاتا ہے
کارخانہ اصغر علی و محمد علی احمد حسین و دلدار حسین افتخار خان و غضنفر علی خان وغیرہ۔ کے
اشتہارات جو رسالہ جات و اخبارات میں نیز پوسٹر کی شکل میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ اس امر
کا ثبوت ہیں۔

لمبا - لنبا
کھمبا - کھنبا

یہ دونوں لفظ بھی عموماً م ہی سے لکھے جاتے ہیں۔

غرضکہ میرے خیال میں ان الفاظ کا املا مختلف فیہ نہیں ہے۔ اگر کوئی صاحب مروجہ صورت
کے خلاف لکھدیں تو اُن کا یہ فعل قابل لحاظ نہ ہوگا۔ صرف بد املگی سمجھی جائیگی۔

جزدوم میں نیم یا نیب کی بابت بھی گذارش ہے کہ متداول املا نیب (بغیر نون غنہ) ہے
لہذا اسکا شمار بھی اُن الفاظ کے ذیل میں نہ ہونا چاہیئے۔ جنکا املا مختلف فیہ ہے۔ یہی حال لیموں کا
ہے۔ جو عموماً ن کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔

چودھری حامد حسین

کشمیری لڑکی کا گیت

میرے پیارے بھائی تمہاری قسم میں تم کو اچھی اچھی چیزیں منوا کر دوں گی۔

تمہارے لیے پھوپھی یا خالہ کی لڑکی جسکو تم چاہو گے بیاہ کر لاؤں گی۔

یا الٰہی! یہ ابھی بہت چھوٹا ہے۔ اسکو اپنی حفاظت میں رکھیو اور اسپر اپنی برکت نازل کیجیو۔

پیارے بھائی حوریں اور پریاں تمہارے لیے گیت گاتی ہیں۔

تم نہایت خوبصورت ہو [illegible] ہے جو اسلئے پریاں تمہاری محبت کا گیت گاتی ہیں۔

پیارے بھائی میں اپنا سر تم پر سے نصدق کر کے رکھ دوں۔ تم میرے چاند ہو۔ میرے چھوٹے بھائی ہو۔

میں تم پر سے صدقے اور قربان ہو جاؤں تم مجھے بہت پیارے لگتے ہو۔

"نورجہاں"

تاج

بیادۂ خاک پہ تو ہے نگار خانۂ حسن — رقم ہے یا سر لوح زمین فسانۂ حسن
جبین سنگ پہ منقوش ہے ترانۂ حسن — نظر نواز ہے یا گوہر یگانۂ حسن
خجل ہے جلوۂ مہتاب ہے وہ ضو تجھ مین
نہان ہے شانِ ادائے عروس تو تجھ مین

زفرق تا بقدم پیکر حسین ہے تو — ردائے نور مین ملبوس نازنین ہے تو
مرقع کشش حسن دلنشین ہے تو — بہارِ خلد کی تصویر بالیقین ہے تو
فروغ دیدۂ دل - جنت نظارہ ہے
ضیا فشان کرۂ ارض پر ستارہ ہے

شگفتہ تختۂ نسرین ہے تو کہ قصر بلور — سپیدۂ سحری ہے کہ خرمن کا نور
نظارۂ کف سیلاب ہے کہ چشمۂ نور — مزار خاک پہ یا ضو فگن ہے شعلۂ طور
نثار جلوۂ سیمین ہے چشم نظارہ
فدائے شوکت تزئین ہے چشم نظارہ

عجائبات زمانہ مین انتخاب ہے تو — زمین پہ منزل فردوس کا جواب ہے تو
سپہر حسن ہے ۔ یا برج ماہتاب ہے تو — نگار خانۂ صنعت کنارِ آب ہے تو
یہ تیرا عکس ہے سیلاب کی روانی مین
کہ ایک سفینۂ زرین پڑا ہے پانی مین

نہان ہے گوہر نایاب تیرے دامن مین — خموش شمع فروزان ہے گنج مدفن مین
بہارِ حسن ہے خوابیدہ صحنِ گلشن مین — سکون پذیر ہے ممتاز اپنے مسکن مین
حریم خاک مین ہین حسن و عشق ہم آغوش
ہین محوِ خواب عدم تاج و تاجدار خموش

[illegible]

اشوک کی لاٹ

(بمقام نندن اویراج)

کس لئے خاموش ہے تو اے اشوکا کے نشاں کھول کر لب کچھ تو کہہ ہم سے پرانی داستاں
کچھ سنین ہم بھی وہ کیسے تھے زمین و آسماں تھا ترے سایہ تلے محفوظ جب ہندوستاں
کیا ترا مذہب تھا اور کیا تھا اصولِ دین ترا
کیا قوانین ادب تھے اور کیا آئین ترا

تو ہے باقی خاندان موریا کی یادگار شان شاہانِ سلف کی ہے تجھی سے آشکار
گل تو کیا ملتے نہین ڈھونڈے سے اس گلشن کے خار دیکھئے تیرے چمن مین آئیگی پھر کب بہار
دھوم تیری ان دنون تھی چین اور جاپان تک
تھے سبق آموز تجھ سے مصر اور یونان تک

تیرے وقتون مین نمایان تھے اہنسا کے اصول راستی پاکیزگی تھی اہلِ دنیا کو قبول
تیرے گلشن مین دیا اور دھرم کے کھلتے تھے پھول وحشت افزا آہ! اب ان کی جگہ ہین یہ ببول
اگلے وقتون کی جو باتین تھین فسانہ ہو گئین
وہ پرانی خوبیان وقفِ زمانہ ہو گئین

رہبرِ ملکِ عدم کو راہ دکھلاتا تھا تو جو نہ بھولے سے بھی سمجھین ان کو سمجھاتا تھا تو
راہِ ہستی مین نشان راہ بن جاتا تھا تو تھے جو گم گشتہ انھین منزل پہ پہنچاتا تھا تو
تھا شبِ تاریک مین تو نے اجالا کر دیا
ہند کا سارے جہان مین بول بالا کر دیا

تجھ سے ظاہر ہو رہا ہے ہستیٔ گوتم کا راز تیرے لفظون مین بھرے ہین معنیٔ سوز و گداز
سکھاتا ہے بشر کو دہر مین عجز و نیاز کیا تعجب ہے جو تجھ پہ ہند والون کو ہے ناز

تیرا رستہ یعنی تو پہنچیں منزلِ مقصود پہ
منحصر ہو زندگی اپنی سخا و جود پر

اب رہی باقی ہے شان پاٹلی پتر کہاں — آج کل وہ تکسلا علم و ہنر کا گھر کہاں
آہ اب باقی ہیں وہ اجین کے مندر کہاں — ان دنوں سایہ ترا ہے ہند کے سر پہ کہاں

میں تو سمجھا ہوں یہی تیرا ہمیں پیغام ہے
جو ہوا پیدا یہاں اس کا فنا انجام ہے

ان دنوں کے لوگ کیا کیا سورما اور بیر تھے — قابلِ تعظیم تھے اور قابلِ توقیر تھے
رازدانِ معرفت تھے صاحبِ تدبیر تھے — فرض کے پابند سب طفل و جوان و پیر تھے

ملک کے دامن میں اب وہ لعل اور گوہر کہاں
آجکل کے نوجوانوں میں وہ ہیں جوہر کہاں

تیرے کتبے دھرم کا کرتے سدا پرچار تھے — تیرے پرچارک تمدن کے علمبردار تھے
کر رہے تشریح مذہب کی ترے مینار تھے — تیری مے سے سیراب عقیدتمند سرشار تھے

اب زمانہ میں مہابیر اور گوتم ہیں کہاں
ان دنوں ہم تھے کہاں اور ان دنوں ہم ہیں کہاں

سادگی کا پھر وہی منظر دکھا دے تو ہمیں — راستہ پاکیزگی کا پھر بتا دے تو ہمیں
پھر وہی تقدیس کے نغمے سنا دے تو ہمیں — عافیت کی گود میں ہاں پھر سلا دے تو ہمیں

زندگی کا یعنی مقصد زندگی میں پائیں ہم
روح کو امید میں فردا کی کیوں تڑپائیں ہم

اب خزاں کے ہاتھ سے ویران یہ گلشن ہو گیا — گل سے خالی اس چمن کا آہ دامن ہو گیا
محو نقشِ نرگس و ریحان و سوسن ہو گیا — بجلیاں ایسی گریں برباد خرمن ہو گیا

کیا تعجب ہے اگر میں دہر میں ناشاد ہوں
خاک بر سر ہوں مکینِ خانۂ برباد ہوں

شاہد قوم

تضمین بر غزل سُرورؔ مرحوم جہان آبادی

جذبۂ کشش کی تیری جہان مین ہے گفتگو | بزمِ چمن مین قوم کی تجھ سے ہے آبرو
کھولے ہوئے ہون عرصے سے آغوشِ آرزو | آ اے عروسِ حبِ وطن میرے بزم مین تو
آنکھیں تری تلاش مین ہین گرمِ جستجو

جب خوابِ ناز مین ہو تو آ کر جگاؤن مین | سازِ نیازِ جذبۂ الفت بجاؤن مین
اتنی دکھائی خوب نہین کیا جتاؤن مین | آ اے نگار تجھکو گلے سے لگاؤن مین
آ مجھ سے ہمکنار ہو اے شوخ خوش گلو

کاٹے ترے فراق مین ایک ہین ماہ و سال | تیرے بغیر زندگی اب ہو گئی محال
ہے بے توجہی سے تری کیا مجھے ملال | وہ دن خدا کرے کہ مناؤن شبِ وصال
گردن ہو تیری اور مرا دستِ آرزو

آ مجھ سے ہمکنار ہو اے میرے خوش جمال | اب بیکسی مین طاقتِ برداشت ہے محال
جلدی کرے وہ دن مری قسمت مین ذوالجلال | لپٹون مین جو خوشی مین جو تجھ سے شبِ وصال
باہین ترے گلے مین ہون لب پر یہ گفتگو

چھوٹے وہ دل نہ جسمین تری بود و باش ہو | وہ جس جگر کا ٹکڑا نہ ہو وقفِ خواہش ہو
اس سر مین تیری دھن نہین وہ پاش پاش ہو | ٹوٹین وہ پاؤن جن کو نہ تیری تلاش ہو
پھوٹے وہ آنکھ جس کو نہ ہو تیری جستجو

بزمِ محبتِ قومی مین تم [illegible] | نہین جنکی خوشی جو مصیبت پڑے سہو
ہے [illegible] جب زبان سے نہین دل سے [illegible] | وہ [illegible]

وہ دل ہو داغ جس میں نہو تیری آرزو

حد سے فزون اگر مجھے دردِ حبیب ہو
آجائے موت پھر بھی جو شوقِ طبیب ہو

تیرے سوا جہان میں نہ کوئی قریب ہو
حورون پہ میں مرون تو جہنم نصیب ہو

کافر ہون میں جو مجھکو بتون کی ہو آرزو

دلمین ہر ایک کے ہو ترا عشق جاگزین
دہلیز پر ہو تری ہر اک کی جھکی جبین

درسِ وفا جو ہندو و مسلم کے دلنشین
ناقوس اور اذان میں نہین قیدِ کفر و دین

اس کے لیے کہ جس کا پرستش کدہ ہے تو

وقتِ عزیز اے غافل یون نہ کھو
ہے ہے خدا کے واسطے اب اور تو نہ سو

قربان تجھ پہ کر چکے ہم دھرم دین کو
گنگا نہائے شیخ اگر تیرا اذن ہو

تیرا اشارہ ہو تو برہمن کرے وضو

رحمت تری جہان میں سامان ہے مرا
الفت پہ تیری قلب بھی قربان ہے مرا

تو دید میرا اور تو قرآن ہے مرا
تیرا طریقِ عشق ہی ایمان ہے مرا

تیرے فدائیون میں ہون اے شوخ خوبرو

ہرگز نہ ہو خیال احبا کا سامنے
تیرا ہی غم ہو غم نہو فردا کا سامنے

نقشہ ہو تیرے باغِ تمنا کا سامنے
جلوہ نہ ہو کسی بتِ رعنا کا سامنے

وہ دن خدا کرے کہ ہو آنکھون میں تو ہی تو

طالب کاشمیری

مسز بیسنٹ صاحبہ

زمانہ

جلد ۴۹ — نومبر ۱۹۲۷ء — نمبر ۵
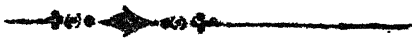
تھیوسوفیکل سوسائٹی کی تاریخ اور اُسکے مقاصد

بیسوین صدی کے ربع آخر مین ہندوستان مین متعدد مذہبی انجمنین قائم ہوئین جن مین سے تھیوسوفیکل سوسائٹی نے مثل آریہ سماج کے ہندوستان کی معاشرتی، تعلیمی اور مذہبی بیداری مین بہت کافی حصہ لیا۔ پچاس برس کے عرصے مین اس نے انواع و اقسام کی خدمات انجام دی ہین جنکا سرسری اعادہ کرنا بھی اس مختصر سے مضمون مین ممکن نہین۔ تھیوسوفیکل سوسائٹی کا نام ہندوستان کے ہر گوشہ مین مشہور ہو چکا ہے۔ قریب قریب ہر صوبہ مین اسکی شاخین قائم ہین۔ انگریزی اخبارات و رسالہ جات مین اسکے حالات کارنامے وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہتے ہین اسلئے انگریزی دان ہندوستانی کم و بیش اسکے حالات و مقاصد سے واقف ہین۔ مگر اُردو دان حضرات سوسائٹی کے آغاز و مقاصد سے تقریباً نابلد ہین لہذا اس سوسائٹی کے قائم ہونے کے اسباب اور اغراض مندرجہ ذیل سطور مین قلمبند کئے جاتے ہین۔

پچاس سال کا عرصہ ہوا کہ امریکہ مین دو اولوالعزم شخصون کی اتفاقاً آپسمین ملاقات ہوئی جن کے اسم گرامی میڈم ہیلینا پیٹرونا بلاوٹسکی اور کرنل ہنری سٹیل آلکٹ ہین۔ یہ حضرات اے۔ ڈی بلادرس کے مکان مین جو مقام چٹینڈن ریاست ورمانٹ ریاستہائے متحدہ مین واقع ہے ملے تھے۔ اس مکان مین منجملہ کرنل صاحب کے چند اصحاب روحانیت کے حقائق و معارف کی تحقیق و تدقیق مین مصروف تھے جنمین انھین بہت

گہری دلچسپی تھی ان لوگون کو اُمید تھی کہ اگر ان کی تحقیقات صحیح ثابت ہوئی تو حیات بعد ممات کے بارے مین قومی شہادتین پیش کر سکین گے۔ ان حضرات کے مشاہدات اور تحقیقات کے حالات نیویارک سن نامی اخبار مین وقتاً فوقتاً شائع کئے جاتے تھے۔ یہ تحریرین بڑے شوق اور دلچسپی سے پڑھی جاتی تھین چنانچہ نیویارک کے ڈیلی گرافک نامی اخبار مین کرنل آلکٹ سے درخواست کی کہ وہ اپنی تحقیقات کے نتائج کی رپورٹ بالالتزام بھیجتے رہین میڈم بلاوٹسکی صاحبہ اس زمانہ مین نیویارک ہی مین مقیم تھین اور ڈیلی گرافک مین کرنل آلکٹ کے خطوط پڑھکر ان کے دلمین ان سے ملنے اور تجربات سے مستفیض ہونے کا شوق پیدا ہوا چنانچہ میڈم صاحبہ اے۔ ڈی برادرس کے مکان پر کرنل آلکٹ صاحب سے ملین اور یہین یہ دو برگزیدہ ہستیان ایک دوسرے سے پہلی بار دوچار ہوئین۔ میڈم صاحب مشرقی روحانی علوم سے بخوبی ماہر تھین اور انھین یقین تھا کہ مغربی قومین مادیت کے اثرات سے بغیر روحانی انکشافات نہین نہین بچ سکتین اور نہ مذہب اور روحانیت کے اعلےٰ معراج تک پہنچ سکتی ہین۔

میڈم بلاوٹسکی کو ہندوستان کے دو بزرگون نے جنھین معرفت الٰہی مین ید طولیٰ حاصل تھا ہدایت کی تھی کہ وہ مغربی ممالک کا دورہ کرین اور مادیت کے روز افزون سیلاب کو روکنے کی کوشش کرین اور مذہبون کو فنا ہونے سے بچائین اور دنیا پر ان روحانی اسرار و حقائق کا ایک حصّہ منکشف کرین جو زمانۂ سلف مین مسلمات مین شامل تھے جو اب دہریت کے غلبہ پاجانے کی وجہ سے پوشیدہ ہوگئے ہین ان حالات اور اسباب کی بنا پر میڈم صاحبہ نے اسپریچولیزم کے مسئلہ مین خاص دلچسپی لی تاکہ اس کے ذریعہ سے دہریون اور مادیین کے عقائد مین تغیر پیدا کر سکین کچھ عرصہ کے تجربے کے بعد آپکو اپنی اس کوشش مین ناکامی ہوئی اور اس امر کا یقین ہوگیا کہ اس طریقہ سے وہ اپنے حقیقی مشن کو پورا نہین کر سکتین۔ کرنل آلکٹ سے شناسائی رفتہ رفتہ دوستی کے درجے تک پہنچگئی تھی۔ چنانچہ میڈم صاحبہ نے کرنل الکٹ کو مشرقی روحانی اُصول سے واقف کر دیا اور ان پر یہ بھی ظاہر کر دیا کہ وہ بذات خود قدرت کی مخفی قوتون کو مطیع کرنے کی قابلیت رکھتی ہین اور مشرقی ممالک کے کاملین سے انھین آگاہ کردیا جن کی رہنمائی اور ہدایت مین انھون نے خود روحانیت کے اشاعت کا بیڑا اٹھایا تھا۔ اسی زمانہ مین میڈم صاحبہ نے بہت سے مضامین مختلف اخبارون مین روحانیت کی تائید اور اشاعت کی غرض سے شائع کئے۔ جس سے عوام الناس کی توجہ آپ کی جانب راغب ہوئی۔

اکثر لوگ میڈم صاحبہ کے مکان پر اس قسم کے مضامین پر بحث کرنے جایا کرتے تھے ان مین چند اصحاب نے جن کو اسرار علمی سے گہری دلچسپی تھی کرنل صاحب اور میڈم صاحبہ کے زیر ہدایت ایک ایسے روحانی مرکز کے قائم کرنے کی خواہش ظاہر کی جہان وہ روحانی مسائل پر بحث و مباحثہ اور اپنی واقفیت مین اضافہ کر سکین -

مئی ۱۸۷۵ء مین میراکل کلب قائم کرنے کی کوشش کی گئی جسکا منشا مختلف اقسام کے غیر معمولی روحانی واقعات کی خاص طور پر تحقیق کرنا تھا - اس کوشش مین بھی ناکامیابی حاصل ہوئی اور باقاعدہ روحانی مرکز قائم کرنے کا خیال معرض التوا مین رہا - ستمبر ۱۸۷۵ء مین مسٹر فلٹ صاحب نے ایک حوصلہ افزا اور پر از معلومات تقریر کی - اثنائے تقریر مین مصر و یونان کے قدیم حالات بیان کرتے ہوئے مصر کے کاہنون، ساحرون اور روحانی اشخاص کا ذکر بھی کیا جسکا اثر یہ ہوا کہ حاضرین مین از سر نو ایک ایسی انجمن کے قائم کرنے کی خواہش پیدا ہوئی جہان ایسے مضامین کا مطالعہ کیا جا سکے -

جلسہ کے بعد ایک مستقل سوسائٹی قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا - دوسرے روز ضروری ضوابط اور قواعد بنائے گئے - چند ابتدائی جلسون کے بعد ۱۷ نومبر ۱۸۷۵ء کو تھیوسوفیکل سوسائٹی قائم کی گئی - جس کے کرنل آلکٹ صاحب صدر اور میڈم صاحبہ سکرٹیری مقرر ہوئین - اس زمانے مین سوسائٹی کے ممبرون کی تعداد صرف بیس تھی - اسوقت تک سوسائٹی کی غرض یہ تھی کہ روحانیت سے دلچسپی رکھنے والون کا وقتاً فوقتاً جلسہ قائم کیا جائے - اس موضوع پر کتابین فراہم کیجائین اور قانون قدرت کے وہ اسرار جن سے اہل مصر اور کالڈیا واقف تھے اور جن سے سائنسدان نا محرم تھے اور ہین شائع کئے جائین -

کچھ عرصہ کے مسلسل کوشش سے سوسائٹی کا حلقۂ اثر وسیع ہو گیا اور اسکو استحکام اور استقلال حاصل ہوا - بانیان سوسائٹی نے خط و کتابت کا سلسلہ دنیا کے تمام ممالک کے جویائے حق لوگون سے جاری کیا - اور سوسائٹی کی مختلف شاخین قائم کین - اس اثنا مین اہل ہندوستان اور اہل لنکا کے برگزیدہ اشخاص سے مراسلت شروع ہو گئی - چنانچہ ۱۸۷۸ء مین اس امر کی ناکامیاب کوشش کی گئی کہ سوسائٹی کو ہندوستان کی آریہ سماج سے ملحق کر دیا جائے - بانیان سوسائٹی کو ایک گونہ غلط فہمی پیدا ہوئی تھی کہ آریہ سماج اور سوسائٹی کے مقاصد متحد ہین - مگر جب انھین حقیقت حال معلوم ہوئی کہ ان دونون جماعتون کے مقاصد متضاد و مختلف ہین تو اس ارادے اور کوشش کو ترک کر دیا گیا -

میڈم بلاوٹسکی اور کرنل آلکٹ نے ہندوستان کا سفر اس غرض سے اختیار کیا کہ اس ملک کو عرصہ دراز سے روحانیت کا مرکز ہونے کا فخر حاصل ہے۔ سوسائٹی کے لیے ہندوستان سے بڑھکر کوئی دوسرا ایسا مقام ملنا مشکل تھا جہان نہ صرف روحانیت کا چرچا ہو بلکہ تمام دنیا کے ادیان وملل کے پیرو بھی موجود ہین سوسائٹی کا صدر مقام اڈیار جو مدراس مین واقع ہے قرار پایا۔

اس زمانہ سے سوسائٹی کو روز افزون ترقی ہوئی۔ ممبرون کی تعداد مین معتدبہ اضافہ ہوا دنیا کے مختلف حصون مین سوسائٹی کی شاخین قائم کی گئین اپنے حقیقی مقصد یعنی دہریت ومادیت کے عالمگیر اثرات کو مٹانے اور روحانیت ومذہب کی نشر واشاعت مین سوسائٹی تمام وکمال کامیاب ہوئی۔ خاص ہندوستان مین مذہبی بیداری پیدا کرنے مین جو حصہ اس سوسائٹی نے لیا ناظرین سے مخفی نہین۔

تھیوسوفیکل سوسائٹی کے صرف تین مقاصد ہین جو ۱۸۹۶ء مین مزید ترمیم وتنسیخ کے بعد مندرجہ ذیل الفاظ مین منضبط کئے گئے۔

(۱) ایک ایسا مرکز قائم کرنا جس کے ذریعہ جملہ بنی نوع انسان بلا لحاظ قوم۔ فرقہ مذہب۔ ذات پات رنگ وروپ اور جنس کے ایک دوسرے کے شریک حال ہوکر عالمگیر اخوت انسانی کے اصول پر عمل پیرا ہون۔

(۲) دنیا کے مذہب فلسفہ اور سائنس کا باہمی موازنہ کرنا اور ان کے مطالعہ کی ترغیب دینا۔

(۳) انسان کے باطنی قوا اور قدرت کے مخفی قوانین کی تحقیقات کرنا۔

یہی مقاصد اب تک سوسائٹی کے لیے شمع ہدایت بنے ہوئے ہین۔ ان مقاصد مین سے اخوت انسانی پر عمل پیرائی اور بنی نوع انسان کے ساتھ محبت وہمدردی۔ خلق اللہ کی بے غرضانہ خدمت پر زور دیا گیا ہے چنانچہ ان تین مقاصد مین سے پہلے ہی مقصد کا ماننا اور اسپر عمل کرنا سوسائٹی کی ممبری کے لیے ضروری اور کافی سمجھا گیا ہے۔ دوسرے اور تیسرے مقصد کی پیروی لازمی نہین رکھی گئی ہے۔ تیسرے مقصد پر زور نہ دینے کے یہ معنی نہ تھے کہ روحانیت اور علم باطن کی تحصیل غیر ضروری سمجھی گئی بلکہ غرض یہ تھی کہ علم باطن کے سچے متلاشی اور اسکی تحصیل کی شرائط پر عمل کرنے والے شائقین کی تعداد ہر زمانے مین بہت کم رہی ہے اگر تیسرے مقصد کی پابندی ممبرون پر لازمی رکھی جاتی تو ظاہر ہے کہ ممبرون کی تعداد بہت قلیل رہ جاتی اور اخوت انسانی کو عالمگیر بنانے کا حقیقی مقصد موقوف ہو جاتا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ علم باطن کی تحصیل

دنیا کے تمام علوم ظاہر کے مقابلہ مین نہایت دشوار گزار رہی ہے۔ جب تک مرشد کامل نہ ملے اور انسان دنیاوی خواہشات کو ترک نہ کرے۔ تزکیہ اخلاق و تزکیہ نفس مین ایک گونہ کامیابی حاصل نہ کرے اسوقت تک کوئی شخص منزل مقصود کو نہین پہنچ سکتا۔ پس اس سوسائٹی کے ممبرون سے ہمیشہ پہلے اور دوسرے مقصد کی پیروی ہی کی توقع کیجاتی ہے۔ فی الواقع ہر ایک ممبر پر پہلے مقصد کی پابندی لازم ہے ہر ایک شخص سے جو اس سوسائٹی مین شامل ہو امید کیجاتی ہے کہ وہ حتی الوسع بنی نوع انسان مین اخوت کے خیال کو وسعت دینے مین کوشش کرے۔ ہر ممبر کو اختیار ہے کہ وہ جس مناسب طریقہ سے چاہے اس اعلے انسانی معیار کی پابندی کرے اور دوسرون کو اس پر عمل کرنے کی ترغیب دے۔ سوسائٹی کے حلقۂ اثر کو محدود نہین رکھا گیا ہے۔ ہر شخص خواہ وہ مرد ہو یا عورت کسی مذہب یا ملت کا پیرو ہو لاادری ہو یا متشکک عقلیت کا دلدادہ ہو یا دہریہ ہو، اگر وہ اخوت انسانی کا دل سے معتقد ہے تو وہ سوسائٹی کا ممبر بن سکتا ہے۔ دوسرے مقصد کی اہمیت بھی کسی طرح کم نہین۔

اکثر ممبرون کو مختلف مذاہب سائنس و فلسفہ کے مطالعہ و موازنہ کا موقع خود نہین مل سکتا۔ مگر ہر شخص ان متلاشیان حق کی تحقیقات سے مستفیض ہو سکتا ہے۔ تھیوسوفیکل سوسائٹی کے چند عالم اور فاضل ممبرون نے اپنی ذاتی تحقیقات کے نتائج کتابون کی صورت مین شائع کر دیئے ہین جن لوگون کو خود براہ راست تحقیق و تدقیق کی فرصت نہین وہ انکو پڑھکر فائدہ اٹھا سکتے ہین۔ مذہبی یگانگت کے اصول کو مولانائے روم نے یون بیان فرمایا ہے۔

چون نظر بر روح افتد مرد را   پس یکے بیند خلیل و مصطفےٰ

چون نظر بر ظرف افتد روح را   پس دو بیند شیث را و نوح را

دنیا مین جسقدر شر و فساد، بغض عناد قومی و ملکی منافشات نظر آتے ہین وہ بسا اوقات مذہبی اختلافات پر مبنی ہوتے ہین اس کا سبب محض ایک دوسرے کے مذہب سے عدم واقفیت ہے اور یہی مذہبی تعصب کی جڑ ہے۔ جس کی وجہ سے بنی نوع انسان مین ہمدردانہ اور برادرانہ تعلقات قائم نہین رہ سکتے۔ مذاہب تمام اعتقاد رکھنے والے ایسے افراد جنہین سوسائٹی کے مقاصد سے ہمدردی ہو، چاہئے کہ اپنے مذہب کے علاوہ دوسرے مذاہب کا مطالعہ کرین۔ اسوقت ان پر یہ امر ظاہر ہو جائیگا کہ دوسرے مذاہب بھی قابل ادب و احترام ہین اور ان مین بھی وہی اخلاقی خوبیان پائی جاتی ہین جو خود ان کے مذہب مین موجود ہین۔

ہر مذہب کا حقیقی مقصد تزکیہ نفس وتزکیۂ اخلاق ہے۔ جس پر ہر مذہب مین زور دیا جاتا ہے اِس مختصر بیان سے ناظرین کو معلوم ہوگیا ہوگا کہ تھیوسوفیکل سوسائٹی کسی ایک خاص مذہب کی حمایت و ترویج نہین کرتی۔ اور نہ یہ کوئی نیا فرقہ یا مذہب ہے۔ بلکہ معرفت الٰہی کی خواہ وہ کسی مذہب مین ہو یا کسی فلسفہ سے اسکی تائید ہوتی ہو۔ حمایت واشاعت کرنا اپنا فرض سمجھتی ہے۔

سوسائٹی مین شریک ہونے سے کسی کے مذہب یا اعتقاد مین فرق نہین آتا چونکہ سوسائٹی دنیا کے تمام مذاہب کو وقعت و احترام کی نظر سے دیکھتی ہے۔ اسلیئے وہ کسی شخص کو اپنا مذہب ترک کر دینے یا دوسرا مذہب اختیار کرلینے کی ترغیب نہین دیتی۔

جن امر کی سوسائٹی ہر ممبر سے توقع رکھتی ہے اور جس کی عملی پیروی ممبری کے لیے لازمی سمجھتی ہے وہ اخوت انسانی کا ماننا ہے۔ اسلیئے ہر ممبر کا فرض ہے کہ وہ اپنے مذہب کی پیروی و تعظیم کرتے ہوئے دوسرے کے عقائد اور مذہبی روایات کا ویسا ہی احترام کرے جیسے اپنے مذہب کی۔ ساتھ ہی اسکا فرض ہو کہ وہ ناروا داری اور تعصب سے قطعاً پرہیز کرے۔

المختصر یہ سوسائٹی ان طالبعلمون کی جماعت ہے جو مذہب و سائنس اور فلسفہ کا موازنہ کرکے مطالعہ کرتے ہین۔ اور ان کو اس امر کا یقین کلّی ہوتا ہے کہ انسان کا علم محدود و ناکمل ہے اس لیے اسے چاہئے کہ بہ حیثیت حقیقت کے سچے طالب ہونے کے جہان کہین کوئی سچائی ملے اسکو حاصل کرے اور اسطرح سے روحانی اور علمی تشنگی کو رفع کرے۔

سیّد محمد حفیظ

رسید کتب

کلیات ریش۔ مجموعۂ کلام منشی سکھدیال ہسکینہ ریش ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی سشن جج ریاست دہار۔ مرتبہ منشی جے دیال بی۔ اے مطبوعہ حمیدیہ آرٹ پریس بھوپال۔

دیوان شیدا۔ مسیح الملک حکیم حافظ محمد اجمل خان صاحب کے فارسی اور اُردو کلام کا مجموعہ۔ مطبوعہ مطبع شرکت کاویانی جرمن۔ ملنے کا پتہ جامعہ ملیہ دہلی۔

فلاسفہ قدیم کے سات فرقے

فلسفہ یا فیلاسفی یونانی اصطلاح ہے - اور دو لفظون سے مرکب ہے - فیلا جسکے معنے شوق یا محبت اور سوفا جس کے معنی دانش یا حکمت کے ہین اس بنا پر فلسفہ کے معنی "حکمت کی محبت" ہوئے اور یہی افلاطون کی تحریرون سے مستنبط ہوتا ہے - چنانچہ اُس نے فلاسفہ کی تعریف مین لکھا ہے کہ[1]

"جو ظاہر بینون کے مقابلہ مین چیزون کی ماہیت اور حقیقت دریافت کرتے"

اور

"واقعی چیزون کو محبوب رکھتے ہین"

اِس قسم کے لوگ اگرچہ یونان مین نہایت کثرت سے پیدا ہوئے لیکن ان مین جو زیادہ مشہور ہین اور اساطین حکمت کہلاتے ہین - وہ صرف سات ہین - اور ان کو ابو نصر فارابی نے "فیما ینبغی ان یعلم قبل تعلم الفلسفہ" مین نہایت تفصیل سے بیان کیا ہے، اور اگرچہ وزیر جمال الدین قفطی کے انبذقلیس اور افلاطون وغیرہ کے حالات مین ایسے حکما کی تعداد پانچ تک محدود کر دی ہے، تاہم دوسرے مقامات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی سات فرقون کے وجود کو تسلیم کرتے ہین - چنانچہ اُنھون نے ارسطیفن[2] کے تذکرہ مین لکھا ہے[3]

وکانت فرقة من الفرق السبع التي ذکرناها ہم فی ترجمة افلاطون -	اور یہ کا فرقہ اُن سات فرقون مین سے تھا جن کا ذکر ہم افلاطون کے حالات مین کر آئے ہین

بہر حال وہ سات اشخاص یا ان کے سات فرقے حسب ذیل ہین -

(۱) فیرّون PYRRHON.

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا صفحہ ۴۴۰ ج ۲۱ بحوالہ REP 485 - [2] ارسطیفن صحیح بلکہ ارسطیفوس صحیح ہے - [3] اخبار الحکما صفحہ ۵۱

یہ حضرت مسیحؑ سے ایک ہزار سال پہلے گزرا ہے، اسکا فلسفہ سب سے پرانا ہے، اور طالیس فیثاغورث اور مصر و یونان کے اکثر فلاسفہ اسکے متبع ہین اسکا مذہب یہ ہے۔

"فلسفہ حاصل کرنے کی غرض لذت نفس ہے، کیونکہ نفس ناطقہ، عالم ملکوت سے اسی غرض کے لیے اس عالم مین آیا ہے، اور وہ جسم انسانی کے ذریعہ سے اپنے حقیقی معشوق (علم) تک پہنچنا چاہتا ہے۔ تاکہ جسم چھوڑنے کے بعد بھی وہ اس لذت سے متمتع ہو سکے"

فلسفہ تشکک SCEPTICISME بھی اُسی کے دماغ کا نتیجہ ہے۔ جس کی بدولت وہ بہت بدنام ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اُسکے معنی لوگون نے غلط سمجھے ہین۔ وہ حقیقت کے وجود کا منکر نہین ہے۔ بلکہ یہ کہتا ہے کہ چونکہ تمام فلاسفہ کے نظریات حقیقت سے خالی اور بیکار ہین۔ اسلیے سب کو چھوڑ کر شک کے طریقہ کو اختیار کرنا چاہیے۔ کیونکہ اسی مین قلب کو راحت اور تسکین حاصل ہوتی ہے۔ اس بنا پر وہ محسوسات کو تسلیم کرتا۔ اور غیر محسوس چیزون کے متعلق شک ظاہر کرتا ہے[1]، اس سے لوگون نے یہ سمجھ لیا کہ اُس کے نزدیک عالم تمام حلقہ دام خیال ہے! اور اس لیے وہ سوفسطائی ہے۔

تعجب پر تعجب یہ ہے کہ موجودہ دور علمی کے بعض فرزند بھی اس معاملہ مین قدما کے ہمنوا ہین۔ چنانچہ پادری لوئیس شیخو نے P. LOUIS CHEIKHO S. J. طبقات الامم کے حاشیہ پر یہی خیال ظاہر کیا ہے۔ حالانکہ یہ انکی شان علم سے بہت فرو تر ہے۔

فیرون کا فرقہ اصحاب اللذۃ کے نام سے مشہور ہے، اور قدیم زمانہ مین وہ ہر جگہ موجود تھا لیکن جب سقراطیس نے اپنا ادبی (عملی) فلسفہ ظاہر کیا تو تمام لوگ فیرون کو چھوڑ کر اسکی طرف جھک پڑے[2]۔

(۲) کرسفس CHRYSIPE

اسکا مذہب بھی نہایت قدیم ہے۔ لیکن اسکے متعلق ہمکو کوئی اطلاع نہین، اسکا فرقہ اصحاب المظلۃ کہلاتا ہے[3]۔

---

[1] کنز العلوم صفحہ ۱۴۲، [2] مختصر الدول صفحہ ۷۷ و ۷۸، والفلسفۃ العربیۃ صفحہ ۳۶،
[3] طبقات الامم صفحہ ۲۰۔

(۳) ارسطیفوس ARISTIPPE.

اسکے پیرو قورَی کہلاتے ہین ، اور اسکا فلسفہ نہایت قدیم ہے ، لیکن جب مشائیون کا فلسفہ رائج ہوا تو اسکا زور گھٹ گیا - اور آج ہمکو اُسکے خیالات کا مطلق علم نہین ہے[1]

(۴) فیثاغورس

اس کا بھی ایک مستقل فرقہ ہے ، اور چونکہ اس کے تین سو شاگرد تھے - اس لیے اس کے فلسفہ کی اشاعت بہت ہوئی[2] فیثاغورس کو فلاسفۂ قدیم مین یہ امتیاز حاصل ہے کہ اُسکے فلسفہ نے علم و فن کا قالب اختیار کر لیا تھا - چنانچہ وہ خود اتنا بڑا ریاضی دان تھا کہ آج اس فن کے تمام اصول اُسی کیطرف منسوب کیے جاتے ہین[3]

(۵) انتیثنوس

دیوجنس اسی کا شاگرد تھا - اسکا فرقہ کلبی کہلاتا ہے - اس فرقہ نے سوسائٹی کے تمام قیود سے اپنے کو آزاد کر لیا تھا - چنانچہ کلبی صرف اپنے اعزہ و اقارب سے محبت کرتے اور ساری دنیا سے بغض رکھتے تھے - راستہ مین زنا کرتے ، اور بے حجابانہ بول و براز کے لیے بیٹھ جاتے تھے - اور چونکہ یہ کتّون کی عادت ہوتی ہے اسلیے دنیا نے ان انسانون کو بھی کتّے کا لقب دیدیا - چنانچہ ایک مرتبہ کسی نے دیوجنس سے پوچھا کہ تم کلبی کیون مشہور ہوئے ؟ تو بولا ، " اسلیے کہ جو مجکو دیتا ہے ، اُسکی خوشامد کرتا ہون - جو نہین دیتا اس پر غرّاتا ہون - اور جو ایذا پہونچاتا ہے اُسکو کاٹ کھاتا ہون "

دیوجانس کا خیال ہے کہ دنیا کی ہر چیز مین تمام انسان برابر کے شریک ہین - اس بنا پر اگر کوئی شخص ضرورت کے وقت دوسرے کی چیز کو کام مین لاتا ہے تو کوئی حرج نہین - اسی بنا پر وہ فحاشی کو جائز رکھتا ، اور حیاء کو نفس کی کمزوری خیال کرتا ہے[4]

(۶) اپیکورس

اسکے پیرو مالشین کہلاتے ہین ، اور موجودہ زمانہ کے مذہب حسّی POSITIVISME . کی بنیاد اسی کے مذہب پر قائم ہے ، وہ صرف محسوس چیزون کو مانتا ، اور غیر محسوس کو ناقابل اعتماد

---

[1] اخبار الحکما صفحہ ۱۵ ، [2] الفلسفۃ العربیۃ صفحہ ۳۲ ، [3] کنز العلوم صفحہ ۲۳ ، [4] الفلسفۃ العربیۃ صفحہ ۳۴ و ۳۵ -

سمجھاہے۔ کیونکہ انسان کے علم وادراک کا اصلی سرچشمہ "شعور" ہے، اور لذت، راحت، اور رنج وغم مختلف کیفیتین ہین جو مختلف حالات کے لحاظ سے اُس پر طاری ہوتی رہتی ہین۔ اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ شعور غیر محسوس چیزون کے ساتھ قائم نہین ہوسکتا۔

اپیکورس نے نفس انسانی کے متعلق چار اُصول قائم کئے ہین۔ جو بالکل نیچرل ہین۔ اور وہ یہ ہین:

(۱) انسان کو ایسی لذت تلاش کرنا چاہیے جس کے بعد کوئی غم نہ ہو؛

(۲) اُس رنج سے دور رہنا چاہیے جس سے کوئی لذت نہ حاصل ہو؛

(۳) اُس لذت سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ جو کسی بڑی لذت سے محروم کرے۔ یا کسی بڑے رنج مین پھنسا دے؛

(۴) اُس غم کو برداشت کرنا چاہیئے۔ جس کی بدولت کسی بڑے غم سے نجات ملے۔ یا کوئی بڑی لذت حاصل ہو؛

ان اُصول کے بنا پر لوگ ان کو خواہشاتِ نفسانی کا بندہ کہتے۔ اور اُسپر طرح طرح کے آوازے کستے ہین۔ حالانکہ وہ ان اتہامات سے بالکل بری ہے۔ کیونکہ اُسکے چارون اُصول مین "اعتدال" پایا جاتا ہے۔ اعتدال کے ساتھ اُسنے تین اُصول کی اور بھی تعلیم دی۔ اور اُن پر عمل کرنے کی وصیت کی ہے: جو یہ ہین۔ تبصر، حزم، اور عدل[۱]

(۷) ارسطو طالیس

اس کے پیرو مشائین کہلاتے ہین۔ اُسکے فلسفہ کی بنیاد مشاہدات اور محسوسات پر قائم ہے؛ حالانکہ اُسکے اُستاد (افلاطون) کا فلسفہ تمامتر تصورات وخیالات کا مجموعہ تھا، اسی بنا پر اوستاد اور شاگرد مین ہمیشہ جنگ رہتی ہے۔ اور ارسطو فلسفۂ افلاطون کی تردید کو اپنا فرض سمجھتا ہے؛

ان سات حکما کے علاوہ یونان مین اور حکما بھی تھے؛ جن کے فلسفہ مین خاص خیالات تھے، مثلاً طیطیا نوس نکاح کو زنا اور شر کہتا اور کھانے پینے، اور نکاح کرنے کا لطف عاقبت پر اُٹھا رکھتا تھا۔[۲]

---

[۱] کنز العلوم صفحہ ۲۰ و ۲۱ - [۲] مختصر الدول صفحہ ۱۲۲؛

ارقلیطوس کا بھی ایک فلسفہ تھا۔ جسکو افلاطون نے اُسکے مقلدین سے سیکھا تھا۔ اور جو آج بالکل ناپید ہے[1]۔ افلاطون کا الگ فلسفہ تھا۔ جس کی نبیاد تصورات اور اوہام پر تھی[2]، فلسفہ مدنیہ کا ایک جدا اسکول تھا۔ جس کے سقراط، افلاطون اور ارسطو قائل تھے۔ چنانچہ ارسطو نے کتاب الحیوان مین لکھا ہے[3]۔ کہ "سو برس (سقراط کے زمانہ) سے لوگ فلسفۂ طبیعیہ سے فلسفۂ مدنیہ کیطرف مائل ہوگئے ہین"۔

سوفسطائیون کا ایک الگ گروہ تھا۔ جو حقیقت اشیاء کا انکار کرتا تھا[4]۔

سعید انصاری

رسید کتب

جاپان اور اسکا تعلیمی نظم و نسق - مولفہ سید راس مسعود۔ بی۔ اے - ترجمہ محمد عنایت اللہ بی۔ اے۔ پتہ دفتر انجمن ترقی اُردو۔ اورنگ آباد۔

مجموعہ قصائد مومن مرتبہ ضیاء احمد (ایم۔ اے) بدایونی - مطبوعہ الناظر پریس لکھنو

ہسٹری آف اُردو لٹریچر (انگریزی) مصنفہ مسٹر رام بابو سکسینہ ایم۔ اے ایل۔ ایل۔ بی۔ ڈپٹی کلکٹر۔ مطبوعہ نیشنل پریس الہ آباد قیمت صہ/

حسرت دل - مصنفہ منشی ولایت علیخان صاحب ولایت صفی پوری۔ مطبوعہ قیومی پریس کانپور

دیوان ولایت - مصنفہ منشی ولایت علیخان صاحب ولایت مطبوعہ ابو العلائی اسٹیم پریس آگرہ۔

دیوان عزیز - مصنفہ جناب محمد عزیز اللہ صاحب عزیز معروف بہ منشی ولایت علیخان صاحب ولایت مطبوعہ ابوالعلائی پریس آگرہ۔

شرح شادمانی (جلد دوم) بر قصائد حسان العجم خاقانی از علامہ شادمان پروفیسر مطبوعہ آگرہ اخبار۔

---

[1] اخبار الحکماء صفحہ ۱۶، [2] کنز العلوم صفحہ ۴۴، [3] طبقات الامم صفحہ ۲۹،
[4] الفلسفۃ العربیۃ صفحہ ۱۸،

منشی متن لعل صاحب الہ آبادی

زبان فارسی کے درس و تدریس کے لیے قوم کایستھہ مشہور ہے۔ کایستھ حضرات نے فارسی زبان کی خوب پرستش کی اور ان کے کلام بھی اکثر مقبول ہوئے۔ منجملہ ان بزرگان قوم کے ایک صاحب منشی متن لعل تھے جن کے ذاتی یا تاریخی حالات سے مین بالکل ناواقف ہون۔ حال مین جب مکان پر مین بنارس گیا تو جناب والد صاحب کی قلمی نسخون کی لائبریری مین سے میری نظر ایک قلمی نسخہ پر پڑی جسکا نام کاستی استت ہے جو منشی صاحب ممدوح کے فکر کا نتیجہ ہے۔ کتاب قدرے کرم خوردہ ہے گو نہایت خوشخط حرفون مین لکھی گئی ہے جسکا حجم تقریبًا سوا سو صفحہ کے ہے۔ کتاب کے آخر مین حسب ذیل اندراجات ہین۔

”تمت۔ تمام شد مثنوی تعریف بنارس تصنیف لالہ متن لعل صاحب الہ آبادی تخلص (بوجہ کرم خوردہ ہونے کے پڑھا نہین جاتا) بخط احقر العباد منو لال بتاریخ (کرم خوردہ ہے پڑھنا ممکن نہین) ۱۲۲۳ فصلی بمقام بنارس تحریر یافت)

اس سے ظاہر ہے کہ مثنوی کو تصنیف ہوئے سو برس سے زائد ہوئے اب مین ناظرین کی توجہ چند اشعار کی طرف مبذول کرتا ہون جس سے مصنف کی ذہانت و قابلیت کا پتہ لگتا ہے۔

حمد کے اشعار نہایت زوردار و اعلےٰ پایہ کے ہین۔ فلسفہ و ویدانت کو کس خوبی سے ادا کیا ہے۔ مرحبا۔

حمد بتِ بتکدۂ لامکان — آنکہ نبود ازہمہ نام و نشان

بانگِ نخستِ جرس آن مقام — کن فیکن پردہ کش خاص و عام

فرشِ زمین طالبِ پابوسیش — عرش برین راہب ناقوسیش

برہمن عشق پرستار او — کون و مکان حلقۂ زنار او

قشقہ بروش خط لوح قدیم　　بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

معبود حقیقی کی تعریف کن چیدہ الفاظ مین کی ہے اور کس خوبی سے اپنے اشٹ دیوتا مہادیو و رام کا نام لیا ہے قابل تحسین و آفرین ہے۔

بنام آنکہ نام اوست ہر نام　　بفرمانش زمین و آسمان رام

بت پرستی کے متعلق چند اشعار نہایت معنی خیز ہین۔ مثلاً

اگر بت خانہ در بیت الحرام ست　　نشانے ہر یکے از بہر نام ست

بہنگامے کہ ہستی در عدم بود　　صنم بود و صنم بود و صنم بود

چو آمد آن صنم بر خود پرستی　　بخود انداخت طرح دیر ہستی

بنارس یا کاشی کے تعریف مین کیا خوب فرماتے ہین۔ چند اشعار تمثیلاً عرض ہین۔

ہنگامے کہ معماران تقدیر　　زدند از دیر امکان نقش تعمیر

شرف تا بر دہد افلاکیان را　　نجاتے تا بہ بخشد خاکیان را

بنا کردند کاشی نام کردند　　عبادت گاہ خاص و عام کردند

بدیدارش دو عالم جلوہ مشتاق　　سوادش طوطیائے چشم آفاق

ملاحت خاصۂ این سر زمین ست　　کہ این روئے زمین حسن آفرین ست

ملاحت تا بجاک او بود راہ　　بر آمد آب شور آنجا ز ہر چاہ

آخری مصرعہ مین واقعہ کا بیان ہے۔ بنارس مین خصوصاً شہر مین جو کنوئین ہین ان کا پانی ابتک عموماً شیرین نہین ہے۔ ہندو سناتن دھرمی کا یہ خیال ہے کہ کاشی مین وفات پانے کے معنی موکش ہے یعنی بعد از ان روح آواگون کے جھگڑون سے نجات پا جاتی ہے۔ منشی صاحب نے اس مذہبی خیال کو کیا خوب نظم فرمایا ہے۔

کہ رخت خویش تا اینجا کشیدن　　بود بے شبہ در جنت رسیدن

کہ راہ یک قدم تا لامکان ست　　ہمین دیوار ہستی درمیان ست

چو از زندان سرائے کہن بگذشت　　ز راہ و رسم آواگون بگذشت

نہ بیند ز آمد و شد دیگر آلام　　ز آشوب تناسخ یافت آرام

بنارس تنگ گلیون کے لیے مشہور ہے۔ شاعر نے کس خوبی و کمال کے ساتھ حالات کوچہ ہاے بنارس نظم کیا ہے۔ چند اشعار بطور نمونہ ہدیۂ ناظرین ہین۔

بود از گذشتن آسان گذشتن	دے زکوچہ اش نتوان گذشتن
براے سالکان در دیر دنیا	نشانست از رہ باریک عقبے
زہر ادل تن خود آشنا کن	پس انگہ رو بسوے آن کوچہا کن
سبک در دیر بگذر زین رہ تنگ	چو سوے دل تراہ گوش آہنگ
نیاز عاشقان نازد در ان کو	زند با حسن خوبان عشق پہلو
دل از شادی در آن کوچہاے کو بان	کہ بے منت شود ہمدوش خوبان
خدا داد است وصل بے عزیمت	تماشا منت و ہمدوشی غنیمت

بنارس کے باشندون و دوکاندارون کے متعلق متعدد اشعار ہین۔ مندر برہمنون اور سادھوؤن کی صفت دلپسند اشعار مین کی گئی ہے شروع سے آخر تک مثنوی نہایت دلفریب ہے۔ مصنف کی علمی دسترس کی شاہد ہے۔

اگر کوئی صاحب منشی صاحب ممدوح کے کلام یا ذاتی حالات کے بابت ارقام فرمائینگے تو عین نوازش ہوگی۔ اگر کرم خوردہ الفاظ کی کمی پوری ہوگئی تو میری نیت منشی صاحب کی مثنوی شایع کرانے کا ہے۔

گجادھر پرشاد ایم۔ اے
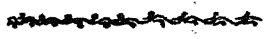
رسید کتب

تاریخ فلسفہ اسلام۔ مترجمہ ڈاکٹر سید عابد حسین۔ ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ ڈی برلن مطبوعہ جامعہ ملیہ پریس۔

مبادی معاشیات:۔ مترجمہ ذاکر حسین خانصاحب بی۔ اے۔ مطبوعہ مطبع جامعہ ملیہ علیگڈہ

دیوان غالب:۔ کلام حضرت غالب مرحوم۔ مطبوعہ مطبع شرکت کاویانی برلن۔

ملنے کا پتہ۔ جامعہ ملیہ دہلی۔

سر گنگا رام مرحوم

کے

چند حالات

(از مولوی محبوب عالم صاحب ایڈیٹر پیسہ اخبار لاہور)

آپ نے ماہ ستمبر گذشتہ کے زمانہ مین پنجاب کے اس نامور سپوت کے حالات شایع کئے ہین۔ اگر اُن پر مندرجہ ذیل اور چند باتون کا اضافہ کیا جائے تو ناظرین دلچسپی سے پڑھینگے اور مرحوم نائٹ کی زندگی کا زیادہ سبق آموز حصہ نمایان ہو جائیگا۔

معلوم ہوا ہے کہ آپ کے والد صاحب لالہ دولت رام اُن دنون گوجرانوالہ مین سب انسپکٹر پولیس تھے اور انگریز ڈپٹی کمشنر اُن کا مہربان تھا۔ اور وہین کوئی شخص اُن کا دشمن بھی تھا۔ اُس نے لالہ دولت رام کو دھمکی دی کہ یہ ڈپٹی کمشنر تو اب رخصت ہوتا ہے مین تم سے سمجھ لونگا۔ یہ "چھٹی" پہلے ہی لے چکے تھے چنانچہ اُسی روز کچھ رات باقی رہی گوجرانوالہ سے اپنی بیبی سمیت روانہ ہو گئے جو حاملہ تھین۔ بی بی نے کہا کہ اب میرے لیے گھوڑے پر بیٹھنا ناممکن ہو گیا ہے۔ اتنے مین یہ منگت والہ ضلع شیخوپورہ تک پہونچ چکے تھے۔ یہین کے ایک دھرم سالہ مین پناہ لی جس مین صرف ایک ہی کمرہ تھا اور وہین ایسی بے بسی کی حالت مین یہ خوش نصیب بچہ پیدا ہوا جو بعد مین سر گنگا رام کے نام سے مشہور ہوا۔ اور جس نے پنجاب مین اس قدر دولت کمائی اور اُسے رفاہ عام کے کامون مین خرچ کیا کہ آجتک کسی دوسرے ہندوستانی نے یہان ایسا عالیشان کام نہین کیا تھا۔

بعد مین جب سر گنگا رام نے بہت سی دولت کمائی اور کئی رفاہ عام کے کام کیے تو منگت والہ یا مانگٹانوالہ کی اس پورانی دھرم سالہ کی پورانی اور چھوٹی سی عمارت گرا کر اُسے عالیشان بنا دیا گیا۔ اور شاید لاکھ روپیہ یا اس سے بھی زیادہ کی جائداد زرعی خرید کر

اس کے نام رفاہ عام کے لیے وقت کر دیگئی

جب نوجوان گنگا رام نے ہائی اسکول سے انٹرنس کا امتحان پاس کیا تو اس وقت اُن کے والد عدالت مین سر رشتہ دار تھے اور پچاس روپیہ ماہوار اُن کی تنخواہ تھی۔ والد کی خواہش تھی کہ گنگا رام بھی نوکری کرلے تو اُسے پچاس روپیہ ماہوار ملجائینگے ان کی والدہ نے ایک روز اپنے ہونہار فرزند سے کہا کہ بیٹا اب تمنے انٹرنس کا امتحان پاس کرلیا ہے۔ تیرا باپ کہتا ہے کہ تمھین پچاس روپیہ کی نوکری مل سکتی ہے۔ تم کیون نہین کرلیتے۔ اس طرح تم دونون باپ بیٹون کی تنخواہ ملکر سو روپیہ گھر آجایا کریگا جب بیٹے نے اُسوقت پچاس کی نوکری منظور کرنے سے انکار کیا اور کہا کہ یہ تنخواہ تھوڑی ہے تو ماں نے کہا کہ کیا اور تمھین کوئی سو روپیہ ماہوار دیدیگا؟ مگر اس بیچاری کو کیا معلوم تھا کہ میرے اسی بیٹے کی آخری عمر مین اسکی آمدنی کا بجٹ لاکھ روپیہ ماہوار کا بنا کریگا یعنی بارہ لاکھ روپیہ سال کا۔ کیونکہ معلوم ہوا ہے کہ ایک دو سال پیشتر اُن کی آمدنی کی نوبت یہانتک پہونچ چکی تھی۔

جب سر گنگا رام کو عہدہ اگزکٹو انجنیر سے گورنمنٹ نے پنشن دیدی تو اُس وقت اُنکی مالی حالت ایسی ہی تھی جیسی کہ اور اگزکٹو انجنیرون کی ہوتی ہے اور اسی لئے اوُنھون نے ریاست پٹیالہ کی ملازمت منظور کرلی۔ اگر اس وقت اُنھین بڑے پیمانہ پر زراعت کرکے اُس سے حیرتناک کامیابی حاصل کرنیکے امکانات معلوم ہوتے تو وہ ہرگز ایک دیسی ریاست کی ملازمت نہ منظور کرتے کہ جہان طرح طرح کی سازشین او جھگڑے برپا ہوتے رہتے ہین اور جن باتون سے گھبرا کر اُنھون نے آخرکار یہ ملازمت ترک کردی تھی۔

زمانہ اگزکٹو انجنیری مین جبکہ لاہور کی بڑی بڑی عمارات مثل عجائب گاہ اور ہائیکورٹ کی تعمیر مین اُنھین بڑی کامیابی ہوئی۔ تو ان کی شہرت پنجاب کی حدود سے آگے بڑھ گئی تھی۔ کیونکہ جبکہ لارڈ کرزن نے اپنا مشہور دربار دہلی منعقد کیا تو سر گنگا رام کو ہی دربار کے ایمفی تھیئٹر کی تعمیر کے لیے مامور کیا تھا۔ جس کو اوُنھون نے نہایت کامیابی سے ختم کیا اور اسکے صلہ مین گورنمنٹ نے انھین بیس مربع اراضی عطا کی۔

اس اراضی کی کاشت اور انتظام کے بعد اُن کی آنکھیں کھلیں اور اُنھون نے گورنمنٹ سے ایک اور قطعہ اراضی (غالباً پچاس مربع) جسپر پانی نہین چڑھتا تھا بہت کم قیمت پر خرید لیا۔ اب سر گنگا رام زراعت کے امکانات سے بخوبی واقف ہو گئے تھے۔ پنجاب مین گورنمنٹ نے کئی سو مربع اراضی بعد جنگ سپاہیون اور افسرون کی خدمات کے صلہ مین انھین دینے کے لیے مخصوص کر لی تھی۔ لیکن اسپر نہر کا پانی نہین چڑھتا تھا۔ کیونکہ یہ بلندی پر واقع تھی۔ اور سرکاری انجنیرون نے اس زمین سیراب کرنے کے لیے شاید پندرہ لاکھ روپیہ کا خرچ تجویز کیا تھا۔ جب سر گنگا رام کو یہ اسکیم معلوم ہوئی تو انھون نے چیف انجنیر کی معرفت گورنمنٹ مین درخواست دیدی کہ اگر انھین تین سال کے لیے یہ اراضی عارضی کاشت کے لیے دیدیجائے تو وہ اپنے خرچ سے اُسکی آبپاشی کا انتظام کر دینگے۔ اور تین سال کے بعد اس مشینری اور پلون وغیرہ سمیت جو اس مین نصب اور تعمیر کرینگے گورنمنٹ کو واپس دیدینگے۔ گورنمنٹ نے تو خوشی سے اس تجویز کو منظور کر لیا۔ مگر سُنا ہے ان کے کسی انجنیر دوست نے انھین متنبہ کر دیا کہ تم نہایت خطرناک تجربہ کرنے لگے ہو۔ کہین ایسا نہو کہ آجتک جو کمایا ہے وہ سب اس مین کھو دو۔ لیکن یہ ارادہ کے بڑے پکے تھے۔ جو دنیا مین کامیابی کے لیے ایک ضروری وصف ہوتا ہے چنانچہ جب یہ ٹھیکہ انھین مل گیا تو انھون نے بہت سی دمپنگ مشنری لگا کر نہر کا پانی بلندی پر چڑھا کر تمام رقبہ کو سیراب کر دیا۔ اور سنا گیا ہے کہ پینتیس لاکھ روپیہ اس ایک سودا مین کمائے۔

دو سال پیشتر جب سر گنگا رام اپنے اس انجنیرنگ کامیابی کو دکھلانے کے لیے سر میلکم ہیلی صاحب گورنر پنجاب اور لاہور کے بہت سے روسا کو سپیشل ٹرین پر لیگئے تھے۔ تو جو تقریر اس موقع پر انھون نے کی تھی اس مین یہ دلچسپ واقعہ بھی بتلایا تھا کہ کس طرح مجھے نصب کرنے کے لیے مشنری اتنی جلدی اور اتنی سستی مل گئی۔ انھون نے کہا کہ مین بمبئی کسی کام کے لیے گیا تھا وہان مین نے سمندر کے کنارے پر بہت سی پرانی مشنری اور زنگ آلود انجنون کے ڈھیر پڑے ہوئے دیکھے۔ مین نے اپنے مستری کو بھیجا کر دیکھ آئے کہ اس مین کیا کیا چیزین ہین اور کیسی حالت مین ہین اور جب پنجاب گورنمنٹ نے یہ کئی سو مربع عارضی کاشت کے لیے انھین تین سال کے لیے دیدیا تو سر گنگا رام نے تیس پینتیس ہزار روپیہ کو یہ تمام مشنری بمبئی سے خرید کر بعد مرمت اپنی اراضی کے آبپاشی کے لیے لگا دی۔ جو اگر نئی خریدی جاتی تو بہت بڑی رقم خرچ کرنا پڑتی۔ اس طرح انھون

نے صدہا مربع اراضی گورنمنٹ سے عارضی کاشت کے لیے لیکر اُن سے لاکھون روپے کمائے۔

اور سب سے نرالی بات یہ کی کہ جہان لاکھون روپے کمائے بلکہ کہا جاتا ہے کہ ان کا انتقال کے وقت ان کی جائداد کی قیمت کا اندازہ اڑھائی کروڑ روپیہ تھا۔ وہان چالیس لاکھ روپیہ کا ہندو قوم کی بہتری کے لیے ایک عظیم ٹرسٹ قایم کردیا۔ اور اپنی وصیت مین اور دس بارہ لاکھ اس ٹرسٹ کی مزید تقویت کے لیے چھوڑ دیے۔ آپ کا آخری رفاہ عام کا کام ہندو اپاہج خانہ تھا۔ سوائے گنگا رام ہسپتال کے کہ جس مین مسلمان بھی علاج کے لیے داخل ہو سکتے ہین اور ہوتے ہین۔ اپنی باقی تمام خیرات انھون نے ہندو قوم کے لیے مخصوص کردی تھی۔ سر گنگا رام جب اتنے دولتمند نہین تھے اسوقت بھی محتاجون کو کمبل رضائیان تقسیم کرتے تھے اور جب دولتمند ہوکر انھون نے بڑی مردانگی سے اپنی کمائی کا بڑا حصہ اپنی قوم کے حاجتمندون کی امداد کیلیے وقف کردیا سر میلکم ہیلی صاحب گورنر پنجاب نے آپ کی تعریف مین سچ کہا تھا کہ سر گنگا رام ایک ہندو بہادر کی طرح دولت کماتے ہین اور ایک سینٹ سنت کی طرح خدا کے بندون کی بہتری کے لیے بانٹ دیتے ہین۔
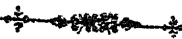
محبوب عالم

کیا آواز چھوئی جاسکتی ہے؟ ظاہر ہے کہ جواب نفی مین ملے گا۔ لیکن کیون؟ سامعہ بھی آخر ایک حاسہ ہے جیسے شامہ ذائقہ بُو اور مزہ کا اثر ہماری ناک اور زبان کی جلد پر ہوتا ہے ویسے ہی آواز کا اثر کان کی جلد پر نہین محسوس ہوتا۔ اسکا سبب یہ ہے کہ تقریباً تمام آوازین ہوا کا اتنا از تموج ہوتی ہین کہ ہمارا حاسہ لامسہ اسکے اثر سے معذور ہے۔ بعض لوگ جنکا دماغ صحیح حالت مین نہین رہتا انکے تمام حواس یا بعض اس درجہ ذکی الحس ہوجاتے ہین کہ ان سے عجیب و غریب افعال سرزد ہوسکتے ہین جو ہمارے قیاس مین بھی نہین آسکتے ایسے فاتر العقل لوگ بعض قسم کی آواز کا احساس اپنی جلد پر کرسکتے ہین یعنی آواز جو تموج ہوا مین پیدا کرتی ہے اسکا اثر انکو جسم پر معلوم ہوتا ہے معمولی آدمی بھی نہایت باریک آواز کو اپنے جسم سے محسوس کرسکتے ہین باریک سے باریک ممکن السماعت آواز وہ ہوتی ہے جو ایک سکنڈ مین چودہ لہرین ہوا مین پیدا کرتی ہے اگر [illegible] ممکن العمل رہے تو ہر صحیح السماعت انسان اس کو

آٹھوان سین

(وقت آٹھ بجے رات - حسینؑ ایک کرسی پر میدان مین بیٹھے ہوئے ہین ان کے دوست اور عزیز سب فرش پر بیٹھے ہوئے ہین۔ شمع جل رہی ہے)

حسینؑ - شکر ہے خدائے پاک کا جس نے ہمین ایمان کی روشنی عطا کی - تاکہ ہم نیکی کو قبول کرین اور بدی سے بچین۔ میرے سامنے اسوقت میرے بیٹے اور بھتیجے بھائی اور بھانجے - دوست اور رفیق سب جمع ہین۔ مین سب کے لیے خدا سے دعا کرتا ہون۔ مجھے اسکا فخر ہے کہ اس نے مجھے ایسے سعادت مند عزیز اور ایسے جان نثار دوست عطا کئے۔ آپ نے اپنی دوستی کا حق پوری طرح ادا کر دیا۔ آپ نے ثابت کر دیا کہ حق کے سامنے آپ جان اور مال کی کوئی حقیقت نہین سمجھتے۔ اسلام کی تاریخ مین آپ کا نام ہمیشہ روشن رہیگا میرا دل اس خیال سے پاش پاش ہوا جاتا ہے کہ کل میرے باعث وہ لوگ جنہین زندہ رہنا چاہیے - جنکا حق ہے زندہ رہنا - جن کو ابھی زندگی مین بہت کچھ کرنا باقی ہے - شہید ہو جائین گے۔ مجھے بھی خوشی ہوگی اگر تم لوگ میرے دلکا یہ بوجھ ہلکا کر دو گے۔ مین بڑی خوشی سے ہر ایک کو اجازت دیتا ہون کہ جسکا جہان جی چاہے چلا جائے۔ میرا کسی پہ کوئی حق نہین ہے - مین تم سے التماس کرتا ہون۔ اسے قبول کرو۔ تم سے کسی کی دشمنی نہین ہوئی ہے۔ جہان جاؤ گے لوگ تمہاری عزت کرینگے۔ تم زندہ شہید ہو جاؤ گے۔ جو مر کر شہادت کا درجہ پانے سے کم عزت کی بات نہین۔ دشمن کو صرف میرے خون کی پیاس ہے۔ مین ہی اس کے راستہ کا پتھر ہون اگر حق اور انصاف کو صرف میرے خون سے آسودگی ہو جائے تو اس کے لئے اور خون کیون بہایا جائے۔ سعد سے ایک شب کی مہلت مانگنے مین یہی میرا خیال تھا۔ یہ دیکھو مین شمع ٹھنڈی کئے دیتا ہون جسمین کسی کو حجاب نہ ہو۔

---

[۱] سلسلہ کیلئے دیکھئے زمانہ اکتوبر ۲۴ء۔

(سب لوگ رونے لگتے ہین اور کوئی اپنی جگہ سے نہین ہلتا -)

عباسؑ - یاحضرت - اگر آپ ہمین مار کر بھگائین تو بھی ہم نہین جا سکتے - خدا وہ دن نہ دکھائے کہ ہم آپ سے جدا ہون - آپ شفقت کے سایہ مین پل کر اب ہم سوچ ہی نہین سکتے کہ آپ کے بغیر ہم کیا کرین گے کیسے رہین گے -

علی اکبر - اباجان یہ آپ کیا فرماتے ہین ؟ ہم آپکے قدمون پر نثار ہونے کے لئے آئے ہین - آپکو یہان تنہا چھوڑ کر جانا تو کیا معنی اُسکے خیال سے روح کو نفرت ہوتی ہے -

حبیب - خدا کی قسم ہم آپ کو اُسوقت تک نہین چھوڑ سکتے جب تک کہ دشمنون کے سینے مین تیر برچھیان نہ چبھو لین - اگر میرے پاس تلوار بھی نہ ہوتی تو مین آپکی حمایت پتھرون سے کرتا -

عبداللہ کلبی - اگر مجھے اسکا یقین ہو جائے کہ مین آپکی حمایت مین زندہ جلایا جاونگا اور پھر زندہ ہو کر جلایا جاونگا اور یہ عمل ستر مرتبہ ہوتا رہے گا - تو بھی مین آپ سے جدا نہین ہو سکتا - آپ کے قدمون پر نثار ہونے سے جو رتبہ حاصل ہوگا وہ ایسی ایسی بیشمار زندگیون سے بھی نہین حاصل ہو سکتا -

ظہیر - حضرت آپ نے زبان مبارک سے یہ باتین نکال کر کے میری جتنی دلشکنی کی ہے اس کا کافی اظہار نہین کر سکتا - اگر ہمارے دل دنیائی ہوس سے مغلوب بھی ہو جائین تو بھی ہمارے قدم کسی دوسری طرف جانے سے گریز کرینگے - کیا آپ ہمین دنیا مین روسیاہ اور بےعزت بنکر زندہ رکھنا چاہتے ہین ؟

حسینؑ - آہ ! کاش رسول پاک آج زندہ ہوتے اور دیکھتے کہ انکی اولاد اور اُن کی اُمت حق پر کتنے شوق سے فدا ہوتی ہے - میری خدا سے یہی التجا ہے کہ اسلام مین حق پر شہید ہونے والون کی کبھی کمی نہ رہے - دوستو آؤ نماز پڑھ لین - شاید یہ ہماری آخری نماز ہو -

(سب لوگ نماز پڑھنے لگتے ہین)

نوان سین

(صبح - حسینؑ کے لشکر مین جنگ کی تیاریان ہو رہی ہین)

عباسؑ - خیمے ایک دوسرے سے ملا دیئے گئے اور ان کے چارون جانب خندقین کھود دی

گئین۔ نقارا بجا دون ؟

حسینؑ۔ نہین ابھی نہین مین جنگ مین پہلے قدم بڑھانا نہین چاہتا۔ مین ایک مرتبہ پھر صلح کی تحریک کرونگا۔ ابھی تک مین نے شام کے لشکر سے کوئی تقریر نہین کی سردارون ہی سے کام نکالنے کی کوشش کرتا رہا۔ اب مین جوانون سے ذو بدو باتین کرنا چاہتا ہون۔ کہدو سانڈنی تیار کرے۔

عباسؓ۔ جیسا ارشاد۔

(باہر جاتے ہین)

حسینؑ۔ (دعا کرتے ہوئے) اے خدا! تو ہی ڈوبتی ہوئی کشتیون کو پار لگانے والا ہے مجھے تیری ہی پناہ ہے۔ تیرا ہی بھروسہ ہے۔ جس رنج سے دل کمزور ہو اُسمین تیری ہی مدد مانگتا ہون۔ جو آفت کسی طرح سر سے نہ ٹلے جسمین دوستون سے کام نہ نکلے جہان کوئی حیلہ نہ ہو وہان تو ہی میرا مددگار ہے۔

(خیمے سے باہر نکلتے مین حبیب اور ظہیر آپس مین نیزے بازی کی مشق کر رہے ہین)

حبیب۔ یا حضرت۔ میری خدا سے یہی دعا ہے کہ یہ نیزہ سعد کے جگر مین چبھ جائے اور رے کی صوبیداری کا ارمان اُسکے خون کے راستے نکلجائے۔

ظہیر۔ اسے صوبہداری ضرور ملے گی۔ جہنم کی یا رے کی۔ اسکا فیصلہ میری تلوار کریگی۔

حبیب۔ واہ یارہ میرا شکار ہے۔ ادھر نگاہین نہ اُٹھائے گا۔ آپ کے لیے مین نے شمر کو چھوڑ دیا۔

ظہیر۔ بخدا وہ میرے مقابلے آئے۔ تو مین اسکی ناک کاٹ کر چھوڑ دون ایسے بدنیت آدمی کے لیے جہنم سے زیادہ تکلیف دنیا ہی مین ہے

عباسؓ۔ اور میرے لیے کونسا شکار تجویز کیا۔؟

ظہیر۔ آپکے لیے زیاد حاضر ہے۔

حسینؑ۔ مین ذرا سعد کے لشکر سے باتین کرکے آجاؤن تو اسکا فیصلہ ہو۔

حبیب۔ گمراہون کو نمائش کرنا بیکار ہے اُن کے دل اتنے سخت ہوگئے ہین کہ ان پر کوئی تقریر اثر نہین کرسکتی۔

حسینؑ۔ تاہم کوشش کرنا میرا فرض ہے۔

(پردہ بدلتا ہے۔ حسینؑ اپنی سانڈنی پر سعد کی فوج کے سامنے کھڑے ہین)

حسینؑ۔ اے لوگو! کوفہ اور شام کے دلیر جوانو ۔ اور سردارو! میری بات سنو۔ جلدی نکرد مسلمان اپنے بھائی کی گردن پر تلوار چلانے مین جتنی دیر کرین عین ثواب ہے۔ مین اُسوقت تک خونریزی نہین کرنی چاہتا۔ جبتک تمہین اتنا نہ سمجھا لون جتنا مجھپر واجب ہے۔ مین خدا اور انسان دونون ہی کے نزدیک اس جنگ کی ذمہ داری سے پاک رہنا چاہتا ہون۔ جہان بھائی کی تلوار بھائی کے گردن پر ہو گی۔ تمہین معلوم ہے مین یہان کیون آیا۔ کیا مین نے عراق اور شام پر فوجکشی کی۔ سنو اور انصاف کرو۔ اگر تمہین خدا کا خوف اور ایمان کا لحاظ ہے کہ مین یہان تمہارے ہی سردارون کے بلانے سے آیا۔ مین نے عہد کر لیا تھا کہ مین دنیا سے الگ رہ کر خدا کی عبادت مین اپنی زندگی کے بچے ہوئے دن گزارونگا۔ مگر تمہاری ہی فریاد نے مجھے اپنے گوشے سے نکالا رسول کی امّت کی فریاد سنکر مین کانون مین اُنگلی نہ ڈال سکا۔ اگر اس حمایت کی سزا قتل ہے تو یہ سر حاضر ہے۔ شوق سے قتل کرو۔ مین حجّاج سے پوچھتا ہون۔ کیا تم نے مجھے خط نہین لکھے تھے۔

حجّاج ۔ مین نے آپ کو کوئی خط نہین لکھا۔

حسینؑ۔ قیس۔ تمہین بھی خط لکھنے سے انکار ہے؟

قیس ۔ مین نے کب آپ سے فریاد کی تھی؟

حسینؑ ۔ اور شمر تم نے تو دستخط کیے تھے؟

شمر ۔ سراسر غلط ہے۔ جھوٹ ہے۔

حسینؑ ۔ خدا گواہ ہے کہ مین اپنی زندگی مین کبھی جھوٹ نہین بولا لیکن آج یہ داغ بھی لگا۔

شیث ۔ آپ یزید کی بیعت کیون نہین کر لیتے کہ اسلام ہمیشہ کے لیے فتنہ اور فساد سے پاک ہو جائے۔

حسینؑ۔ کیا اسکے سوا اور مصالحت کی کوئی صورت نہین ہے؟

شمر ۔ نہین۔ اور کوئی دوسری صورت نہین ہے۔

حسینؑ ۔ تو اس شرط پر صلح کرنا میرے لیے غیر ممکن ہے۔ خدا کی قسم۔ مین ذلیل ہو کر تمہارے سامنے سر نہ جھکاؤنگا۔ اور نہ خوف مجھے یزید کی بیعت قبول کرنے پر مجبور کر سکتا ہے۔ اب نہین

اختیار ہے۔ ہم بھی جنگ کے لیے تیار ہین۔

شمر - پہلا تیر چلانے کا ثواب میرا ہے۔

(حضرت امام حسینؑ پر تیر چلاتا ہے)

کسی طرف سے آواز آتی ہے :"جہنم مین جانے کا فخر بھی پہلے تجھی کو ہوگا"

(امام حسینؑ اونٹنی کو اپنی فرودگاہ کی طرف پھیر دیتے ہین۔ حُر اپنی فوج سے نکلکر آہستہ آہستہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے پیچھے چلتے ہین۔)

شمر - واللہ۔ حُر تمہارا اسطرح آہستہ آہستہ اپنے تئین تول تولکر چلنا میرے دلمین شبہہ پیدا کررہا ہے۔ مین نے تمکو کبھی لڑائی مین اسطرح کانپتے ہوئے چلتے نہین دیکھا۔

حُر - اپنے کو جنت اور جہنم کے لیے تول رہا ہون اور حق یہ ہے کہ جنت کے مقابلے مین کسی چیز کو نہین سمجھتا - چاہے کوئی مار ہی کیون نہ ڈالے

(گھوڑے کو ایک ایڑ لگا کر حُر حضرت امام حسینؑ کے پاس پہنچ جاتے ہین)

اے فرزندِ رسول مین بھی آپ کے ہمراہ ہون خداوند مجھے آپ پر فدا کرے مین وہی ہون جسنے آپکو راستے سے واپس کرنے کی کوشش کی تھی۔ خدا کی قسم مجھے امید نہ تھی کہ یہ لوگ آپکے ساتھ یہ برتاؤ کرینگے اور صلح کی کوئی شرط نہمانینگے ورنہ مین آپکو ادھر آنے ہی نہ دیتا۔ جبتک آپ میرے سرپر سے نہ آتے۔ اب ادھر سے مایوس ہوکر آپکی خدمت مین حاضر ہوا ہون۔ کہ آپکی مدد کرتے ہوئے اپنے تئین آپکے قدمون پر پھر نثار کردون۔ کیا آپ کے نزدیک میری توبہ قبول ہوگی۔

حسینؑ - میری خدا سے دعا ہے کہ وہ تمہاری توبہ قبول کرے۔

حُر - اب مجھے معلوم ہوگیا کہ مین یزید سے اپنی بیعت واپس لینے مین کوئی گناہ نہین کررہا ہون۔

(دونون چلے جاتے ہین تیرون کی بارش ہونے لگتی ہے)

دسوان سین

(شام کا وقت۔ کوفہ کا ایک گانون۔ نسیمہ باغ مین زمین پر بیٹھی ہوئی گاتی ہے۔)

دبے ہوؤن کو دبائی ہے لے زمین لحد — یہ جانتی ہے کہ دم جسم ناتوان مین نہین

قفس مین جی نہین لگتا ہے آہ پھر بھی مرا — یہ جانتا ہون کہ ٹھکا بھی آشیان مین نہین

اُجاڑدے کوئی یا پھونکدے اُسے بجلی — یہ جانتا ہون کہ رہتا اب آشیان مین نہین

خود اپنے دلسے مرا حال پوچھ لو سارا — مری زبان سے مزا میری داستان مین نہین

کرینگے آج سے ہم ضبط چاہے جو کچھ ہو — یہ کیا کہ لب پہ فغان اور اثر فغان مین نہین

خیال کرکے خود اپنے کئے کو رو تا ہون — تباہیون کے سوا کچھ مرے مکان مین نہین

(وہب کا آنا)

نسیمہ - بڑی دیر کی اکیلے بیٹھے بیٹھے جی اُکتا گیا۔ کچھ اُن لوگون کی خبر ملی۔

وھب - ہان نسیمہ ملی۔ جبھی تو دیر ہوئی۔ تمہارا خیال درست نکلا۔ حضرت امام حسینؑ کے ساتھ ہین -

نسیمہ - کیا حضرت حسینؑ کی فوج آگئی؟

وھب - کیسی فوج کل بوڑھے جوان بچّے ملاکر ۷۲ آدمی ہین دس پانچ آدمی کوفہ سے بھی آگئے ہین۔ کربلا کے بے پناہ میدان مین اُنکے خیمے پڑے ہوئے ہین۔ ظالم زیاد نے بیس پچیس ہزار آدمیون سے انھین گھیر رکھا ہے۔ نہ کہین جانے دیتا ہے۔ نہ کوئی بات مانتا ہے۔ یہانتک کہ دریا سے پانی بھی نہین لانے دیتا۔ پانچہزار جوان دریا کی حفاظت کے لیے تعینات کردیئے ہین شاید کل تک جنگ شروع ہو جائے۔

نسیمہ - مٹھی بھر آدمیون کے لیے بیس پچیس ہزار سپاہی! کتنا غضب ہے! ایسا غصہ آتا ہے کہ زیاد کو پاؤن تو سر کچل ڈالون۔

وھب - بس اُسکی یہی ضد ہے کہ یزید کی بیعت قبول کرو۔ حضرت امام حسینؑ کہتے ہین کہ یہ مجھ سے نہ ہوگا۔

نسیمہ - حضرت حسین نبی کے نواسے ہین۔ قول پر جان دیتے ہین۔ مین ہوتی تو زیاد کو ایسا جل دیتی کہ وہ بھی یاد کرتا۔ کہتی ہان مجھے بیعت قبول ہے۔ وہان سے جاکر بڑی فوج جمع کرتی اور یزید کے دانت کھٹے کردیتی۔ رسول پاک کو شرع مین ایسے نازک موقع کے لیے کچھ رعایت رکھنی چاہئے

تھی۔ تو کیا حضرت کی فوج میں بڑی گھبراہٹ ہے۔

وہب - مطلق نہیں۔ نسیمہ۔ سب لوگ شہادت کے شوق سے متوالے ہو رہے ہیں۔ سب سے زیادہ تکلیف پانی کی ہے۔ ذرا ذرا سے بچے پیاس سے تڑپ رہے ہیں۔

نسیمہ - آہ ظالمو۔ تم سے خدا سمجھے۔

وہب - نسیمہ۔ مجھے رخصت کرو۔ اب دل نہیں مانتا۔ میں بھی حضرت حسینؑ کے قدموں پر نثار ہونے جاتا ہوں۔ آؤ گلے مل لیں۔ شاید پھر ملاقات نہ ہو۔

نسیمہ - ہائے وہب! کیا مجھے چھوڑ جاؤ گے؟ میں بھی چلونگی۔

وہب - نہیں نسیمہ۔ اُس لُو کے جھونکوں میں یہ پھول مرجھا جائیگا۔ (نسیمہ کو گلے لگاکر) پھر دل کمزور ہوا جاتا ہے۔ ساری راہ کمبخت کو سمجھاتا آیا تھا۔ نسیمہ تم مجھے بھگا دو۔ ہاں بھگا دو۔ خدا تو نے محبت کو ناحق پیدا کیا۔

نسیمہ - (روکر) وہب یہ پھول کس کام آئینگے؟ کون اسکو سونگھے گا۔ کون اسے سینہ سے لگائیگا؟ میں بھی حضرت زینبؑ کے قدموں پر نثار ہونگی۔

وہب - وہ پیاس کی شدت۔ وہ گرمی کی تکلیف۔ وہ ہنگامے! کیسے لیجاؤں۔؟

نسیمہ - جن تکلیفوں کو سیدانیاں برداشت کرسکتی ہیں۔ کیا میں نہ جھیل سکونگی۔؟ چلے مت کرو وہب میں تمہیں تنہا نہ جانے دونگی۔

وہب - نسیمہ تمہیں نگاہوں سے دیکھتے ہوئے میرے قدم میدان کی طرف نہ اُٹھینگے۔

نسیمہ - (وہب کے کندھوں پر سر رکھکر) پیارے۔ کیوں کسی ایسی جگہ نہیں چلتے جہاں ہم ایک گوشہ میں بیٹھکر اس زندگی کا لطف اُٹھائیں۔ تم چلے جاؤ گے۔ خدانخواستہ دشمنوں کو کچھ ہو گیا تو میری زندگی روتے ہی گزرے گی۔ کیا ہماری زندگی رونے ہی کے لیے ہے؟ میرا دل ابھی دنیا کی لذتوں سے آسودہ نہیں ہوا۔ جنت کی خوشیوں کی اُمید پر اس زندگی کو قربان نہیں کرتے بنتا۔ حضرت حسینؑ کی فتح تو ہونے سے رہی۔ پچیس ہزار کے سامنے جیسے سو۔ ویسے ہی ایک سو ایک۔

وہب - آہ نسیمہ! تم نے دل کے سب سے نازک حصے پر نشانہ مارا۔ میری بھی یہی دلی تمنا ہے کہ ہم کسی عافیت کے گوشے میں بیٹھکر زندگی کی بہار لوٹیں۔ پر ظالم کی یہ بیدردی دیکھکر خون میں جوش آجاتا ہے۔

اور دل بے اختیار یہی چاہتا ہے کہ چلکر حضرت حسینؑ کی حمایت مین شہید ہو جاؤن - جو آدمی اپنی آنکھون سے ظلم ہوتے دیکھکر ظالم کا ہاتھ نہین روکتے وہ بھی خدا کی نگاہ مین ظالم کا شریک ہے -

نسیمہ - مین اپنی آنکھین تیر صدقے کرون - مجھے عذاب و ثواب کے مخمصون مین مت ڈالو - سوچو کیا یہ ستم نہین ہے کہ ہماری زندگی کی بہار اتنی جلد رخصت ہو جائے - ابھی میرے عروسی کپڑے بھی نہین میلے ہوئے - حنا کا رنگ بھی نہین پھیکا پڑا - تمھین مجھپر ذرا بھی ترس نہین آتا - ؟ کیا یہ آنکھین رونے ہی کے لئے بنائی گئی ہین - کیا یہ ہاتھ دلکو دبانے کے لیے بنائے گئے ہین ؟ یہی میری زندگی کا انجام ہے

(وہب کے گلے مین ہاتھ ڈالدیتی ہے)

وہب - (دلمین) اے خدا مدد ! اب تیرا ہی بھروسہ ہے - یہ عاشق کی دلسوز التجا نہین - معشوق کا ایمان شکن تقاضا ہے -

(ساہس رائے کی فوج سامنے سے چلی آرہی ہے)

نسیمہ - ارے ! یہ فوج کہان سے آرہی ہے - ؟ سپاہیون کا ایسا عجیب لباس کہین نہین دیکھا - ان کے ماتھون پر یہ سرخ بیل بوٹے کیسے بنے ہین ! قسم ہے ان آنکھون کی ایسے سجیلے، ایسے حسین جوان آج تک میری نظر سے نہین گزرے -

وہب - مین جاکر پوچھتا ہون - کون لوگ ہین - (آگے بڑھکر ایک سپاہی سے پوچھتا ہے) اے جوانو ! تم فرشتے ہو یا انسان ؟ عرب مین تو ہمنے ایسے آدمی نہین دیکھے - تمہارے چہرون سے جلال برس رہا ہے - ادھر کہان جارہے ہو - ؟

سپاہی - تمنے سلطان ساہس رائے کا نام سنا ہے ؟ ہم انھین کے تابعدار ہین - اور حضرت حسینؑ کی مدد کرنے جارہے ہین - جو اس وقت کربلا کے میدان مین گھرے ہوئے ہین - تمنے یزید کی بیعت لی ہے یا نہین ؟

وہب - مین اُس ظالم کی بیعت کیون قبول کرنے لگا تھا ؟

سپاہی - تعجب ہے کہ تم حضرت حسین کی فوج مین کیون نہین ہو - تم صورت سے منچلے جوان معلوم ہوتے ہو - پھر یہ کم ہمتی کیسی ؟

وہب - (شرماتے ہوئے) ہم بھی وہین جارہے ہین -

سپاہی - تو پھر آؤ ساتھ چلیں۔

وہب - میرے ساتھ مستورات بھی ہیں - تم لوگ چلو ہم بھی آتے ہیں۔

(فوج چلی جاتی ہے)

نسیمہ - یہ ساہس راے کون ہیں ؟

وہب - یہ تو نہیں کہہ سکتا - لیکن اتنا کہہ سکتا ہوں کہ ایسا حق پرست - دلیر - انصاف پر نثار ہونے والا آدمی دنیا میں نہ ہوگا - بیکسوں کی حمایت میں کبھی اُسے پیچھے قدم ہٹاتے نہیں دیکھا - معلوم نہیں کس مذہب کا آدمی ہے - مگر جس مذہب اور جس قوم میں ایسی پاک روحیں پیدا ہوں وہ دنیا کے لیے برکت ہے۔

نسیمہ - ان کے بھی اہل وعیال ہونگے۔

وہب - بہت بڑا خاندان ہے - سات تو بھائی ہی ہیں۔

نسیمہ - اور مسلمان نہ ہوتے ہوے بھی یہ لوگ حضرت حسینؑ کی امداد کے لیے جارہے ہیں۔

وہب - ہاں اور کیا!

نسیمہ - تو ہمارے لیے کتنی شرم کی بات ہے کہ ہم اس طرح پہلو تہی کریں۔

وہب - پیاری نسیمہ - چلے چلیں گے - دو چار دن تو زندگی کی بہار لوٹ لیں۔

نسیمہ - نہیں وہب، ایک لمحہ کی بھی دیر نہ کر - خدا ہمیں جنت میں پھر ملا ئیگا - اور تب ہم ابد تک زندگی کی بہار لوٹیں گے۔

وہب - نسیمہ آج اور صبر کرو۔

نسیمہ - ایک لمحہ بھی نہیں - وہب مجھے امتحان میں نہ ڈالو - سانڈنی لاؤ اور فوراً چلو۔

پریم چند

آخری تیر

(از جناب محمد عبدالشکور صاحب ایم۔ اے علیگ)

فیروزہ کے حسن و جمال کا دور دور شہرہ تھا۔ عاشقان جانباز اُسکی شمع حسن پر پروانہ وار فدا ہوتے تھے۔ اور طالبان صادق کی تعداد روز افزون ترقی پر تھی اُسکی ساغر نکہت آنکھون نے اُسکی لانبی لانبی محشر بدوش زلفون نے اور اُسکی قیامت خیز رفتار نے شائقین کو ہمیشہ مضطرب اور بیچین رکھا، اور اُسکی پرستش پر مجبور کیا، اختر بھی اسکا ایک سچا شیدائی تھا جس نے کئی سال سے اُس کی بارگاہ ناز مین جبہ سائی کی تھی اور رفتہ رفتہ اپنی بیوی اور بچّون سے بے نیاز اور بے پروا ہوکر اُسی کا ہو رہا تھا۔ یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ وہ اختر کو چاہتی تھی اور اُس سے محبّت کرتی تھی۔ کیونکہ اُس بازار مین جہان زر و سیم کی پرستش ہوتی ہے۔ جنس محبت کمیاب ہوتی ہے، مگر یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ وہ اختر کو پسندیدہ نظرون سے دیکھتی تھی اور اُسکی آمد و رفت اور گرویدگی دیکھ دیکھکر مسرور ہوتی تھی۔

اسوقت اختر اور فیروزہ دونون ایک ہی کمرے مین بیٹھے شراب ناب پی پی کر پیار اور محبت کی باتون مین محو تھے اور خدا کی وسیع دنیا کی کوئی فکر ایسی نہ تھی جو انکے عیش و مسرّت مین مخل ہوتی۔ اختر شاعرانہ انداز سے کبھی فیروزہ کی رعنائی جمال کی تعریف و توصیف مین تر زبان ہوتا۔ اور کبھی اپنی پائدار محبت کے استحکام، اور اپنی وفاشعاری کے پے در پے ثبوت دیتا، اور بار بار اس فقرے کو ایک خاص گرمجوشی کے ساتھ دوہرا رہا تھا"

پیاری فیروزہ! آفتاب عالمتاب تیرہ و تار ہو سکتا ہے زمین اپنے محوّر پر مستقلاً قائم ہو سکتی ہے دریا اپنی روانی اور چاند اپنی ضیاپاشی بھول جائے مگر اختر فیروزہ کے پرستش سے دست بردار ہو ممکن ہی نہین" فیروزہ اپنے عاشق کی سرگرمی دیکھتی، اور مسکراتی۔ اسی پرکیف گفتگو کے دوران مین دروازہ

پر کسی نے دستک دی، اختر چونک اٹھا۔ وہ اس وقت سلیپر، اور قمیص پہنے ہوئے بالکل بے تکلف بیٹھا ہوا تھا۔ اُس نے فیروزہ پر ایک استفسارانہ نگاہ ڈالی اور پوچھنے لگا۔

"کوئی چھوکرا ہوگا۔ ؟ یا۔۔۔۔۔ یا ممکن ہے ڈاکیہ ہو"

" بہت ممکن ہے۔۔۔۔۔ مگر۔۔۔ مگر شاید کوئی اور۔۔۔۔۔۔ ایک اور دستک دی گئی۔

اختر کو ڈاکیہ کی یا کسی چھوکرے کی کیا پروا ہوسکتی تھی۔ وہ دن میں بسا اوقات، اور شب میں ہمیشہ فیروزہ ہی کے آغوشِ محبّت میں رہتا تھا۔ ان لوگوں کی نگاہوں سے کہاں تک پوشیدہ رہتا۔ مگر اس خیال سے کہ شاید کوئی اور ہی ہو۔ اُسنے اپنی شیروانی کھونٹی پر سے اُتار لی اور قبل اس کے کہ فیروزہ دروازہ کھولے ایک ایسی قریبی کمرہ میں پناہ گزین ہوا جہاں سے وہ آنے والے شخص کی باتیں بخوبی سن سکتا تھا۔

فیروزہ نے اُٹھکر دروازہ کھولا، مگر آنے والے کو دیکھکر نہایت پریشان اور ششدر ہوئی چھوکرے اور ڈاکیہ کا تو کیا ذکر اور کوئی شناسا بھی نہ تھا۔ بلکہ ایک قبول صورت پری پیکر خاتون اسکے دروازہ کے سامنے موجود تھی۔ سراسر اجنبی شاید ایسی پاکیزہ صورت اور ایسی معصوم، اور مظلوم نگاہیں فیروزہ نے اپنی زندگی میں کبھی نہ دیکھی تھیں تمام جسم ایک سفید چادر میں ملفوف سمٹا سمٹایا ہوا۔ عضو عضو سے سادگی اور شرم وحیا ٹپکتی تھی۔ فیروزہ اس محیر العقول منظر کو دیکھکر محو حیرت ہوگئی۔ شاید وہ زیادہ دیر کھڑی نہ رہ سکتی تھی۔ اُسکے زرد زرد پتلے پتلے ہونٹوں کو حرکت ہوئی اور وہ چاروں طرف متوحش نگاہیں ڈالکر بولی،

"کیا میرے شوہر یہاں ہیں"

فیروزہ نے اُس پر ناقدانہ نظر ڈالی، اُسکی آنکھوں کے حلقوں پر اور اُسکے ستے ہوئے رخسارون پر آنسوؤں کے آثار موجود تھے؛ شاید وہ راستہ میں روتی ہوئی آئی تھی۔ اور اب بھی اُسکے جذبات کا تلاطم سرکشی پر آمادہ تھا؛ فیروزہ پر اُسکی ہیئت کذائی۔ اور مجموعی حالات کا اثر نہایت گہرا ہوا اور شوہر کا لفظ سنکر اُسکے ہوش وحواس پریشان ہونے لگے؛

"شوہر؟" وہ بولی "کس کا شوہر، کون شوہر"

"میرا شوھر۔۔۔۔۔۔۔ اختر۔۔۔۔"

" نہ ۔ ۔ ۔ ۔ نہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ نہین ۔ ۔ ۔ ۔ جناب ! نہ مین کسی کے شوہر کو نہین جانتی "

دو منٹ بالکل عالم سکوت مین گذرے ۔ (اجنبی عورت) خاتون نے کئی دفعہ اپنے زرد زرد لبون پر رومال پھیرا (اپنی سانس پر) قابو پانے کی کوشش کی، اپنی ہمت اور اپنے عزم کو استوار اور مستحکم کیا ۔ خاموش اور ساکت فیروزہ حیرت سے زیادہ خوف کی نگاہون سے اجنبی ملاقاتی کو دیکھ رہی تھی ۔ اور لحظہ بہ لحظہ مرعوب ہوئی جاتی تھی ۔

اجنبی خاتون نے کڑک کر کہا ۔ تو تم یہ کہتی ہو کہ وہ یہان نہین ہے ؟"

معلوم نہین آپ کسے دریافت فرماتی ہین ؟"

اجنبی خاتون نے فیروزہ پر تجسس کی نظر کی، اور نہایت تحقیر آمیز لہجہ مین کہنے لگے تم کمینی مکروہ، اور نہایت بدذات ذلیل ہو ۔ مین مجبور ہوکر یہ سب کچھ کہہ رہی ہون تم سے خدا سمجھے گا "

یہ الفاظ سنکر فیروزہ لرز گئی ۔ اُسے یقین سا ہوگیا کہ میری صورت بھی اس اجنبی کو مکروہ معلوم ہورہی ہے ۔ وہ اپنے نازک لبون، رخشندہ رخسارون، اور سیاہ بالون کا خیال کر کے پانی پانی ہوئی جاتی تھی ۔ حالانکہ اُسکے حسن عالم سوز کے بھی وہ رسیلے انداز تھے جن کی بدولت اُسکی شہرت کو چار چاند لگ گئے تھے یا اب یہ کیفیت تھی کہ یہی باتین اُسکے دلمین کھٹک رہی تھین ۔ اُس نے جلد محسوس کر لیا کہ میرے چہرے کا پوڈر میرے گالون کی مصنوعی سُرخی میری بارونق پوشاک ۔ میری اصلی حالت زار کی غمازی کر رہی ہین ۔ کاش میری حالت ایسی تباہ نہ ہوتی کہ اس اجنبی خاتون ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس پیکر روحانی اس مجسمۂ نورانی اس ہیکل صدق و صفا سے دو بدو ہوکر ہم کلام ہوسکتی، روپے، پیسے، مال و دولت مین اس سے مقابلہ کرسکتی ہون ۔ شہر کے تمام عمائدین، اور مقتدر اصحاب میری نگاہ لطف کے اُمیدوار ہین ۔ مگر وہ کونسی کمی ہے ۔ وہ کس صفت کا فقدان ہے جس کی وجہ سے مین اس بھولی بھالی سکین صفت خاتون کی سخت و سُست باتین سن رہی ہون ۔

فیروزہ انھین خیالات مین مستغرق تھی کہ اجنبی خاتون پھر بولی ۔

بتاؤ میرا شوہر کہان ہے ۔ ؟ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ خبر مجھے !

متعلق پروا نہین کہ وہ یہان ہے یا نہین مگر مین تمکو یہ بتانا چاہتی ہون کہ بینک کا روپیہ غائب ہے
اغلبا غبن ہوا۔ اسلئے لوگ اسکی جستجو مین ہین اور اُسکو گرفتار کرنا چاہتے ہین ۔۔۔۔۔ یہ سب
تمہارے کرتوت ہین ۔۔۔۔۔۔۔ تمہارے نابکار کرتوت !!" یہ کہکر اجنبی خاتون کھڑی ہوگئی
اور کمرے مین بیتابانہ انداز سے ٹہلنے لگی ؛

فیروزہ کا خوف برابر ترقی پر تھا۔ مگر وہ اُسکا سبب معلوم کرنے سے قاصر رہی ؛

"تجھے معلوم ہے ، وہ پکڑ کر گرفتار کر لئے جائین گے۔ یہ کہکر ماہوش خاتون نے ایک چیخ
ماری اور بے دم ہوکر کرسی پر لیٹ گئی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تجھے معلوم ہے کہ اختر
کو اس ذلیل حالت مین کس نے پہنچایا۔ تجھے اسکی بھی خبر ہے کہ مین بالکل بے دست و پا ہون
بالکل بے کس۔ تو مجھ سے کہین زیادہ اچھی حالت مین ہے۔ مگر ہان صرف خدا کی ایک ایسی ذات
ہے جو مجھکو فاقہ کی تکلیفون اور عریانی کی شرم سے بچا سکتا ہے۔ خدا سب کچھ دیکھتا ہے۔ سب
کچھ سنتا ہے۔ تیری ناپاک حرکتین بھی ۔ میری آہ و فریادین بھی ، وہ مہربان ہے۔ منصف ہے
اے ذلیل عورت ! وہ میرے ہر آنسو کے لئے تجھے سزا دیگا۔ میری نیند سے خالی رات تجھپر
بلا بنکر ٹوٹے گی "

اسکے بعد پھر خاموشی طاری ہوگئی۔ خاتون ٹہل ٹہل کر کف افسوس ملتی تھی اور اپنی
آنے والی مصیبت کا اندازہ دل ہی دلمین کرتی جاتی تھی فیروزہ نے اُسپر ایک نگاہ غلط انداز
ڈالی اور کہنے لگی۔

"محترم خاتون مین اسکے متعلق کچھ نہین جانتی"۔
فیروزہ کہنے کو تو کہہ گئی ؛ مگر اُسکا دل ایک کیلے کے پتے کی طرح لرز رہا تھا۔
تم جھوٹ بول رہی ہو ، مین تمکو مدت سے جانتی ہون مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ اس
ماہ مین اُس نے ساری راتین تمہارے پہلو مین بسر کین "
"پھر کیا ہوا" فیروزہ نے دل قوی کرکے کہا "سیکڑون بہت سے ملاقاتی ہین مگر مین
کسیکو یہان آنے پر مجبور نہین کرتی ۔ تمہارے شوہر کو بھی کامل آزادی ہے وہ جو چاہے کرے
جہان چاہے جائے ، مین کچھ نہین کہتی "

مین نے تمکو بتا دیا، اسوقت جذبات کا سوال نہین ہے غبن کا پتہ چلگیا ہے بنک کا روپیہ غائب کر دیا، وہ ایک سنگین جرم مین ماخوذ ہین۔ تجھ جیسی ناپاک ہستی کی خاطر (غصہ سے بے چین ہوکر) اے ساحرہ! سن تیری زندگی کا اُصول کوئی نہین۔ تو بنی نوع انسان کو مصیبت مین گرفتار کرنے کے لیے پیدا ہوئی ہے۔ یہی تیرا آل زندگی ہے اور مقصدِ حیات مگر یقیناً تو اتنی بھی پست نہین ہے کہ تیرا دل معمولی انسانی جذبات سے بھی خالی سمجھا جائے۔ اُس بدنصیب اختر کی ایک ناتوان بیوی بھی ہے، اور بچے بھی۔ اگر وہ خدانخواستہ جیلخانے بھیجدیا گیا تو ہم ایک معینہ مدت تک فاقون کی مصیبت مین پھنس جائینگے۔ تم سمجھین اب بھی اس تباہی اور بربادی سے بچنے کی امید ہے۔ صرف نوسو روپیون کی ضرورت ہے۔ نوسو روپیون کی۔!"

فیروزہ چین بجبین ہوکر۔ "کیسے نوسو روپے۔ میرے پاس کسی کے نوسو روپے نہین ہین۔"

"مین تمہارے روپے کی طالب نہین ہون، نہ مجھے تمہاری کسی شے کی ضرورت ہے مگر تم جیسی عورتون کو اکثر بڑے قیمتی تحائف دیئے جاتے ہین صرف مجھکو وہ چیزین واپس کر دو جو میرے شوہر نے تمکو دی ہین۔"

"محترم خاتون! تمہارے شوہر نے مجھے کبھی کوئی تحفہ نہین دیا۔"

"تو پھر اسقدر روپیہ کہان گیا۔ اُس نے میرا ذاتی، اپنا، اور پھر دفتر کا روپیہ یہ سب کہان برباد کیا؟ دیکھو مین تم سے منت کرتی ہون، مین نے غصہ کی حالت مین تمہین بہت کچھ بُرا کہا۔ اسکی مین تم سے معافی چاہتی ہون۔ تم مجھ سے نفرت نہ کرو بلکہ دیکھو کہ میری کیا حالت ہے اور مجھپر کیا گزر رہی ہے۔"

فیروزہ نے کہا "مجھے تم سے پوری پوری ہمدردی ہے، مگر خدا گواہ ہے کہ اُس نے مجھے صرف دو چھوٹے چھوٹے تحفے دیئے ہین۔ جو مین نہایت خوشی سے آپکو دیتی ہون یہ کہکر اُسنے اپنا بکس کھولا اور ایک طلائی گلوبند اور ایک انگشتری خاتون کے سامنے پیش کر دی جنکو دیکھکر معصوم صفت خاتون کے تن بدن مین آگ لگ گئی، اور برافروختہ ہوکر بولی۔

"مین تمسے خیرات نہین مانگتی، نہ تم سے بھیک چاہتی ہون۔ بلکہ مین تم سے وہ چیزین

کرنیل الکاٹ

میڈم بلاوٹسکی

طلب کرتی ہون جو دراصل تمہاری نہین ہین بلکہ جو تمنے میرے شوہر کی آنکھون کو خیرہ کرکے، اور اُس کے ہوش وحواس سلب کرکے اُس سے حاصل کین تمنے میرا آرام، میرا چین، میری خوشی، میرے گھر کی رونق۔ یہی نہین بلکہ میری سب سے عزیز شے، میرے خانہ دل کی شمع تہا، یعنی میرا شوہر مجھ سے چھینا، کاش تمہین معلوم ہوتا کہ ایک باعصمت عورت کی نظرون مین اس کے شوہر کی کیا وقعت اور حیثیت ہوتی ہے .... یہی نہین بلکہ .... اب .... اب تم جھوٹ بول رہی ہو، گذشتہ جمعرات کو جب تم اختر کے ساتھ ساتھ سکندر باغ مین چہل قدمی کر رہی تھین اسوقت مین نے سنا ہے تمہاری ناپاک (برافروختہ ہوکر) گردن، اور تمہارا سینہ قیمتی زیورات سے مرصع تھا۔ مجھ سے چالین نہ چلو، مجھ سے باتین نہ بناؤ۔ مین تم سے آخری مرتبہ دریافت کرتی ہون کہ تم مجھے وہ زیورات دوگی یا نہین مجھے صرف نو سو روپیہ درکار ہین"

"محترم خاتون!" فیروزہ کچھ دیر خاموش اور حیرت زدہ رہ کر بولی "میری کچھ سمجھ مین نہین آتا کہ آپ کیا کہتی ہین۔ مین پھر آپکو یقین دلاتی ہون کہ مجھے اختر نے صرف یہی دو زیور دیئے تھے، اس کے علاوہ اور کوئی قیمتی چیز مجھے نہین دیگئی"

سبحان اللہ! یہ کہکر عصمت مآب خاتون کرسی پر بیٹھ گئی اور کمرے مین چارون طرف نظرین دوڑا کر بولی "افسوس اگر نو سو روپیہ نہ ملے تو اختر گرفتار ہوجائیگا، اور ہم سب لوگ برباد وخستہ ہوجائین گے۔ یا اللہ کیا مین ذلیل عورت کو مار ڈالون .... یا پھر ایک دوسری عورت ہے، مین اس کے قدمون پر اپنا سر رکھدون" یہ کہکر خاتون نے چہرہ پر رومال رکھا، اور زار و قطار روکر ان الفاظ مین فریاد کرنے لگی، یا اللہ ان بچّون نے کسیکا کیا بگاڑا ہے جو ان پر یہ ظلم کیا جارہا ہے"

فیروزہ جس کی حیّات خفیہ اس محترم خاتون کو دیکھتے ہی بیدار ہوچلی تھین اس دلدوز تقریر سننے کے بعد بغیر متاثر ہوئے نہ رہی۔ اُس کی آنکھین چھلکنے لگین۔ رگون مین اُسکا خون تیزی سے دوڑنے لگا اور اُس کے جسم کا رونگٹا رونگٹا مشتعل ہوگیا۔ یہ فرشتۂ رحمت، یہ جنت کی معصوم حور، یہ عصمت کی دلربا دیوی، یہ ایثار عظیم کی پیاری تصویر میرے خلیظ قدمون پر، یہ عفت مآب پری تمثال خاتون جس کے بوئے عنبرین ارواح قدسیہ کی مشام نوازی کرتی ہے۔

غریب فیروزہ تھر تھر کانپ رہی تھی اور فضائے تخیل مین اُسے چند ایسے بچے نظر آرہے تھے جن کو بھوک اور پیاس کی شدت نے بیقرار کر دیا تھا۔ اور جو فقیرانہ لباس کی وجہ سے موسم کی گستاخ دستیون کے شکار ہو رہے تھے۔

کیسا دردناک اور دل ہلا دینے والا منظر تھا۔ ایک پاکباز مہذب، شریف النفس عالی خاندان، نیک طینت شریف زادی اپنے ایسے بیوفا، ظالم، اور بیرحم شوہر کی امداد کے لیے دیوانہ وار پھرے جس کے جور و ستم نے اُسکو نان شبینہ کا بھی محتاج کر دیا ہو۔ نہ صرف دیوانہ وار پھرے بلکہ ایک ایسی گندی بازاری عورت کے ناپاک قدمون پر سر رگڑنے کے لیئے بھی تیار ہو جائے جو زر و جواہر کی عارضی روشنی سے چکاچوند ہو کر ہر شب متاع عصمت فروخت کرتی ہے۔

آدھ گھنٹہ پیشتر وہ کچھ اور تھی۔ حرص و آز کی مجسّم تصویر، بداخلاقی اور کذب و فریب کی تیلی انسانی لباس مین ایک زہریلی ناگن۔ ناممکن تھا کہ کوئی شخص اُسکے دام الفت مین پھنسا اور تباہ و برباد ہو کر نہ جاتا۔ ایک اختر بیچارہ کیا۔

اُس نے خدا جانے کتنے بانکے رئیس زادون کو دربدر پھرا دیا۔ اب بھی مشہور تھا کہ فیروزہ کے گھر سے صحیح و سالم واپس آنا ممکن نہین۔ آفتاب حسن کی جہان شعاعین پڑتین آنکھون کو اندھا اور دماغ کو معطل اور عقل و خرد کو نیست و نابود کر دیتین۔ . . . . یا اب یہ عالم تھا کہ ایک ناتوان بیکس، لاچار، مفلوک الحال، کمزور عورت نے اُس پر جادو کر دیا۔ یک بیک قلب ماہیت ہوگئی، اُسکو دنیا تیرہ و تار نظر آنے لگی۔ جسمین اُسکی گذشتہ زندگی کا چشمہ سیاہ پانی سے لبریز اُبلتا ہوا۔ اور چکتا ہوا بہ رہا تھا۔ وہ اُس کے کنارے پر کھڑی تھی اور اس مین گری جاتی تھی، ایک چشمہ ہی کیا، بلکہ چشم تخیل سے اُس نے جدھر دیکھا نہایت خوفناک اور تباہ کن مناظر ہی نظر آئے وہ چلّا اُٹھی!

بیوی صاحبہ! لیجیے سب حاضر ہے۔ مین اپنی ساری دولت آپکے سپرد کرتی ہون یہی نہین بلکہ مین خود آپکے قدمون پر گرتی ہون"

پاکیزہ مزاج خاتون نے اپنے ترکش کے اس آخری تیر سے دو کامیاب نشانے مارے

نہ صرف فیروزہ ہی کی کایا پلٹ ہوگئی بلکہ اختر نے بھی اپنی زندگی کا ایک نیا باب کھولا جو ذمہ داری راست بازی اور پاکیزگی سے سراسر لبریز تھا۔

(ماخوذ)

محمد عبد الشکور

رازِ فنا

نظر میں سیر تھی گذرے ہوے زمانے کی
مرا خیال تھا چپ آئینہ دکھا کے مجھے

ہنسا ہنسا کے رُلاتا تھا حافظہ میرا
گذشتہ عہد کے قصے سُنا سُنا کے مجھے

کہا نسیم سے مین نے کہ اے سُبک رفتار
نہ چل ادائے تغافل دکھا دکھا کے مجھے

مسافران عدم کا پتہ نہین معلوم
تجھے خبر ہو تو ممنون کر بتا کے مجھے

مگر یہ سُنکے ہوا ہوگئی وہ مست خرام
پتہ بتانے کے بدلے ہوا بتا کے مجھے

کہا یہ غنچہ سے مین نے کہ تو ہے جانِ بہار
ترے نثار ذرا بتا دے یہ مُسکرا کے مجھے

نہان ہے تیرے تبسم مین رنگ بوے عدم
بنا دے مست یہ خوشبو ذرا سنگھا کے مجھے

کھلے تھے لب ابھی اُسکے کہ ہوگیا خاموش
اِک آہ کھینچ کے چاکِ جگر دکھا کے مجھے

کیا جو برق سے مین نے سوال رازِ فنا
اَدا سے دیکھ لیا اُس نے مُسکرا کے مجھے

وہ اضطراب مجسم بھی کچھ بتا نہ سکی
نظر سے چھپ گئی بس اک جھلک دکھا کے مجھے

وہ موجِ بحر وہ اسکی پُر اضطراب روش
عجیب یاس سے دیکھا تھا تلملا کے مجھے

کیا جو راز عدم کا سوال چل نکلی
خرام عمر رواں کی روش دکھا کے مجھے

حباب بحر مین تھی اک شانِ استغنا
وہ دیکھتا تھا تکبر سے سر اُٹھا کے مجھے

سوال شرحِ فنا اُس سے جب کیا مین نے
تو مٹ گیا وہ ادائے فنا دکھا کے مجھے

زبان حال سے کہتی تھی شمع یون سرِ بزم
جو دیکھنا ہو تو بس دیکھ لو بجھا کے مجھے

کہا جو مین نے کہ کچھ اور شرحِ راز تو کر
خموش ہوگئی دلکا دھوان دکھا کے مجھے

(ماخوذ)

احسن سبھی

شاما مصنفہ پنڈت کشن پرشاد کول۔ بی۔ اے ممبر سرونٹ آف انڈیا سوسائٹی لکھنو
انڈین پریس الہ آباد قیمت عہ/

پنڈت کشن پرشاد صاحب کول نے شاما کے نام سے ایک اخلاقی ناول لکھا ہے جسکو انڈین پریس الہ آباد نے مصور شائع کیا ہے۔

سرورق پر ہیروین کی نہایت عمدہ تصویر دیگئی ہے اور ایک دوسری تصویر جس مین ماں اور بچی ایک ساتھ ہین درد انگیز نظارہ کی حامل ہے۔

یہ افسانہ بہت سادہ ہے شاما ایک معمولی تعلیم یافتہ لڑکی ہے جو اپنی مرضی کے خلاف بشن جی کے ساتھ کمسنی مین بیاہ دیجاتی ہے بشن جی کی ماں بدزبان اور بدطینت ہین اور خود بشن جی بھی آوارہ مزاج اور بدچلن ہے۔ شاما کسی طرح سسرال مین تین برس برے بھلے گزار دیتی ہے۔ اور اسی عرصہ مین ایک لڑکی کی ماں ہو جاتی ہے جسکا نام سروپ کماری رکھا جاتا ہے۔ ایکروز کھوبی بی بے بات کی بات خفا ہو کر غریب شاما کے گھونسہ مارتی ہین اور گالیان کوسنے دیتی ہین۔ شاما بیہوشی سے چونکتی ہے تو بچی کو لیکر اپنے باپ رتن ناتھ کے یہان الہ آباد چلی آتی ہے۔ یہان آکر مان بیٹی دونون میعادی بخار مین مبتلا ہو جاتی ہین۔ شاما کا بھائی آنند اور اسکا ہم سبق پرکاش اس کی تیمارداری کرتے ہین۔ صحت کے بعد شاما کو پرکاش سے انس ہو جاتا ہے جو بڑھتے بڑھتے محبت کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے مگر دونون کسی وقت اپنا قدم جادۂ اعتدال سے باہر نہین نکالتے۔ شاما دوبارہ دفعہ بیمار پڑتی ہے اور تبدیل آب و ہوا کیوجہ سے کشمیر اور منصوری جاتی ہے جہان پرکاش کو بہت سے موقعے ملتے ہین راز و نیاز کی باتین ہوتی ہین اور پرکاش شاما کو شادی کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ مگر شاما انکار کرتی ہے۔ اس پر

پرکاش ناخوش ہوکر چلا آتا ہے۔ اور اپنی شادی کرلیتا ہے مگر اس جنون کا دورہ دو برس کے اندر ختم ہوجاتا ہے۔ شاما آخر کار دو خط لکھتی ہے اور پرکاش کے سامنے اپنے دل کے ٹکڑے رکھدیتی ہے نتیجہ افسوسناک ہے غریب شاما تپ دق کے نذر ہوجاتی ہے۔

قابل مصنف نے تعمیر موضوع اور ارتقائے مبحث میں نہایت وسعت نظری سے کام لیا ہے۔ مگر شروع کے دو ابواب میں بشن جی کے متعلق سکوت اختیار کیا ہے۔ جس سے ایک بے لطفی پیدا ہوگئی ہے۔ کاش وہ خط جو تیسرے باب میں درج ہے پہلے ہوتا تو سرد پیکاری کی پیدایش یکایک نہ معلوم ہوتی اور ناظرین کے لطف پر یہ واقعہ بار نہ ہوتا اس ناول کی ایک اور فروگذاشت یہ ہے کہ چوتھے باب میں شاما اپنی عصمت بچانے کے لیے گاڑی کی زنجیر کھینچتی ہے۔ مگر اسکے بعد کچھ پتہ نہیں چلتا کہ نتیجہ کیا ہوا۔ خاتمے پر مصنف نے پرکاش اور شاما کے بعض افعال کو فلسفی اور ناصح کے سپرد کرکے اپنی ذات کو بری کرنا چاہا ہے۔ مگر یہ روش غیر ذمہ دارانہ اور اصول واقعہ نگاری کے خلاف ہے۔

زبان کے اعتبار سے اس ناول میں اکثر لغزشیں پائی جاتی ہیں۔ اکثر الفاظ غلط ہیں یا غلط طور پر استعمال کئے گئے ہیں۔ بعض الفاظ اور محاورے ایسے ہیں جو مقامی گفتگو یا مخصوص صحبتوں میں بولے جاتے ہیں۔ اکثر موقعوں پر "اپنے گھر کی زبان" استعمال کی گئی ہے جسکے پڑھنے سے طبیعت بدمزہ ہو جاتی ہے۔ مثلاً ایک مقام پر لکھا ہے کہ

"گھٹنے پر لٹا کر اپنے ہاتھوں سے اس کا سارا بدن جلد جلد تیزی سے ملنے لگی"

گھٹنے پر لٹانا غلط اور خلاف محاورہ ہے۔ زانو پر لٹانا صحیح ہے۔ جلد جلد تیزی سے کیا معنی؟ ایک حرکت ظاہر کرنے کے لیے دو متحد المعنی الفاظ جمع کر دیئے گئے ہیں جو خلاف فصاحت ہے۔

ایک جگہ "فرصت نہ آئی" لکھا ہے فرصت ہونا۔ فرصت پانا۔ یا فرصت ملنا بولا جاتا ہے۔

ایک مقام پر "کنہیالال جی والوں کا گھر" لکھا ہے جسمیں "والوں" زائد ہے اور گھر کی جگہ مکان ہونا چاہیئے۔

"دہ چار سو گھرون مین ایک ہے، چاند سورج کیطرح چمکتے ہین"

دونون جملے جدا ہین اور معنی مین ربط پیدا نہین ہوتا بیچ مین گھروالے یا کچھ اور ہونا چاہیئے - اسی طرح سر دھرا - مالکن، بھنی - دوبھر پڑنا " سب خلاف محاورہ ہین -

"مجھ سے اتنی چھوٹی الگ نہ کی جائے گی"

چھوٹی کے بعد لڑکی، بچی، کچھ ضرور ہونا چاہیئے تھا -

"دیدون کا پانی مرجانا. لکھا گیا ہے - ڈھلجانا محاورہ ہے -

"عوض بعوض گلہ ندارد" غالباً کاتب کی غلطی ہے - عوض معاوضہ گلہ ندارد ہونا چاہیے - اسی طرح " حاشا اللہ کی جگہ حاشا ﷲ ہونا چاہیے تھا -

مصنف کا اصلی جوہر اسوقت کھلتا ہے - جب اپنے قلم جادو رقم سے مناظر فطرت کے مرقعے صفحات کاغذ پر کھینچ دیتا ہے - جسمین جذبات اور اثرات کے رنگ وروغن سے حسن واثر دوبالا ہوجاتا ہے اور پڑھنے والے کو محسوس ہوتا ہے کہ وہی منظر اسکے نگاہ کے سامنے موجود ہے مثلاً جب مظلوم شاما سسرال سے نکلتی ہے -

" اسکی طبیعت تھی کہ اُسوقت اُٹھتی ہوئی گھٹاؤن کی طرح اُمڈ رہی تھی "

یا -

" جب اُسے ہوش آیا تو وہ جمنا کے کنارے پہنچ چکی تھی - پانی موسلا دھار برس رہا تھا وہ از سرتا پا منہ سے شرابور ہوگئی تھی "

یا سیر کشمیر مین -

"مری کا پہاڑ دیودار اور چیر کی جنگلون سے لدا ہوا ہے - جا بجا جھرنون کے سفید پانی کے دھارے سبزے کے دامن پر نقرئی لہرے کا لطف دیتے ہین - جنگل کے درختونکے سایہ اور سناٹے مین کبھی کبھی ادھر اودھر سے پرندون کا چہچہانا ایسے سکون کا احساس پیدا کرتا ہے کہ آنکھین جھپکنے لگتی ہین - ہوا کی خنکی سفر کے تکان کو دور کرتی اور فضا کا لطف طبیعت کو اُبھار رہا تھا -

یا -

"دن ڈھل رہا تھا سورج کی کرنون کی تیزی ماند پڑتی جارہی تھی۔ بادلون کا رنگ کہین نیلا کہین ارغوانی۔ کہین چمپئی کہین منجی اور اسپر سنہری حاشیہ۔ معلوم ہوتا تھا کہ آفتاب نے کائنات قدرت کو اپنی سنہری کرنون سے نہلا دھلا کر وہ نور و جمال بخشا ہے کہ اب یہ عروس بہار مزید زیب و آرائش کی محتاج نہین ہے"

یا۔

"جون جون بہار نے اپنا دامن سمیٹنا شروع کیا۔ دریائے سندھ کا غصّہ اور جوش بھی بڑھنے لگا"

افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ کول صاحب اکثر اوقات بلاواسطہ طرز تخیّل سے کام لیتے ہین ان کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ سوچتے انگریزی مین ہین اور اسکا ترجمہ اردو مین کرتے ہین۔ چنانچہ "و" اور تاہم، بہت جگہ لکھا ہے۔ اور SPECIALLY کی جگہ "بالخصوص" کا استعمال بھی کثرت سے کیا گیا ہے۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ تصنیف کی شان جاتی رہی۔ اور فسانہ پر ترجمہ یا اقتباس کا دھوکا ہوتا ہے۔ انگریزی خیالات کو اردو کا جامہ ضرور پہنانا چاہئے۔ مگر محض لفظی ترجمہ سے کام نہ چلیگا۔

بہرحال ان معمولی نقائص سے قطع نظر کرکے ناول نویسی کے لیے سب سے زیادہ اہم بات فسانہ کی مضمون کو جیتی جاگتی تصویرین بنا دینا ہوتا ہے۔ اور خوشی کی بات ہے کہ کول صاحب اس معاملہ مین کافی طور پر کامیاب ہوئے ہین۔ مثلاً، شاما کے کیرکٹر کا ارتقا، اور اسکے تمام پہلو نہایت عمدگی سے دکھائے گئے ہین۔ اور مختلف افراد فسانہ کی باہمی گفتگو بھی بڑے سلیقہ سے لکھی گئی ہے۔ اور قریب قریب ہر جگہ نظم و تسلسل۔ ربط و قرینہ، کی جھلک نظر آتی ہے۔

مگر اس ناول پڑھنے والے کے دل پر جس چیز کا سب سے زیادہ اثر ہوتا ہے وہ فطرت انسانی کے متعلق مصنف کا کامل مطالعہ ہے۔ شاما کے خطوط دلچسپ اور معنی خیز ہونے کے علاوہ فلسفہ حیات اور قوانین تمدّن کے پاکیزہ صحائف ہین۔ قابل مصنّف نے جس جرات اور صفائی کے ساتھ بعض ناگفتہ بہ رسم و رواج کی دھجیان اڑائی ہین وہ قابل قدر اور لائق تقلید ہین۔ کول صاحب کی حق پرستی اور صاف گوئی کی جسقدر تعریف کیجائے کم ہے۔

آپ نے نہایت مدلّل طریقہ سے، عورتون کے جائز حقوق کی تشریح و تفصیل کی ہے۔ جس سے

کسی منصف مزاج کو کوئی اختلاف نہین ہو سکتا۔

کاش اب بھی ہماری آنکھین کھلجائین۔ اور ہم پھولون کو کانٹون سے جدا کرکے تہذیب کے گلدستہ مین قرینہ سے سجا سکین۔!

ذیل کے اقتباسات سے کول صاحب کا نظریۂ تمدن، اور اصلاح طلب رسوم کی پوری تصویر نگاہون کے سامنے کھنچ جاتی ہے۔ ملاحظہ ہو۔ شانتا اپنے عاشق پرکاش کو خط لکھ رہی ہے۔

"یہ سوشل نظام محض دھوکا اور فریب کا ایک اڈمبر ہے —— سادہ لوح اور ضعیف الاعتقاد طبیعتون کے بہلانے کے لیے اسنے تیرتھ کے دھام اور مندر کی عظمت دیگئی ہے۔ اس مین پتھر کی چند مورتیان رکھدی گئی ہین کسی کو پاک دامنی کا لباس پنھایا کوئی عصمت پروری کا جامہ پہنے ہوئے ہین۔ کسی کو شوہر پرستی کے زیور سے آراستہ کیا گیا ہے۔ ایک کا نام ستیا اور دوسری کا نام ساوتری۔ اور تیسری کا دروپدی رکھ دیا گیا ہے۔ ہم اس دھام کے جاتری ہین اور تم اسکے پجاری۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم یہان آکر درشن کرین۔ ماتھے ٹیکین اور پھول چڑھا دین۔ تمہارا کام یہ کہ تم ان پتھر کی مورتیون کو سولہ سنگارون سے سجا کر بٹھا دو۔ صبح اٹھکر جھانکی کے پٹ کھولدو اور شام کو پجاری اور چڑھاوا سمیٹ لیجاؤ۔ اور اپنا پالن کرو۔ سچ بتانا اس کرشمہ ساز مین تمہین نور ایمان کی تھوڑی سی جھلک بھی کہین سے نظر آتی ہے"

یا:

"ہمارے آئین اخلاق اور دھرم شاستر کی رو سے عورت مردون کی ملکیت ہے، جو جہیز نذرانہ مین دیجا سکتی ہے رہن و بیع کیجا سکتی ہے جسکے خراب کرنے کا تاوان دینا پڑتا ہے۔ آئین اخلاق مین اور دھرم شاستر مین عصمت پروری اور پاکدامنی کے عورتون اور مردون کیلیے قطعی دو مختلف معیار قائم کیے گئے ہین"

ہمارے خیال مین کول صاحب کی یہ آواز "صدا بصحرا" ہوکر نہ رہ جائیگی بلکہ لوگون کے دلون مین پورے طور پر اثر کریگی۔ معاشرت یا تمدن کا انقلاب ایکدن کا کام نہین مگر ایسا انقلاب (جو ہندوستان مین بتدریج ہو رہا ہے) جب مکمل ہو جائیگا تو اسوقت آیندہ نسلون کو کول صاحب کے نظریۂ اخلاق اور تدابیر اصلاح کی خوبیون کی پوری قدر ہوگی"

"نقاد"

گنگا کے چراغ

آب گنگا! کیا ہی مستانہ ترا انداز ہے — جھوم کر چلنے پہ تیرے مجھکو کیا کیا ناز ہے
کیا مرے جذبات کی دنیا کا تو ہمراز ہے — تیری لہرون مین مری تخئیل کی پرواز ہے

اپنی موجون کا تلاطم آ مرے سینہ مین دیکھ
عکس اپنی بے کلی کا دل کے آئینہ مین دیکھ

آجتک آنکھون مین ہے تیرا سمان اے ہر دوار — وہ ہجوم ہوشان محو تماشا بر کنار
وہ صفائے آبِ اخضر مین چراغون کی قطار — دیکھکر جن کو یہی کہتا تھا دل بے اختیار

تا بہ سطح آب ہر گوہر اُبھر آیا ہے کیا؟
آسمان لیکر ستارون کو اُتر آیا ہے کیا؟

کیا شعاع مہر کے ذرّے پریشان ہو گئے — فیض سے خورشید کے یہ خود درخشان ہو گئے
تیرے آب پاک کے جوہر نمایان ہو گئے — کیا کسی کے داغ عصیان نور ایمان ہو گئے

رقص کرنے کیلئے جگنو نکل آئے ہین کیا
پھول جنت کے فلک والون نے برسائے ہین کیا

یہ مسافر کون ہین، ہے کونسا یہ کاروان؟ — کیا اسی کا عکس ہے کہتے ہین جسکو کہکشان
کسقدر پیاری ہین ان کی چھوٹی چھوٹی کشتیان — یہ کہان سے آئے ہین بہر تماشائے جہان؟

اہل دنیا کو تری عظمت دکھانے کیلئے
خلد سے آئی ہین کیا پریان نہانے کے لیے

گھورنے والون کی نظرون سے یہ گھبراتی نہین — پیکر نوری کی عُریانی سے شرماتی نہین
ہے یقین انسان کی باتون کا یہ لاتی نہین — موج دریا چھوڑ کر ساحل تلک آتی نہین

حسن دکھلاتی تو ہیں، لیکن کچھ اس انداز سے
اپنا جلوہ خود چھپا لیتی ہیں اپنے ناز سے

اے چراغ آب گنگا! تجھ میں کیسا نور ہے ۔۔۔ تو کسی عاشق کا دل ہے! یا جبین حور ہے
اک جھلک دکھلا کے پھر موجوں میں تو مستور ہے ۔۔۔ حسن کا چشم تمنا سے یہی دستور ہے

ترا جلوہ کیا کسی مظلوم کی تقدیر ہے!
ایک ہستی کے امید و بیم کی تصویر ہے؟

کیا تری تقدیر میں انسان کی رنجوری بھی ہے ۔۔۔ کیا ترے دل میں تمناؤں کی مجبوری بھی ہے
سینۂ نوری میں تیرے ذوق مہجوری بھی ہے ۔۔۔ کیا ترے جام گلی میں آب انگوری بھی ہے

کس کی امیدوں کی گلکاری ترے دامن میں ہے
آرزو کس کی فروزاں تیرے پیراہن میں ہے

تو کسی کے سوز دل کا شعلۂ مستور ہے ۔۔۔ تو کسی کی دیدہ گریاں کا سارا نور ہے
تجھ میں ساری التجائے خاطر مجبور ہے ۔۔۔ تو کسی بیکس کی نظروں میں چراغ طور ہے

تجھ میں پنہاں جذبۂ ہمدردی انسان ہے
جلوہ خورشید تیرے نور پر قربان ہے

آنند نرائن ملا (لکھنوی)

قطعہ

لیکے موتی ہاتھ پر حیران ہوئی اک گلعذار ۔۔۔ اسکو مونگا سا نظر آیا وہ در شاہوار
پھر جو دیکھا، کرچی سی تیرگی اک چھا گئی ۔۔۔ عکس لب پر، آنکھ کی پتلی جھلک دکھلا گئی
بات پا کر ہنس پڑی دیکھا اجالا ہو گیا ۔۔۔ اک ادا میں اس طرح آخر وہ موتی کھو گیا

(ترجمہ از بھاشا)

سید راحت حسین، بی اے

دیکھو بھول نہ جانا

(سی۔ جی روزیٹی کی نظم کا ترجمہ)

یاد کرنا بچھڑ کے جب تم سے — ہم بسائیں گے شہر خاموشان
دور بستی سے، اکالے کوسون دور — کوئی پرسان نہین کسی کا جہان

یاد کرنا وہ وقت پیار سے جب — تم مرے ہاتھ کو دباتے تھے
پھیر کے منھ کو جانا چاہتی تھی — پر نہ اٹھ سکتے تھے قدم میرے

یاد کرنا وہ وقت جب ہر روز — سوچا کرتے تھے ہم ہم کیا کیا
آہ! بس یاد ہی کیا کرنا — وقت ہو گا دعا نہ مشورے کا

بھول جاؤ اگر کبھی مجھکو — اور پھر اُسکے بعد یاد کرو
رنج کرنا نہ میری جان کی قسم — روح خوش ہوگی جبھی تم خوش ہو

کیونکہ تاریکی و فنا نے اگر — شائبہ بھی خیال کا چھوڑا
یہ تصوّر چلائے گا چھریان — دشمنوں کو ملال ہے میرا

بھول جاؤ مگر رہو مسرور — مجھکو منظور ہے یہ سو جان سے
ہے وفا سے تمہاری لیکن دور — کر رونا شاد شاد کر کے مجھے
سنو یہ آخری وصیت ہے — ٹھنڈی سانسین بہت نہ بھرنا تم
کرو وعدہ اگر محبت ہے — یاد کرنا مگر نہ کڑھنا تم

اثر لکھنوی بی اے

تقریظ منظوم

مثنوی سحر

ذیل مین مثنوی سحر کی وہ منظوم تقریظ درج کیجاتی ہے جو جناب برق کے خامۂ سحر طراز کا ایک دلکش کارنامہ ہے - ہمکو یہ دیکھکر خوشی ہوتی ہے کہ ہماری طرح ملک کے شعرا بھی اس مثنوی کی قدر دانی فرما رہے ہین - جسپر ہم اپنے دوست منشی اقبال ورما صاحب سحر ہتگامی کو تہ دل سے مبارکباد دیتے ہین - (اڈیٹر)

اے سحر طرازِ خوش بیانی — اعجاز نمائے نکتہ دانی
نقاشِ ادائے حسنِ جانسوز — جذباتِ نگارِ عشقِ دلدوز
جادو ہے ترے سخن سخن مین — ساحر ہے تو شاعری کے فن مین
دشینت و شکنتلا کا قصہ — ہے زورِ قلم کا تیرے حصہ
اردو مین یہ جدتِ سخن ہے — شیشہ ہے نیا، مئے کہن ہے
اندازِ کلام ہے دلآویز — ہر مصرعہ ترا ہے کیف انگیز
گلزارِ نسیم کی روش پر — گلکاریان تو نے کی ہین یکسر
تقلید مین اصل کی جھلک ہے — گلہائے قدیم کی مہک ہے
یہ شاخِ قلم کی گلفشانی — ہے زینتِ گلشنِ معانی
افسانہ نیاز و ناز کا ہے — اِک تذکرہ سوز و ساز کا ہے
ماضی کا ہے حال کچھ ہویدا — تہذیبِ کہن کی شان پیدا
رشیون کے وہ آشرم کا منظر — نظارۂ دشت روح پرور
وہ بہرِ شکار و سیر جانا — دشینت کا تیرِ عشق کھانا
وہ حسنِ شکنتلا کی تاثیر — معصوم ادا اون کی وہ تسخیر
گلشن مین نیا شگوفہ کھلنا — لڑتے ہی نظر، دلون کا ملنا

سرنامۂ شوق کی وہ تحریر | پتّے پہ کنول کے دل کی تصویر
دونوں کی وہ رسم کتخدائی | وہ وصل وہ ساعتِ جدائی
مجبور کا رنج مول لینا | دُرباسا رشی کا شاپ دینا
تقدیر کے ہاتھوں ردِّ تدبیر | دُشینت و شکنتلا کی تقریر
راجہ کا وہ پھر انگوٹھی پانا | بھولا ہوا عہد یاد آنا
بیتابیٔ دل، تلاشِ جانان | دن پھرنے کا غیب سے وہ سامان
دشینت کی زور آزمائی | دیوان سیہ سے وہ لڑائی
وہ اندر کی بزم کا نظارا | فردوس کا جلوۂ دلآرا
ناکام کا کامگار ہونا | گم گشتہ سے پھر دوچار ہونا
وہ عشق کی حسن سے ملاقات | وہ ہجر کے بعد وصل کی رات

اے برق یہ داستان رنگین
ہے لائقِ آفرین و تحسین

مہاراج بہادر برق دہلوی

کلام آثر

از جناب ولایت حسین خانصاحب اثر رامپوری

سہون مین غم بے نہایت کہان تک | دگرگون رہے دل کی حالت کہان تک
چھپے گی چھپانے سے حالت کہان تک | کھلیگا نہ رازِ محبت کہان تک
ہر اک ابتدا کی کوئی انتہا ہے | محبت مین آخر عداوت کہان تک
سہارے مین رکھو گے کب تک کسی کو | کوئی آزمائیگا قسمت کہان تک

آخر ہونے والا ہے جو ہو رہے گا
یہ فکرِ مآلِ محبت کہان تک

بزمِ سخن

جناب محشر لکھنوی

ہجر مین یونہین جان کھوتے ہین — روتے ہین اور خوب روتے ہین
مین سمجھتا ہون غم کی داد ملی — جب وہ رونے پہ شاد ہوتے ہین
بزم مین آئے تھے نہ بیٹھین گے — کیون خفا اتنا آپ ہوتے ہین
ناصحا اپنی آنکھین دل اپنا — کچھ تو ہم سمجھے ہین جو روتے ہین
یادِ جانان مین بیخودی سی ہے — ہم نہ ہشیار ہین نہ سوتے ہین
شبِ فرقت کے جاگنے والے — مرنے پر نیند بھر کے سوتے ہین

جتنا محشر کبھی ہنستے تھے ہم
آج اُس سے زیادہ روتے ہین

جناب فرخ بنارسی

دل شوریدہ پھر ہنگامہ آرائے محبت ہے — تمناؤن مین ہلچل آرزؤن مین قیامت ہے
لبِ زخمِ جگر لذت کشِ حسن ملاحت ہے — کوئی شورِ تبسم سے نمک پاشِ جراحت ہے
جھلکتا ہے فنا کا رنگ ایک اک غنچۂ گل سے — گلستانِ جہان نظارہ گاہِ چشمِ عبرت ہے
سہے زحمت کوئی کبتک گوارا نا گوارا کی — تری محفل مین ساقی ہوش گم ہونا غنیمت ہے
دل برباد کے ماتم مین روتی ہین لہو آنکھین — سرشکِ خون نہین خمیازۂ کیفِ محبت ہے
تماشہ ہے کوئی کچھ حسنِ جانان کو نہین کہتا — گلہ آنکھون کو دل سے دلکو آنکھون سے شکایت ہے
سنائینگے تمہین افسانۂ دل رو تو لینے دو — زبانِ عشق مین آنسو ہی تمہیدِ حکایت ہے

کتاب عمر مین باقی بہت سے ہین ورق سادے
ابھی تک نامکمل اپنی ہستی کی حکایت ہے

تمنّا نے کسی بیدرد کی چھیڑا ہے پھر فرسخ
دل مایوس پھر منت کش درد محبت ہے

جناب صفدر مرزاپوری

غفلت کی نیند وصل کی شب کیا کرے کوئی
وہ محو خواب ناز ہین دیکھا کرے کوئی

شان اپنی ذرّے ذرّے مین پیدا کرے کوئی
اتنا تو ہمکو محو تماشا کرے کوئی

صدقے غرور حسن کے آئینہ دیکھکر
تصویر بن گئے ہین کہ دیکھا کرے کوئی

یہ ایک لفظ وہ ہے کہ مطلب ادا نہو
اُن سے ہزار شرح تمنّا کرے کوئی

ملتا نہین مزاج جو ملتے بھی ہین کہین
کس طرح اُن سے عرض تمنا کرے کوئی

کیف شباب شام جوانی کی لذتین
لے کر چراغ صبح کو ڈھونڈا کرے کوئی

شانہ بہت ہے زلف گرہ گیر کے لیے
ہاتھون سے اپنے عقدۂ دل وا کرے کوئی

آداب چاہتا ہے یہ دربار حشر کا
کوئی بھی ہو کسی کو نہ رسوا کرے کوئی

صفدر ہجوم حشر سے مجھکو یہ خوف ہے
گھبرا کے پھر نہ وعدۂ فردا کرے کوئی

حضرت عشرت رحمانی المحبوبی رامپوری

گردش ایام لیکر آئی غفلت کا جواب
قصر بربادی ہے گویا اوج ورفعت کا جواب

حشر زار فتار ہے اُس آفتاب حسن کی
وہ قد رعنا بھی ہے گویا قیامت کا جواب

کاتب قسمت کو بھی احساس درد دل ہوا
حسن کے پردے مین بھیجا ہے محبت کا جواب

اے گل رعنا تری شادابی وافسردگی
ہے دل مرحوم کی گویا نزاکت کا جواب

کاتب قسمت نے کوشش تو بہت کچھ کی مگر!
پھر نہ لکھا جا سکا بدبخت قسمت کا جواب

ہوشیار اے رہرو راہ تکبر ہوشیار!
بزم حسرت ہی بنیگی "بزم عشرت" کا جواب

واہ اے "ذوق ندامت" اس قدر بیچارگی
یون نہ دینا چاہیئے تھا "بزم عشرت" کا جواب

جنوری ۲۷ء کے زمانہ میں آئین اُردو پر جو تنقید شائع ہوئی ہے۔ اسکے متعلق جناب فرجاد کوتانوی مولف آئین اُردو نے ایک مختصر سا تنقیدی جواب لکھا ہے۔ ہم جناب ممدوح کی تحریر کا وہ حصہ جو تنقید زمانہ سے متعلق ہے ہدیۂ ناظرین کرتے ہین اور اسکے نیچے اپنے تنقید نگار کا جواب بھی درج کرتے ہین (ایڈیٹر)

جناب فرجاد تحریر فرماتے ہین کہ۔

"ابتدائی نکتہ چینی پر جو اعتراض فرمایا گیا ہے۔ کیا دیباچہ کو نہین پڑھا جسمین اس نکتہ چینی کی وجہ اور اسکے متعلق معذرت درج ہے اور کیا یہی اعتراض اس ریویو پر وارد نہین ہوگا۔ غیر مستحسن طرز کی تقلید کیا مستحسن سمجھی گئی (مین الزام اسکو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اصطلاح جر کو بدلنا چاہیے تھا۔ جو اُن معنون مین استعمال نہین ہوا جو عربی اصطلاح مین قرار دیئے گئے ہین لفظ ربط کو بجائے جو آپ تجویز فرماتے ہین۔ اور اس طرف توجہ نہین فرماتے کہ مولف آئین اُردو نے لفظ ربط کو مقسم قرار دیکر علامت فاعل۔ علامت مفعول۔ علامت اضافت کلمات جر۔ کلمات تخصیص کلمات تاکید وغیرہ کو ربط کی قسم قرار دیا ہے۔ اگر مقسم اور قسم کے لیے ایک ہی لفظ مقرر کر لیا جاتا۔ تو تمیز کس طرح ہوتی۔

تیسرا اعتراض تذکیر و تانیث کے قواعد کے متعلق۔

صفحہ ۴۵۔ آئین اُردو پر جو قاعدہ سیّد اور سیّدانی کے متعلق ہے وہ (نی) (انی) جو اردو مین علامت تانیث ہے اس کے متعلق ہے۔ ریویو نگار صاحب کو کوئی لفظ ایسا ملا جسکا دوسرا حرف مشدّد ہو گو اسکا مونث اُردو مین استعمال نہ ہوتا ہو۔ اس قاعدہ کے

محنت مین سیر دور مصرانی یا مصر اور مصرانی آسکتے ہین۔

مولف نے آخر مین خود لکھدیا ہے کہ تذکیر و تانیث کا کوئی کلیہ قاعدہ اُردو مین نہین سب سماعی ہین پھر اعتراض کی کیا ضرورت تھی۔

اب بلحاظ علامت تانیث کے مین چھر کے ہموزن الفاظ آپ کو بتلاتا ہون جو مجھے آسانی سے ملے۔

مکڑا ، لکڑ ، پتا ، منڈا ، بگڑ ، پتھر ، بچڑ ، کپا ، پکا ، دھگڑ ، کھدر ، گتا منو ، کلا ، بچا ، سچا ، دھکا ، پتہ ، پتہ وغیرہ اس قاعدۂ علامت (ی) یا (نی) والے خلاف لفظ سودر اور سودری کے قاعدہ کو بیان کیا ہے۔ حالانکہ اسمین صرف یائے معروف علامت تانیث ہے اور اس قسم کے بعض الفاظ چھر کے ہموزن الفاظ مین لکھ آیا ہون۔

(فرحاد علیہ الرحمۃ)

رسالۂ زمانہ بابت جنوری مین بسلسلہ تنقید آئین اُردو مینے جو کچھ عرض کیا تھا اس سے متاثر ہوکر جناب فرحاد نے جو تحریر ارسال فرمائی ہے اسکو آپ ملاحظہ فرما چکے ہین۔ مین نے آئین اُردو کا دیباچہ دیکھا اور جناب فرحاد کی معذرت بھی پڑھی۔ لیکن میری رائے اب بھی وہی ہے جو پہلے تھی۔ جناب فرحاد نے اپنے ایک دوست کے کہنے سے مصباح القواعد اور قواعد اُردو پر اعتراضات کئے ہین۔ ان کے دوست کا خیال تھا کہ اگر مروجہ قواعد پر اعتراضات نہ کئے گئے اور ان کی غلطیان نہ دکھائی گئین تو یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ بموجودگی دیگر قواعد آئین اُردو کی کیا ضرورت ہے۔

چنانچہ یہ نکتہ مولانا فرحاد کی سمجھ مین بھی آگیا اور آپ نے آئین اُردو کو مستند بنانے کے لیے یہ ستم کیا کہ کتاب کے شروع ہی مین مصباح القواعد اور قواعد اُردو پر کھلے کھلے اعتراضات کئے اور اس خیال سے کئے کہ اب آئین اُردو کی صحت مین کسی کو شبہہ نہ ہوگا۔

ان اعتراضات کے متعلق خود جناب فرحاد ان الفاظ مین معذرت کرتے ہین۔

"مین نہایت شرمندہ ہون کہ اس عیب گوئی سے اپنا ہنر ظاہر کر رہا ہون۔ اور اس ناقابل معافی قصور کے لیے عذر گناہ بدتر از گناہ سے کام نکالنا چاہتا ہون" الخ

اس تحریر سے ظاہر ہو گیا کہ ان اعتراضات سے صرف اظہار کمال مقصود تھا لیکن ہم آپ کو بتلا

دلاتے ہیں کہ یہ اظہار کمال کا پسندیدہ طریقہ نہیں چنانچہ آپ خود بھی اسے ناقابل عفو سمجھتے ہیں جناب فرحاد کی یہ منطق بھی قابل داد ہے کہ "کیا ہی اعتراض اس ریویو پر بھی وارد نہیں ہو سکتا غیر مستحسن طرز کی تقلید کیا مستحسن سمجھی گئی "

مقصود یہ ہے کہ میں نے اعتراضات کئے تھے تو اس ریویو میں بھی اعتراضات موجود ہیں۔ پس جو الزام آئین اردو پر ہے وہی اس ریویو پر بھی عاید ہوتا ہے۔ لیکن مولانا کو یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ دلیل آپ کے لیے مفید نہیں۔ بحیثیت تنقید نگار میرا فرض تھا کہ ایک طرف میں بموقع اعتراضات پر نکتہ چینی کروں اور دوسری طرف اعتراضوں کی اہمیت کے لحاظ سے ان کا اعتراف بھی کروں۔ اور جہاں آئین اردو کی خوبیوں کی تعریف کی ہے وہیں اسکی خامیوں کو بھی نمایاں کرنے کی کوشش کروں۔ اب اگر آپ اسکو قابل اعتراض قرار دیکر اپنی لغزشوں کے جواب میں پیش کرنا چاہتے ہیں تو سخت تعجب ہے۔

آپ نے اپنے خط میں اصطلاح جر کے متعلق بھی چند فقرے تحریر فرمائے ہیں۔ میں آئین اردو سے وہ عبارت پیش کرتا ہوں جسمیں حالت مجرور ہی اور حرف جر کی تفصیل ہے ملاحظہ فرمائیے۔

"حالت مجروری ایسا اسم ہو جسکا تعلق کسی فعل یا شبہ فعل یا صفت کیساتھ کلام سے ظاہر ہو یا یوں کہو کہ جو اسم حرف جر کے تحت میں ہو جیسے

زید دہلی سے آیا۔ بکر چھت پر چڑھا، بکر کی گولی چاندماری کے چاند پر لگی۔ (صفحہ ۵۶)

کیا اس تحریر کے بعد آپ پھر بھی یہ کہنے کی جرأت رکھتے ہیں کہ "جر اُن معنوں میں استعمال نہیں ہوا جو عربی اصطلاح میں قرار دیئے گئے ہیں، کیوں حضرت کیا من کا ترجمہ سے، علی کا ترجمہ نہیں، کیا من اور علی عربی کے حرف جر نہیں البتہ وہ خاص خصوصیت جو عربی حرف جر کی ہے اردو میں پیدا نہیں ہو سکتی۔ کہ حرف جر اپنے معمول کو کسرہ دیدیتا ہے۔ اسی لیے میں نے عرض کیا تھا کہ اس پرانی لکیر کے پیٹنے سے کیا حاصل حرف جر کا نام حرف ربط رکھ لیجئے۔

یہ بھی صحیح نہیں کہ مولف آئین اردو (یعنی جناب) نے لفظ ربط کو منقسم قرار دیکر علامت فاعل علامت مفعول، علامت اضافت وغیرہ کو ربط کی قسم قرار دیا ہے۔ خدا جانے آپ نے ربط کے کیا معنی سمجھے ہیں۔ اور ربط کو مختلف حصوں میں کیونکر تقسیم کیا ہے۔

آپ نے صفحہ چون(۵۴) و پچپن(۵۵) پر اسماء کی چھ مختلف حالتین قائم کی ہین، حالت فاعلی۔ حالت مفعولی۔ حالت مجروری۔ حالت ظرفی۔ حالت اضافی حالت ندائی۔

حالت مجروری کی جو مثالین آپ نے پیش کی ہین ان کا نمونہ مین اوپر پیش کر چکا ہون اب مین پھر کہتا ہون کہ اگر آپ فرضی حروف جر کو اُڑا دین اور انہین حروف ربط کہنے لگین تو سوا اسکے اور کیا نقصان ہوگا کہ آئین اُردو سے مجروری حالت نکل جائیگی۔ ممکن ہے کہ آپ کہین کہ پھر اس حالت کا نام کیا رکھا جائے۔ مین کہتا ہون کہ اس حالت کی ضرورت ہی کیا ہے۔ جب آپ غور کرینگے تو جملے مین فاعلی مفعولی وغیرہ کوئی نہ کوئی حالت ضرور موجود ہوگی مثلاً زید کلکتہ سے آیا۔

ہم کہہ سکتے ہین کہ زید حالت فاعلی مین ہے۔ اس جملہ مین سے حرف ربط ہوگا۔ وقس علیٰ ہذ القیاس۔

آپ نے سیّد و سیدانی کے متعلق بھی عجیب عجیب گل افشانی فرمائی ہے۔ مین نے آئین اُردو کی عبارت پیش کر کے لکھا تھا۔ کہ ایک یا دو مثال کیلئے قاعدہ بنانا غیر معمولی طوالت ہے۔ ایسے قاعدے سماعی ہین اور انھین کلیہ بنانا درست نہین۔ آپ نے اُس تحریر کے جواب مین جو کچھ لکھا ہے، اور جس انداز مین لکھا وہ ناظرین اوپر پڑھ چکے ہین۔

میری تحریر کا یہ مطلب تھا کہ مچھّر کے علاوہ کوئی دوسرا اسم مشکل سے ملیگا۔ جبکا دوسرا حرف مشدد ہو اور آپ کے مقررہ معیار پر اسکی تانیث آتی ہو۔ حضرت فرجاد نے اصل بحث سے الگ ہٹکر مچھّر کے ہموزن الفاظ پیش کئے ہین۔ جن مین سے بعض کی تو تانیث ہی نہین آتی اور بعض کی تانیث دوسرے وزن پر آتی ہے۔

فرماتے ہین کہ مچھر کی تانیث نہین آتی۔ ممکن ہے کہ آپ کا یہ خیال صحیح ہو۔ لیکن خواجہ حسن نظامی نے بچّون کی تعلیم کے سلسلے مین جو رسالہ لکھا ہے۔ اسمین ایک جگہ مچھّر کے قصے مین۔ مچھّر کی مادہ کو مچھرانی لکھا ہے۔ مین نے بھی اکثر حضرات کو مچھرانی بولتے سنا ہے یہ عجیب بات ہے کہ جو بات آپکو معلوم نہو وہ سرے سے غلط ہے اگر بفرض محال مچھر کی تانیث "مچھرانی" نہ مانی جائے جب بھی وہ اعتراض اپنی جگہ پر قائم ہے۔

علاوہ برین آپ نے جتنے اسماء پیش کئے ہین ان مین سے ایک کی بھی تانیث سیدانی کے وزن پر نہین آتی بعض الفاظ مین تانیث سے تذکیر بنائی ہے۔ مثلاً مکڑی سے مکڑا۔ لکڑی سے لکڑ پڑی سے پڑا۔ ہنڈی سے ہنڈا وغیرہ پتھر، گتّا، منّو، دھکّا، بیّا وغیرہ تانیث سے بی نیاز ہین۔

بچّہ۔ پتّہ، کی تانیث اگر بچّی اور پتّی مان لیجائے جب بھی آپکو کوئی فائدہ نہین پہنچتا کیونکہ سیدانی کے وزن پر نہین پھر فرمایئے ان بیکار مثالون سے کیا فائدہ۔ اگر آپ فرمائین تو اس قسم کے دس بیس الفاظ مین بھی پیش کر دون جو سیّد کے وزن پر تو ہونگے لیکن یا تو تانیث سے بی نیاز ہونگے یا ان کی تانیث سیدانی کے وزن پر نہ آسکے گی۔

سوّر کی تانیث مین بھی آپ دھوکا کھا گئے ہین کیونکہ سوّر کی تانیث سورنی نہین آتی بلکہ سوّریا آتی ہے۔

آپ نے مسّر سے مسّرانی بھی غلط لکھا۔ مسٗر پر تشدید نہین۔

یہ ضروری نہین کہ جس اسم کا دوسرا حرف مشدّد ہو وہ (بقول آپکے) تانیث مین ساکن ہو جائے مثلاً

کھتّری سے کھترانی

بچّہ سے بچّی

پتّا سے پتّی

ملّا سے ملّانی

اور یہ بھی ضروری نہین کہ جس اسم کا دوسرا حرف مشدّد ہو اسکی تانیث مین سیّد سے سیدانی کی طرح (نی) یا (انی) ضرور آئے،

مثلاً کتّا سے کتیا

سُوّر سے سُوّریا

ان مثالون سے ثابت ہو گیا کہ آئین اُردو کا یہ قاعدہ کلیّہ نہین ہو سکتا کہ جن اسما کا دوسرا حرف مشدّد ہو وہ تانیث مین ساکن ہو جاتا ہے (جیسے سیّد سے سیدانی) بلاشبہ اُردو مین تذکیر و تانیث کا کوئی کلیہ قاعدہ مقرر نہین اس معاملہ مین ہمین اہل زبان حضرات کی پیروی لازم ہے۔

اعظمی

مسز سروجنی نیڈو

زمانہ

جلد ۴۹ — دسمبر ۱۹۲۷ء — نمبر ۶

سروجنی نائیڈو

ایک شاعرہ کی حیثیت سے

(از جناب حامد اللہ صاحب افسر میرٹھی بی۔اے)

جب شاہان مغلیہ کا عظمت وجلال رخصت ہوا اور ایشیائی تہذیب وتمدن کے دلدادہ باقی نہ رہے اور علوم ومعارف مشرقیہ کے ناز بردار اٹھ گئے تو اہل مغرب کے تسلط کے ساتھ سرزمین ہند مین ایک نئے دور کی ابتدا ہوئی جس سے اس ملک کے طرز بود وماند اور تمدن معاشرت پر نمایان اثر پڑا۔

سیاسی مسائل کے روبراہ ہونے کے بعد ارباب حل وعقد احیا علوم وفنون کیطرف راغب ہوئے لیکن اب سنسکرت مین اتنا دم نہ تھا کہ اس دور جدید کا ساتھ دے سکے اور عربی اور فارسی مین بھی یہ صلاحیت نہ رہی تھی کہ اس اجنبیت کا بار سنبھال سکین چنانچہ لارڈ مکالے کی اسکیم نے فارسی زبان کی صد سالہ حکومت چھین کر ہندوستان کی علمی زندگی کی باگ انگریزی زبان کے سپرد کردی۔

اس مین کلام نہین کہ انگریزی زبان کی ترویج واشاعت سے ہندوستان مین تحصیل علوم وفنون کیلیے ایک نیا باب کھل گیا اور تہذیب وشایستگی کے موجودہ مفہوم کے مطابق ایک نیم ترقی یافتہ ملک کو مدارج ترقی تک پہنچانے کے لئے یقیناً اس غیر ملکی زبان نے جو کچھ کیا وہ دوسری طرح ممکن نہ تھا۔ آج انگریزی زبان ہی ہندوستان کی موجودہ لٹریری زندگی کی روح روان ہے اور اگر سچ پوچھیے تو ہماری ملکی زبانون کو جو کچھ فروغ حاصل ہے وہ اسی کی بدولت ہے۔

ہندوستانیون نے انگریزی زبان کے باغ کو صرف سیر و تفریح - اور پھل پھول حاصل کر کے اپنی مادری زبان کے اُجڑے ہوے چمن کو زیب و زینت دینے کا ذریعہ ہی نہین بنایا بلکہ ان مین سے اکثر خود اس باغ کی آبیاری مین مشغول ہو گئے - اسمین شک نہین کہ حقیقی جذبات و حسیّات کا اظہار موثر طریقے پر اپنی مادری زبان ہی مین بہتر ہو سکتا ہے "اور یہ دلبستگی اور کیفیت کسی غیر ملکی زبان سے حاصل نہین ہو سکتی - لیکن مغربی تہذیب کے ظہور سے مشرقی زندگی مین چند کیفیات کا احساس پیدا ہو گیا ہے جو قدرتاً اپنے فطری لباس مین جلوہ افروز ہوتا ہے "

سب سے پہلے بنگال نے مغربیت کا اثر اپنے ادب و لٹریچر پر محسوس کیا - چنانچہ انیسوین صدی کی ابتدا ہی مین سرزمین بنگال نے کاشی پرشاد گھوش - راج نرائن دت - ہر چندر دت - اور گووند چندر دت جیسے شعراے باکمال پیدا کئے - انھون نے انگریزی زبان کو اپنے جذبات اور حسیّات کے اظہار کا ذریعہ بنایا - آپ کو اگر ان مین سے کسی کا کلام دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے تو آپ نے اندازہ کیا ہو گا کہ اُسمین اس درجہ سلاست اور روانی موجود ہے کہ انگلستان کی زبان مطلق ان بنگال کے باشندون کی مادری زبان معلوم ہوتی ہے -

اسی ضمن مین ایک خاص بات قابل غور یہ ہے کہ متذکرۂ بالا شعرا نے صرف مغربی زبان اور مغربی طرز تحریر ہی پر قناعت نہین کی بلکہ مغربی تخیل کو بھی اپنی شاعری کا رہنما بنا لیا اور شیلے اور ورڈسورتھ - اور ٹینی سن کا تتبع کیا - یہ ایک نہایت اہم اور مشکل کام ضرور تھا - لیکن ان کی ساعی جمیلہ ہندوستان اور انگلستان کے لیے کچھ زیادہ سود مند ثابت نہ ہوئین - ان کا کلام محض اس حیثیت سے ہندوستانی ہے کہ وہ بنگال مین تصنیف ہوا - اور بس -

حقیقت یہ ہے کہ ایک مشرقی شاعر کے کلام مین مغربی نظر کسی ایسی چیز کو ڈھونڈھتی ہے جس سے مغرب آشنا نہ ہو اور جسے مغرب پیش نہ کر سکے - چنانچہ اکثر انگریز شعرا نے جن پر ایشیائی مذاق کا کچھ اثر پڑا اپنی بعض نظمون مین مشرقی روح کو برقرار رکھنے کی بہت کوشش کی مثلاً امرسن نے اپنی مختصر سی نظم "برہما" مین مشرقی مذاہب کی گہرائیون سے واقفیت کا ثبوت دیا ہے - سر الفرڈ لائل کی نظم "شیو" مین ایک قدیم ایشیائی مذہب کی روحانیت اور جلال کا حقیقی چربہ اُتارا گیا ہے سر اڈون آرنلڈ نے ایک نہایت مختصر نظم "سپیرے کے گیت" مین ہو بہو مشرقی رنگ پیدا کر دیا ہے

یہ انگلستان کی زبان مین ہندوستانی شاعری کا دورِ قدیم تھا۔ دورِ جدید کی ابتدا گووند چندر دت کی یکتائے روزگار بیٹی نے کی۔

تارادت ۱۸۵۶ء مین پیدا ہوئی اور ۱۳ سال کی عمر مین اپنے والدین کے ہمراہ یورپ چلی گئی ۱۸۷۰ء مین لندن اور پیرس کی مختلف درسگاہون سے فیض حاصل کرنے کے بعد کلکتہ واپس آگئی اور چار ہی سال بعد تپ دق کا شکار ہوکر راہی ملک عدم ہوئی۔ تارا کی زندگی کا یہ المناک اختصار ادبی و لٹریری کمالات کا حیرت انگیز مجموعہ تھا۔ شعراء دور قدیم کے خلاف تارا نے اپنے خیالات پر انگریزی اثر کا غلبہ نہ ہونے دیا۔ انگریزی زبان کے ہندوستانی شعرا مین یہ پہلی مثال تھی کہ اپنی وطن کی خصوصیات اور روایات کا اثر کلام مین نمودار ہوا اور سچ یہ ہے کہ تارا نے جس کمال کے ساتھ اس رنگ کو اپنی مختصر زندگی مین نبھایا۔ اس کی مثال ملنا محال رہے۔ تارا نے اس لالہ زار مین جو راستہ پیدا کیا سروجنی آج اُس پر خوش خرامیان کر رہی ہے۔

سروجنی چٹوپادھیائے (چٹرجی) ۱۳ فروری ۱۸۷۹ء کو حیدرآباد دکن مین پیدا ہوئین آپ کے پدر نامدار ڈاکٹر رگھوناتھ چٹوپادھیائے برہمن نگر کے قدیم خاندان چٹرجی کے ایک معزز رکن تھے۔ ڈاکٹر موصوف نے ۱۸۷۷ء مین اڈنبرا یونیورسٹی سے ڈاکٹر آف سائنس کی ڈگری حاصل کی اور اُسکے بعد کچھ مدّت تک مطالعہ جاری رکھا۔ ہندوستان واپس آکر آپ نے حیدرآباد مین نظام کالج کی بنیاد رکھی اور اُسوقت سے برابر اپنے عزیز وطن مین اشاعت تعلیم کیلئے کوشان رہے سروجنی نائیڈو نے خود اپنے متعدد باپ کی زیر نگرانی تعلیم و تربیت حاصل کی ظاہر ہے کہ جس ہونہار پودے نے ایک کامل فن باغبان کی محبت آمیز توجہ سے فائدہ اُٹھایا ہو وہ کیسا کچھ نہ پھلے پھولے گا۔

مسز نائڈو اپنے پدر بزرگوار کی نسبت ایک جگہ لکھتی ہین۔

"میرے آباؤ اجداد ہزار ہا سال سے جنگلون اور پہاڑون کے شیدائی رہے ہین وہ بڑے خیال پرست عالم اور زاہد لوگ تھے۔ خود میرے والد تخیل کے بندے ہین۔ اور متواتر خیالات کی وسیع گہرائیون مین غرق رہتے ہین۔ اور یہ اُن معدودے لوگون مین سے ہین جن کی زندگی شاندار ناکامیابی کا مکمل نمونہ ہے۔ میرا خیال ہے کہ تمام ہندوستان مین بہت ہی کم لوگ ایسے ملین گے جنکا علمی ذوق ان سے

بڑھا ہوا ہو اور پھر ایسے لوگ بھی زیادہ نہ ملین گے جو ان کی طرح ہر دلعزیز رہے ہون ان کے چہرے پر ایک سفید لانبی ڈاڑھی ہے۔ ہو مرنما صورت ہے اور ایسی بلند آواز کہ جب ہنستے ہین تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اب چھت نیچے آ رہے گی انھون نے اپنا تمام مال و زر دو اہم مقاصد مین صرف کیا۔ خلق خدا کی امداد اور کیمیا۔ ہر روز ان کے باغ مین تمام مذاہب کے مقتدر علما کا مجمع رہتا ہے۔ امیر۔ فقیر۔ درویش اور پڑھے ہوئے بدحواس لوگ سب کے سب ایک دوسرے کی صحبت سے لطف اندوز ہین اور یہان سب کے ساتھ یکسان برتاؤ کیا جاتا ہے اور پھر کیمیا اللہ ہو اکبر! رات اور دن نئے نئے عمل جاری ہین جو شخص کوئی نیا نسخہ لاتا ہے اُسے اپنے بھائی کی طرح صحبت مین شریک کیا جاتا ہے۔ لیکن تم جانتے ہو یہ کیمیا کیا ہے محض حسن ازل کی شاعرانہ تلاش نے ایک صورت ظاہری اختیار کر لی ہے۔ سونا بنانے والے اور شعر کہنے والے یہ دونون اس چیز کو پیدا کرنے والے ہین جو اسرار کا علم حاصل کرنے کے لیے دنیا کی مخفی آرزو پر قدرت طلب ہے۔ میرے پدر بزرگوار کا وہ ادراک تجسس سچ روان طبیعات کہہ سکتے ہین میرے اندر آرزوئے تلاش حُسن ہے"

ایک اور جگہ خود اپنی نسبت فرماتی ہین۔

"مجھے جہان تک یاد ہے بچپن مین مجھے شعر کہنے کا کچھ زیادہ شوق نہ تھا اسمین شک نہین کہ مین اول ہی سے فطرتاً بہت ہی خیال پرست واقع ہوئی تھی میری تعلیم و تربیت باپ کی زیر نگرانی نہایت با اصُول طریقے پر ہوئی ہے ان کا پختہ ارادہ تھا کہ مجھے ایک زبردست ریاضی دان یا سائنس دان بنائین لیکن فطری شعریت جو مجھے ان سے اور اپنی ماں سے ورثہ مین ملی تھی غالب رہی جب مین گیارہ برس کی تھی تو ایک دن مین الجبرے کے ایک سوال مین سر کھپا رہی تھی۔ بہتیرا کوشش کی مگر وہ صحیح نہ آیا لیکن اس کے بجائے ایک پوری نظم فی البدیہہ موزون ہو گئی مین نے اسے لکھ لیا بس اسی دن سے میری شاعری کا دور شروع ہوا۔ مین نے تیرہ برس کی عمر مین ایک بڑی نظم لکھی ۱۳۰۰ شعر چھ دن مین کہے اس کے بعد دو ہزار شعر کا ایک ڈراما لکھا۔

اس زمانہ مین میری صحت بہت خراب ہوگئی تھی۔ اور چونکہ صحت درست نہ رہنے کی وجہ سے باقاعدہ تعلیم کا سلسلہ منقطع ہوگیا تھا۔ اور کافی فرصت ملی۔ مین ہمہ تن کتب بینی مین مشغول ہوگئی میرے نزدیک جسقدر بھی مین نے پڑھا ہے اُسکا زیادہ حصہ میری چودہ اور سولہ سال کی عمر کا سرمایہ ہے ؟؟

اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ بچپن ہی مین سروجنی نائیڈو کا میلان طبع کس قدر شاعری کی جانب تھا اور تمام حقیقی شعرا کا یہی حال ہوتا ہے کہ عموماً عمر کے پہلے حصہ مین جذبات کے لیے بیتاب بدتر ہین خود مجھ پر بھی یہی گزری ہے اور سچ یہ ہے کہ میری بعض نظمین جو مجھے اپنے کلام مین سب سے زیادہ پسند ہین وہ اسی زمانہ کے ہیجان جذبات کی تصویر ہین۔

سروجنی نے مدراس یونیورسٹی سے بارہ سال کی عمر مین انٹرنس کا امتحان پاس کیا ۱۸۹۵ء مین انگلستان بھیجی گئین اور وہان ۱۸۹۸ء تک قیام پذیر رہین۔ پہلے تو کنگس کالج لندن مین تعلیم حاصل حاصل کی اور اس کے بعد گرٹن مین رہین۔ یہان تک کہ آپ کی صحت نے جواب دے دیا۔ ۱۸۹۸ء سے پہلے کچھ عرصہ تک آپ نے اٹلی مین سفر کیا۔ اٹلی ایسا مقام نہ تھا جو اپنی فطری خوبیون اور قدیم صناعیون کا سروجنی کے دل پر گہرا اثر نہ ڈالتا۔ آپ کہتی ہین۔

"یہ اٹلی تو تمامتر سونے کا بنا ہوا ہے۔ صبح کی روشنی مین سونے کی چمک ستارون کے حسن مین سونے کی جھلک مئی کے مہینہ کی بھینی بھینی خوشبوؤن سے بسی ہوئی راتون مین جگنوؤن کی منور ہستی مین سونے کا رنگ۔ ہائے یہ سونے کے ہوائی تارے۔ میرا جی چاہتا ہے کہ ان کے رقص مستانہ مین جو ایک خاص موسیقیت ہے اس پر قابو حاصل کرون، اور ایک نظم کہون جس کے ارکان ان کی بیتابی کے ہم آہنگ ہون جس کی بحر دلہ کی بے ترتیب پروا کی طرح ہمہ لرزش "

ستمبر ۱۸۹۸ء مین سروجنی حیدرآباد واپس آئین اور دسمبر مین ڈاکٹر نائڈو سے شادی کی حالانکہ وہ آپ کے ہم ذات نہ تھے۔ اسلیئے یہ مناکحت سروجنی کی آزاد طبعی۔ کشادہ دلی۔ اور فراخ حوصلگی کی پختہ دلیل ہے۔

مسز نائڈو نے اپنے بچّون کے نہایت معنی خیز اور شاعرانہ نام رکھے ہین مثلاً "جے سوریہ" یعنی فتح خورشید

"رندعیسر" ۔ "مولائے جنگ" اور "لیلا منی" "جوہر نشاط"!

مسز سروجنی نائڈو ایک اعلےٰ پایہ کی خطیب ہین آپکی تقریرون مین کچھ ایسا جادو ہوتا ہے کہ سننے والے محوحیرت ہوجاتے ہین ۔ بلند اور پُرترنم آواز اس پر لفظون کی ترکیبین ایسی پاکیزہ کہ گویا واضعان زبان نے یہ الفاظ محض اسی لیے بنائے تھے کہ سروجنی کی پیاری زبان سے نکلین ۔ مین وہ دن کبھی نہ بھولون گا جب مین نے پہلے پہل میرٹھ مین مسز سروجنی نائیڈو کی تقریر سنی ہے ۔ شام کے آٹھ بجے تھے ۔ صاف اور شفاف چاندنی کھلی ہوئی تھی ٹاؤن ہال کے احاطے مین پکے ٹینس لان پر چھ سات ہزار آدمیون کا مجمع تھا کہ روح القدس سے فیض حاصل کرنے والی ایشیائی نازک خیالیون اور معنی آفرینیون کی جیتی جاگتی تصویر سامنے آئی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ فطرت کے ہرے بھرے گلزار مین شبِ ماہتاب کے حسن آفرین اور دلفریب منظر سے متاثر ہوکر بلبلِ ہزار داستان بے اختیار نغمہ سرائی پر مجبور ہے ۔ کاش گیس کی روشنی بھی موجود نہ ہوتی تو چاند کی شعاعین اس فطرت کے چھلکتے ہوئے بلبل کا پیام براہ راست فرشتون تک لیجاکر انھین بھی مستفیض اور محظوظ ہونے کا موقع دیتین ۔

تقریر کے دوران مین جب آپ مجمع کیطرف خطاب کرکے کہتی تھین کہ "اے میرٹھ کے باشندو! تو ہر شخص کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ براہ راست مجھے ہی مخاطب کر رہی ہین ۔ مین تو اس جادو کے اثر سے بندھے ہوئے چھ ہزار ساکت و سامت سامعین کے عظیم الشان مجمع مین بار بار کھویا جاتا تھا ۔

تقریر کے موضوع اور مبحث کی نسبت مجھ سے کچھ نہ پوچھئے یہ اخبارون کے رپورٹر بتائین گے مجھے تو اس صنف نازک کے سحر طراز خطیب نے محوحیرت بنادیا ۔ مین اب آپ کو کیونکر بتاؤن کہ تقریر مین کیا خاص خاص مباحث قابل توجہ تھے ۔ اسکا تو ایک ایک حرف دل و دماغ مین جاگزین ہوگیا ۔

سروجنی نائیڈو ایک پولٹیکل اور سوشل رہنما کی حیثیت سے بھی بہت بلند درجہ رکھتی ہین ۔ انکی زندگی کے اس پہلو پر مجھ سے بہتر اصحاب روشنی ڈالین گے ۔ یہان تو سروجنی کو اسکے طبع اور حقیقی رنگ مین دیکھئے ۔ مسز سروجنی نائیڈو کی نظمون کے اسوقت تک تین مجموعے شائع ہوچکے ہین "آستانۂ زرین" "طائر ایام" اور "شکستہ پر" ۔

طائر ایام اب تک سب سے آخری تصنیف ہے ۔ اِس کے دیباچہ مین انگلستان کے مشہور ادیب اور شاعر "مسٹر اڈمنڈ گاس" کہتے ہین کہ "سروجنی نائڈو اپنی ابتدائی نظمون مین جذبات اور تخیل

کے لحاظ سے مطلقاً مغرب کا تتبع کرتی تھیں اور اُن کے کلام میں "ٹینیسن" اور "شیلی" کا رنگ بہت نمایاں تھا۔ مگر آخر مسٹر موصوف نے ان کی طبیعت اس طرف سے ہٹائی۔ اور مسز سروجنی نائیڈو نے آپکی نصیحت پر عمل کیا۔ چنانچہ آپ فرماتی ہیں کہ

"مسٹر گاس ہی نے سب سے پہلے مجھے شاعری کے "آستانۂ زرین" کا راستہ بتایا۔"

مسز سروجنی نائیڈو کی شاعری پر مفصّل تبصرہ تو بہت طویل ہوگا۔ لیکن بعض نظموں کے اقتباسات سے آپ کی شاعری کی چند امتیازی خصوصیات دکھانے کی کوشش کرونگا۔

مسز نائیڈو کی نظمیں حسُن کی تلاش اور امن وراحت کے تجسُس کی تصویریں ہیں اور بعض نظموں سے موسم بہار کا بیتابانہ اثر ظاہر ہوتا ہے۔ بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ آپکا تصنف روح القدس سے فیض پاتا ہے اور اس سے ہکلام ہ بعض روحانی جوش اور وجد کا آئینہ ہیں۔ اسکے علاوہ ایسی نظمیں ہیں جن سے حسُن کا جلال برس رہا ہے اور جن میں محبّت کی آگ بھڑک رہی ہے۔ اور پھر وہ ہیں۔ جو مادر وطن کے پُر شوکت وجلال ماضی کی یاد دلوں میں تازہ کرتی ہیں۔ بعض سے وطن پرستی کے جذبات دلوں میں جوش زن ہوتے ہیں۔ اور اس طرح افراد میں اپنے قومی وجود کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ حسُن و محبّت کے لطیف جذبات ادا کرنے میں ایسی کیفیت پیدا کر دی ہے کہ انگلستان کی زبان میں مشرق کی نزاکت ولطافت رونما ہے۔ چنانچہ ذیل میں آپکی چند نظموں کے اقتباسات درج کئے جاتے ہیں۔ جن سے آپ اندازہ کر سکیں گے کہ یہ تمام باتیں سروجنی کی شاعری میں بوجوہ احسن موجود ہیں۔

"اُٹھ مادر وطن! اُٹھ تو کہ ایک غیر محدود زمانہ تک شباب سے ہم آغوش رہی ہے۔ اُٹھ!
.... قومیں جو تاریکی اور ظلمت کی گہرائیوں میں بھٹک رہی ہوں۔ ان کی رہنمائی کر
اُٹھ! اس مقام تک لیچل جہاں نورانی صبح جلوہ افروز ہے۔"
ہا۔ ماں! تو ابھی تک کیوں سو رہی ہے؟ تو ابھی تک کیوں سو رہی ہے؟
اُٹھ کہ تیرے بچّے تجھے پکارتے ہیں"

شہزادی زیب النساء اپنے حسُن کی تعریف میں کہتی ہے۔

"جب میں اپنے رخ سے نقاب الٹتی ہوں تو گلاب کے پھول رشک وحسد سے زرد پڑ جاتے ہیں۔ ان کا دل اس تکلیف سے پھٹ جاتا ہے اور ایک آہ کی طرح بیتابانہ خوشبو نکلتی ہے

اور جب مین خاموش باغ کے گنجان حصے مین سے گذرتی ہون تو میرے حسن سے متاثر ہوکر بلبلین حیرت سے چونک پڑتی ہین اور اپنی کانپتی ہوئی آواز سے سرور افزا گیت گاتی ہین"
موسم بہار سے خطاب کرکے فرماتی ہین۔
بہار! اے خوش فضا بہار! تیرا جوہر کیا ہے؟ ایک بلبل کا نغمہ، ایک پھول کا تبسم پانی کی لہرون پر شبنم کا رقص، نسیم کی آواز جو چلتے ہوئے گاتی ہے ایک دلھن کی اُمید ایک دوشیزہ کا خواب"

بہار! اے خوش اثر بہار! تیرا راز کیا ہے؟
تیرے سحرآلود سرور کی پیدا کی ہوئی فرحت، جو صبح کے وقت کو دنیا کی عجائبات کا مجموعہ بنا دیتی ہے۔ اور ہر چیز مین حسن کے وجود پذیر ہونے کا باعث ہوتی ہے۔ آسمانون پر قبضہ حاصل کرلیتی ہے۔ اور غنچون پر فتحیاب ہوتی ہے جو دنیا کے دل کی مسرت کا ذریعہ ہین"
ایک لوری کا پہلا بند کیسا دلفریب ہے۔
"لونگ اور الائچی کے ہرے بھرے پودون سے، چاولون کے کھیت پر سے کنول کے پھولون سے پار ہوکر مین تیرے لیے ایک شبنم مین سرشار خواب لاتی ہون"
ایک نظم مین جسکا عنوان "ستی" ہے فرماتی ہین۔
"میری زندگی کے چراغ! موت کے لبون نے اپنے سانس سے تجھے یکایک گل کردیا۔ تیرے بجھے ہوئے شعلے کو کوئی چیز پھر زندہ نہین کرسکتی"
اے میری زندگی کے پودے! ظالم موت نے تجھے پامال کردیا۔ تیری برباد شدہ خوبی اور خوشنمائی کو اب کوئی چیز پھر ہرا بھرا نہین کرسکتی۔ جب پودہ ہی نہین تو کلیان کہان سے قائم رہ سکین گی"
محبت کے پراسرار جوش کا اظہار ذیل کی نظم مین کیسی خوبی سے کیا گیا ہے۔ اس نظم کا عنوان ہے "ہمایون کا خطاب زیب النساء سے"
تو بیداری مین خواب کی طرح مجھپر تسلط کیے ہوئے ہے، تو خواب مین چاند کی طرح نظر آتی ہے۔ مشک کی تیز خوشبو کی طرح میری رگ رگ مین بس رہی ہے، راگ کی تیز آواز کی طرح مجھپر

تاب ہونا چاہتی ہے۔ کیا کوئی نقاب میری محبت کو روک سکتا ہے۔ کیا کوئی پردہ تیرے حسن کو چھپا سکتا ہے ۔؟ دوئی باقی نہ رہے۔ من و تو کا قصہ مٹا دے تاکہ میں بے باکانہ کہہ سکوں

"تو غیرے نہ من غیرم"

حقیقت یہ ہے کہ ان نظموں کا لطف ترجمہ کے اندر آدھا بھی باقی نہیں رہا ہے جن اصحاب کو اصل نظموں سے لطف اندوز ہونے کا موقع ملا ہے اُن پر مسز نائیڈو کے کلام کا جو اثر ہوا ہے وہ کسی طرح اُردو ترجمہ سے حاصل نہیں ہو سکتا۔

حامد اللہ افسر

"عظمت اسلام"

یہ مختصر سا رسالہ ہری رام صاحب نے مذہب اسلام کے فضائل کے متعلق لکھا ہے اور انصاف کے ساتھ چند ایسے سوالات کے جواب تحریر کئے ہیں جو مناظروں میں مذہب اسلام کے متعلق کئے جاتے ہیں ۔ قیمت دو آنہ ملنے کا پتہ ہوم بک ڈپو علیگڈھ ۔

"نٹشے"

اس کتاب میں جناب ایم اے سکلّے صاحب نے جرمنی کے مشہور فلاسفر فریڈرک نٹشے کے مفصل حالات تحریر فرمائے ہیں ۔ اور اسکے فلسفیانہ مباحث اور نظریوں پر تبصرہ کیا ہے عبارت پاکیزہ کتابت و طباعت نفیس حجم ۱۰۲ صفحہ قیمت ایک روپیہ ۔ ملنے کا پتہ دار المصنفین اعظم گڈھ

"ریبرن اور اکبر"

یہ رسالہ چند صفحوں کا ایک مختصر سا مرقع ہے جسمیں انگریزی وضع کی سات تصویریں ہیں اور ہر تصویر کے بالمقابل لسان العصر حضرت اکبر الہ آبادی مرحوم کے اشعار درج ہیں تمہید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تصویروں کے نیچے اکبر مرحوم نے خود یہ اشعار لکھدیے تھے چونکہ ان اشعار کا تعلق تصاویر سے تھا ۔ اسلئے اکبر مرحوم کے صاحبزادے سید عشرت حسین صاحب بی اے کینٹب) یو، پی، سی، ایس، نے خاص اہتمام سے ان اشعار کو معہ تصاویر کے کتابی صورت میں شائع کیا ہے ۔ کتاب پائنیر پریس الہ آباد میں چھپی ہے اور سید عشرت حسین صاحب بی ۔ اے کینٹب یو ۔ پی ۔ سی ۔ ایس سے مل سکتا ہے ۔

ہندوستانی قومیت اور مسلمانانِ ہند

ہندوستان کی خوش قسمتی کہیئے یا بدنصیبی گذشتہ سوا ماہ سے انگلستان کے اخبارات مین ہمارا ذکر خیر (بلکہ زیادہ تر ذکر بد) غیر معمولی طور سے ہوا ہے۔ مقالات افتتاحی اور سیاسی رہنماؤن کے اظہار خیالات کے علاوہ بڑے بڑے مصنفون اور مدبرون نے بھی ہندوستانی مسائل پر کتابین شائع کین اور مضامین لکھے ہین۔ مجھے اور معاملات سے تو اسوقت چندان تعلق نہین البتہ مسلمانون کی سیاسی حیثیت اور تحفظ حقوق کا جو چرچا آجکل ہو رہا ہے اسپر مین بھی اظہار خیالات کرنا چاہتا ہون۔ لارڈ منٹن نے منجملہ دیگر وجوہ کے کمیشن اصلاحات سے ہندوستانیون کی بے تعلقی کی بڑی وجہ ہندو اور مسلمانون کے تعلقات کو قرار دیا ہے۔ عام ہندوستانی مسلمانون کے رویہ سے مایوس ہو رہے ہین اور بعض یہ خیال کر رہے ہین کہ مستقبل ہند مین ہم مسلمانون کی وہی حیثیت ہونے والی ہے جو آئرلینڈ مین السٹر کی ہے۔ کمیشن کے ارکان کے انتخاب کے متعلق ایک پرمذاق دوست نے اسکا بھی افسوس کیا ہے کہ مس میو صاحبہ کو جنکو حال مین "مادر ہند" کی بدولت عموماً ہر جگہ اور خصوصاً انگلستان مین غیر معمولی شہرت نصیب ہوئی ہے۔ اسقدر کاوش و محنت کے باوجود بھی ارکان کمیشن مین شامل نہین کیا گیا ورنہ ذہنی حیثیت سے کمیشن مکمل ہو جاتا۔

بہر حال میرے زیر غور اور برادران علیگڈھ کے مطالعہ کے قابل بڑا سوال ہمارے حقوق جداگانہ کا ہے سید امیر علی صاحب بالقابہ نے بھی اخبار ٹائمس مین خامہ فرسائی کی ہے لیکن مین سمجھتا ہون کہ صاحب موصوف کے دلائل سر عبد الرحیم بالقابہ سے زیادہ وقیع نہین جو ممدوح نے صدر مسلم لیگ کی حیثیت سے اپنے فاضلانہ خطبہ مین بیان فرمائے تھے۔ دونون محترم اور مفتخر شخصیتون کا اس پر اتفاق ہے کہ ہندوؤن اور مسلمانون کے درمیان مذہب و تہذیب و تمدن کے کچھ ایسے اصولی اختلافات ہین کہ دونون تاریخی اعتبار سے دو بالکل مختلف اور شاید متضاد قومین ہین۔ میرا مقصد اس دلیل پر تنقید کرنا ہے جس کے بعد جداگانہ حلقہائے

انتخابات جداگانہ تنظیم مذہبی تعلیم اور اسلامی درسگاہون وغیرہ کے ضروری اور ضمنی مسائل خود بخود حل ہوجاتے ہین۔ اِس ضمن مین ایک عظیم الشان مسئلہ کیطرف اشارہ کرنے کی بھی ضرورت ہے جس کے متعلق شاید مجھے بڑے بڑے اکابرین قوم سے اظہار خیالات کی جسارت کرنا پڑے۔ لیکن مذہب کی ناکمل معلومات کی وجہ سے مین اسوقت اس مسئلہ سے پہلو تہی کرنا چاہتا ہون اور وہ مسئلہ مذہب اور سیاسیات کے تعلق کا ہے۔ بہرحال اسوقت مین اس مغاد پر ایک عام فہم سطح نظر سے غور کرنا چاہتا ہون۔

مجھے اس سے سردست سروکار نہین کہ مذہبی احکام اس بارہ مین کیا ہین مگر بڑے بڑے محققین نے اسے ضرور محسوس کیا ہے کہ انسانی زندگی پر مذہب کے علاوہ گذشتہ روایات اور قدیم تاریخ کا بھی بڑا اثر ہوتا ہے بلکہ اکثر علماء کا تو یہ خیال ہے کہ یہ قومی خصوصیات اور تاریخی روایات خود مذہب کو اپنے رنگ مین رنگ لیتی ہین۔ مثلاً خلافت اسلام پر جو مختلف دور شام اور بغداد مین گزرے ان کا اثر نہایت بیّن اور دیرپا ہوا۔ چنانچہ استادی پروفیسر حبیب صاحب کا یہ خیال ہے کہ محمود غزنوی کے کارنامون مین قرآن و حدیث سے بڑھکر شاہنامہ اور عجمی روایات کی جھلک پائی جاتی ہے یہ ایک عظیم الشان حقیقت ہے۔ بہرنوع اگر ذاتی عقائد کو بالائے طاق رکھکر ہم احادیث اور خلفائے راشدین کی پیشنگوئیون پر تاریخی نظر ڈالین تو اسلامی فرقون کی بنیادی وجہ بھی اسی طرح سمجھ مین آسکتی ہین جس طرح ہم یونین کلب کے الیکشن اور لباس وغیرہ کے اختلافات اور طلباء کی مختلف پارٹیون کو علیگڈھ مین سمجھ لیتے ہین۔ اگر قارئین کرام میرے ذاتی تجربہ کے حوالہ کو معاف فرمائین تو مین ایک لطیفہ درج کرون۔ لکھنؤ مین ایک بزرگ جو تحفظ حرمین کی تحریک مین پیش از پیش تھے اپنے خیالات کا اظہار ایک دعوت کے موقعہ پر فرمارہے تھے اور اسکا بار بار حوالہ دیتے تھے کہ مین صرف اسوجہ سے ابن سعود کے خلاف ہون کہ میری رگون مین سچا ہاشمی خون ہے۔ بدنصیبی سے مین اس شاندار خصوصیت سے محروم تھا انھون نے نہایت جوش اور خود اعتمادی کے لہجہ مین میرے خیالات دریافت کئے اور مجھے اعتراف کرنا پڑا کہ مجھے کبھی اس مسئلہ سے کوئی دلچسپی نہین ہوئی ہے صرف اس لیے کہ میری قومیت کو اس سے کبھی کوئی تعلق نہین رہا۔ مین اس بدنصیبی اور اپنے دل کنو آشنا سے بھی آپکو مطلع کردون کہ باوجود اس کے کہ کئی پشت سے مین مسلمان ہون اور ہمیشہ اسلامی درسگاہ مین تعلیم پائی ہے اور دینیات کے باقاعدہ امتحانات پاس کرچکا ہون تاہم مجھے ابھی تک اسکا رنج ہے کہ میرے مفروضہ آباؤ اجداد کو مسلمان

حملہ آورون نے شکست دی۔ محمد غوری کی پہلی شکست سے مجھے کبھی کوئی افسوس نہین مجھے معلوم نہین کہ آخرت مین میرا اسکے برعکس کیا حشر ہوگا۔ اسلئے کہ مین من دون المومنین اولیاء کفار سے ہمدردی رکھنا ناجائز بتلایا گیا ہے مگر مین اس فطری اور خلقی خیال کو ترک نہین کر سکتا۔

میری کفر پرستی یہین ختم نہین ہوتی بلکہ کئی منزل آگے ہے۔ مین نے کبھی کسی سید کو (میرے محترم سید دوست معاف فرمائینگے) کبھی کسی خاص احترام سے نہین دیکھا صرف اسلئے کہ وہ خاندان سادات سے ہین اُس کے خلاف بعض اوقات مین اپنے ہمقوم ہندوؤن کو محبت کی نگاہ سے دیکھتا ہون اور مین نے دیدہ ودانستہ اپنا مخدوم بھی ایک ہندو ہی کو منتخب کیا ہے۔ ان تمہیدی الفاظ سے جو بظاہر غیر ضروری اور ذاتیات سے متعلق ہین میرا مدعا اس دلیل کی جانچ کرنا ہے کہ مسلمانان ہند اسلئے مخصوص مطالبات پر مصر ہین کہ ان کی تہذیب وتمدن ومعاشرت ہندوؤن سے بالکل مختلف اور ان کی تاریخی روایات جداگانہ ہین۔ اپنی ذاتی مثال دینے سے میرا مقصد یہ ہے کہ سات کروڑ نفوس مین جو ہندوستانی مسلمانون کی تعداد خیال کیجاتی ہے نوسے فیصدی اشخاص مجھ جیسے نومسلم ہین۔ بعض قومیت سے دور ہو کر ایک ہی صف مین کھڑے ہوگئے ہین۔ بعض مین ابھی یہ شعار باقی ہے۔ جہان تک مذہبی روایات کا تعلق ہے مین اپنی تسکین اس حدیث کو پڑھکر کر لیتا ہون کہ خیرکم فی الجاھلین خیرکم فی الاسلام اس سے بڑھکر مجھے اس مشہور روایت کی تاویل سے تسکین ہوتی ہے الائمہ من قریش یعنی میرے نزدیک اسلام نے اور خلفائے راشدین نے قومی حیثیت کو بھلایا نہین تھا۔ اگر کوئی صاحب (جیسا کہ عام طور سے کہا جاتا ہے) فرمائین کہ نہین اسلامی شعار پر عمل پیرا ہونا چاہیئے۔ تو مین جواباً ان سے سوال کرنا چاہتا ہون کہ اسلامی شعار سے ان کی کیا مراد ہے۔ کیونکہ تاریخی اعتبار سے عجمی عربی اور خود ہندی شعار واقعی حیثیت رکھتے ہین۔ اور مجھے اپنی قومی روایات کو کسی غیر ملکی شعار کے حوالہ کرنے مین انتہائی تامل ہے۔

مجھے یقین ہے کہ شعار سے مراد ان حضرات کی اکرمکم عنداللہ اتقاکم یا شان ابوذر نہین ہوتی کیونکہ ان وسیع معنون مین کسی ملت ومذہب کی تعلیمات سے کوئی اختلاف نہین پڑتا۔ اور شان اسلامی تہذیب کی کوئی خاص شان پیدا نہین ہوتی جسپر ہمیم عمل ہوا ہو۔ اسلئے گو سر عبدالرحیم کے خیالات قابل معافی ہون کہ وہ تاریخ دانی کے دعویدار نہین ہین اور سیاسی رہنماؤن کو سب طرح کے

حیلے اور لچر دلیلین روا ہین لیکن سید امیر علی صاحب بالقابہ نے میرے خیال سے ایک نہایت غلط اور گمراہ کن تاریخی نظریہ قائم کیا ہے۔

دوسرا اہم سوال یہ ہے کہ ہندی تمدن (جو مسلمان اور جملہ اقوام ہند کی مشترک میراث ہے) خود بھی کوئی حقیقی شے ہے یا نہین۔ مجھے اسوقت اس سے غرض نہین کہ ڈاکٹر اقبال نے ہمارا نصب العین اور مقصد حیات کیا مقرر کیا ہے۔ مین قارئین کرام کو صرف اس حقیقت پر متوجہ کرنا چاہتا ہون کہ ہم چند نوجوان علیگڈھ کے عارضی قیام کی بدولت ایک خاص قسم کا تمدن پیدا کر لینے کے دعویدار ہو گئے ہین ہم اپنے مادر علمی کی مخصوص روایات پر فخر کرتے ہین۔ لیکن کیا واقعی آپ کا یہ خیال ہے کہ جب ایک قوم دوسری قوم کے ساتھ ایک ہی خطۂ ارضی پر ایک ہزار سے زائد سال کی مدت تک متواتر رہ چکی ہو اور ایک صدی قبل اسکے کسی مورخ یا عالم نے کبھی اپنے مخصوص تہذیب کا دعوی نہ کیا ہو) تو یہ خیال صحیح ہو سکتا ہے کہ ہم اور دیگر اقوام ہند ایک ہی تمدن کے وارث نہین ہین اور جس طرح تمام ملکی خصوصیات کا تقاضا ہوتا ہے کیا ہمارا تمدن بھی عجمی۔ عربی تمدن کی طرح ہندی رنگ لیے ہوئے نہین ہے یہ دوسری بات ہے کہ تاریخی واقعات کو محو کر کے ہم اسکا ماتم کرتے رہین کہ اسلام گنگا کے دہانے مین غرق ہو گیا یا پردیس مین آکر غریب الغربا ہو گیا۔ اس مختصر مضمون مین اس کی گنجائش نہین ہے کہ مین حضرت نظام الدین اولیا کے اقوال یا دارا شکوہ۔ جہانگیر اور اکبر کے واقعات زندگی کا تذکرہ کرون یا ان تحریکات کا حوالہ دون جو دو قومون کے ارتباط باہمی سے پیدا ہوئین مگر میرے خیال مین یہ واقعہ روز روشن کی طرح واضح ہے۔ کہ ہم ہر اعتبار سے ہندی ہین اور ہندی رہین گے۔ چاہے ڈاکٹر اقبال اسکا ماتم کرین یا مولانا شبلی اور خواجہ حالی اس پر آنسو بہائین۔

مین ان سطور کو جلد ختم کرنا چاہتا ہون اور اس لئے تیسری دلیل پر اس سے بھی کم وقت صرف کرونگا۔ آجکل بڑا سوال مذہب اور سیاست کے باہمی تعلق کا ہے۔ ہم مین عموماً ہر شخص اور خصوصاً اور بڑے لوگ اسکے دعویدار رہین کہ اسلام یہ ہر شعبہ زندگی کے لئے ایک مکمل قانون کے بمنزلہ ہے اسلئے ہم سیاسیات کو مذہب سے جدا نہین کر سکتے۔ جن معانی مین یہ خیال صحیح ہے وہ نہایت عمومی ہین اور اس سے مراد صرف روح مذہب ہے یعنی سیاسیات کو دنیا کی بہتری کا ایک ذریعہ ہونا چاہئے اور اسلئے مکاولی MECHAVELLI. کی تقسیم اخلاق غلط ہے۔ لیکن اگر اس کے معنی تنگ

اور محدود کر دیئے جائیں تو یہ دعوے غلط ہے اسلیے کہ آج تک یہ شرمندہ معنی نہوا۔ آخر آپ اس کا کی
جواب دیجئے کہ باوجود حکم " امرہم شوری بینہم " کے اسلام نے صحیح حریت مطلق ا
پادشاہت اور خالص دنیوی حکومت کے سب دور دیکھے ہین اور اس پر مسلسل عمل ہوا ہے کہ مذ
کو سیاسیات سے کوئی تعلق نہیں رہا - جب علاء الدین خلجی نے قاضی مغیث الدین کی ایک نہ سنی ت
عالم نے صدائے احتجاج بلند کرنے کی ہمت نہ ہوئی بہرحال ہمیشہ بڑے سے بڑے معلم الاخلاق بھی ک
خاموش ہو رہے ہین کہ

رموز مملکت خویش خسروان دانند

حال ہی مین جمہوریہ ترکی نے بھی خلافت کا نام و نشان محو کرکے اس حقیقت کا جس پر صدیون س
ہو رہا تھا از سر نو اعلان کر دیا ہے -

اس سے بھی بڑا اور اہم سوال جو جدید زندگی مین پیدا ہو رہا ہے یہ ہے کہ آج ہماری تعلیم اور
تحریکات کی بدولت روز بروز ہمارے خیالات وسیع ہو رہے ہین - غالباً وہ ایسی جو زمانہ قدیم
حالات پر پوری پوری منطبق تھین اب گمراہ کن ہو گئی ہین - میرے بیان کی تشریح یہ ہے کہ ہمارا
مخصوص مذہبی مطالبات کا ہے مگر ہمارے ذہن کی ترکیب سائنس اور ہر قوم کے لٹریچر سے ہوا
ہم ٹالسٹائے ٹامس ہارڈی - شکسپیر - مکالے - مل وغیرہ وغیرہ سے متاثر ہو رہے ہین - وا
یہ ہے کہ ہم بین الاقوامی ذہنیت پیدا کر رہے ہین مگر ہمارا دعوے بلکہ ماتم یہی ہوتا ہے کہ "روح بلالی
" فلسفہ رہ گیا تلقین غزالی نہ رہی " وغیرہ وغیرہ -

اسکے ساتھ ہی اسکا اعتراف بھی ہے کہ

حکمت مغرب سے ملت کی یہ کیفیت ہوئی
ٹکڑے ٹکڑے جسطرح سونے کو کر دیتا ہے گاز (اقبال)

الغرض بقول ڈلائل برن مذہب جس معنی مین کہ ہم خیال کرتے ہین قرون وسطی کا
فرسودہ ڈھکوسلا رہ گیا ہے - میرا ذاتی عقیدہ تو یہ ہے کہ انسان کے محرکات زیادہ تر اقتصادی
ہین اور ہم اسی اصول پر جماعت بندی کرتے ہین جس کی بدولت مذہبی تقسیم بالکل بے معنی ا
ہے - عملی سیاسیات کا یہ روزمرہ کا مشاہدہ بھی ہے کہ مذہبی دعوؤن کی افراط تفریط سے گو ہمارا

کے معنی سمجھنے مین پیچھے رہ جائے اور اُس قدرتی امتزاج اور باہمی اختلاط اقوام مین جو فطرت کا تقاضا ہے۔ مزاحمت ہے لیکن مذہبی دعوؤن کا فرار واقعی کوئی علی صورت اختیار کرنا ممکن ہے۔

غرض اس خیال سے کہ اسلامی تہذیب فی الحقیقت کوئی علیحدہ اور مخصوص شے نہین ہے اور اس لحاظ سے کہ ہندی تمدن ہماری گھٹی مین پڑا ہوا ہے۔ گو ہم مین سے بعض اسے تسلیم نہین کرنا چاہتے نیز اس وجہ سے بھی کہ مذہب کو سیاسیات سے ان معنون مین کوئی تعلق نہین ہے جنمین ہمین بتلایا جاتا ہے مین سمجھتا ہون کہ ہم مسلمانون کو مخصوص مطالبات اور تحفظ کا کوئی تاریخی حق حاصل نہین ہے۔ رہے ماہران سیاست اور ان کے وعظ اور مذہبی دعوے ان کے نسبت مین صرف اسقدر اشارہ کر سکتا ہون کہ

گر اسلام ہمین ست کہ واعظ دارد
وائے گر در پس امروز بود فردائے

امید ہے کہ مجھ سے مختلف العقائد احباب ان مسائل پر غور فرمائینگے اور میری تردید کی کوشش کرین گے۔ اسلئے کہ مین اپنے عقائد کی ترمیم اور اصلاح کے لیے آمادہ ہون اور دیانت داری سے کسی صحیح نتیجہ پر پہنچنا چاہتا ہون۔

(از لندن)	کنور محمد اشرف ایم، اے، ایل ایل بی

تحریری مقابلہ

انجمن اتحاد (جامعہ ملیہ اسلامیہ) نے طے کیا ہے کہ اس سال ایک تحریری مقابلہ کیا جائے جسمین بہترین مضمون نویس کو جناب عبد العزیز صاحب انصاری ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی وکیل بارہ بنکی کی جانب سے اون کے مرحوم دوست اور ملک کے مشہور انشا پرداز جناب ولایت علی صاحب بمبوق کی یادگار مین ایک پچاس روپیہ کا طلائی تمغہ دیا جائے عنوان حسب ذیل ہے۔

"۱۸۵۷ء کے بعد مسلمانان ہند کی تعلیمی جد و جہد اور اسکے نتائج"

مضمون تقریباً ۵۰ صفحات پر مشتمل ہو اور ۳۱ مارچ ۱۹۲۵ء تک ناظم انجمن اتحاد جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے پتہ سے آنا چاہیئے۔ مولوی عبد الحق صاحب بی۔ اے ناظم انجمن ترقی اردو۔ مولانا عبد الماجد صاحب دریا آبادی ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کے ذمہ رکھا گیا ہے۔ مضمون کی اہمیت کا لحاظ رکھتے ہوئے امید ہے کہ ملک کے اکثر ادیب اور طلبہ اسطرف توجہ فرمائینگے۔

کسیا ضلع گورکھپور

سنہ ۱۹۲۵ء کے بڑے دنون کی تعطیلون مین ہمین لکھنؤ جانے کا اتفاق ہوا۔ اتفاقیہ اثنائے گفتگو مین مرے ایک مسلم دوست نے مجھ سے کہا کہ :-

"پنڈت جی۔ ہمارے داماد ہاٹل کے تحصیلدار تھے۔ اونھون نے جب کسیا مین بدھ بھگوان کی مورتی دیکھی تو اون پر ایک ایسی محویت طاری ہوئی اور ایسا روحانی جذبہ پیدا ہوا جس کی مسرت کئی دن تک اون کی طبیعت پر رہی۔ لاہور سے اتنی دور تو آپ آگئے ہین ایک رات کی اور مسافت ہے۔ آپ اپنے پیغمبر کے درگاہ ضرور دیکھ آئیے۔ آپ نہایت محظوظ ہون گے"

دعا دیتا ہون اوس دوست کو جن کے مشفقانہ ترغیب نے مجھے اپنے گورو کے آخری وقت کے منظر کا مجسمہ دیکھنا نصیب ہوا۔ اون کی گفتگو کا یہ اثر ہوا کہ کانپور کی سیر کے بعد وہان سے ہم سیدھے گورکھپور پہونچے۔ یہان سے ہم نے موٹر کار پچیس روپیہ مین کرایہ کیا اور کسیا پہونچے۔ جو پختہ سڑک پر گورکھپور سے پینتیس میل دور ہے۔ کسیا ایک چھوٹی سی بستی ہے چند قدم پر یہان سے بدھ بھگوان کا مندر ہے۔ جاتریون کی آگاہی کے لیے یہ بھی بتلا دینا ضروری ہے کہ گورکھپور سے آگے پانچوان ریلوے اسٹیشن دیوریا ہے۔ یہان سے لاری بہ نرخ ایک روپیہ پانچ آنہ فی سوار مسافرون کو کسیا لیجاتی ہے۔ اور دو گھنٹے کے وقفہ کے بعد ہمراہ دیوریا واپس لے آتی ہے۔ دو گھنٹے مین مندر وغیرہ بخوبی دیکھا جاسکتا ہے۔

کسیا پہونچکر ہم نے چوکیدار کو بلایا اوس نے مندر کا دروازہ کھولا۔ مندر کے احاطہ کے بیرونی دیوار مین گنیش جی مہاراج براجمان ہین۔ نہایت بے تکلفی کی حالت مین مگن ہین۔ اس کے نیچے بدھ بھگوان کی مختصر سی مورتی رکھی ہوئی ہے۔ پاس ہی ایک ٹوٹی ہوئی اینٹ تقریباً ۳ فٹ لمبی رکھی ہوئی ہے۔ اس سے بھی بڑی بڑی اینٹین یہان برآمد ہوئی ہین۔ اندر داخل ہوئے تو کیا دیکھتے ہین کہ بدھ بھگوان کے بستر مرگ کی حالت ایک عظیم الشان مورتی سے دکھلائی گئی ہے۔ یہ بت بیس فٹ

کے قریب لمبا ہے - سونے کے ورقون سے ہمہ تن مڑھا ہوا ہے - گویا ساری مورتی سونے کی معلوم ہوتی ہے - تناسب اعضا بالکل صحیح ہے - جو اثر اس کے درشن سے ہمارے دل پر ہوا - اسے الفاظ ادا نہین کر سکتے - ایسی محویت کی کیفیت تھی کہ بیان سے باہر ہے - دل ہی جذبات کا مرکز ہے وہی جانتا ہے دھنیا داون عقیدت مندون کو جنکی شردھا نے دنیا کے جگت گورو کی آخری حالت دکھلا دی - ہم نے ہاتھ جوڑ کر بودھی کلمہ پڑھا - یعنی -

بدھم شرنم گچھامی دھرمم شرنم گچھامی
سنگھم شرنم گچھامی

پھر ہم نے پرکمّا شروع کی - تو تخت کے حاشیہ پر آنند کی مورتی بحالت اندوہ وغم کندہ دیکھی - اوس کے قریب دو اور شاگردون کی مورتیان بھی کندہ تھین - مندر کی ایک دیوار مین سنگ مرمر کا ایک کتبہ دیکھا - جس مین اس مجسمہ اور مندر اور استوپا کی برآمدگی - مرمت اور ترتیب کا ذکر زبان انگریزی کندہ تھا - اوس کا ترجمہ حسب ذیل ہے :-

یہ مشہور مجسمہ اور مندر بدھ کے نروان کی حالت کے ہین یہ اور اسکے قریب کا استوپا دونون کھودے گئے - مورتی کے بیشمار ریزے جا بجا پراگندہ پائے گئے - ان سب ٹکڑون کو جمع کیا گیا - اونکو ترتیب دیکر اور مرمت کر کے مورتی کو اصلی شکل مین بحال کیا گیا - مندر کی بھی مرمت ہوئی - اور اوسپر چھت ڈالی گئی -

کسن گارا - مارچ ۱۸۷۷ء اے - سی - کارلائل
آرکیلاجیکل سروئیر

مقابلہ کیجئے اُن لوگون کا جنھون نے اس نمونہ صنعت اور بُدھ دھرم کے ایسے عظیم الشان مجسمہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے پھینکدیا - اون لوگون سے جنھون نے ہزار ہا روپیہ کے صرف اور محنت شاقہ سے اس کے ٹکڑے جمع کیے اور ریزہ ریزہ جوڑ کر اسکو اصلی حالت مین بحال کیا - گوتم بُدھ کرم کے مسئلہ کا علمبردار تھا - بقول اس کے مکافات عمل سے کوئی بچ نہین سکتا - انجام کو بت شکن کس حالت کو پہونچے اور بحال کنندے کس معراج عروج پر پہونچے ہین - سچ ہے -

گندم از گندم بروید جو ز جو از مکافات عمل غافل مشو

مندر کی عمارت کے عین قرب مین ایک متوسط ضخامت کا ایک استوپا ہے - سنا کہ اس میں سے

کچھ اشیاء برآمد ہوئین تھین۔ جو لکھنؤ کے عجائب خانہ مین بھیجدی گئی ہین۔ قرب وجوار مین بہت سے کھنڈرات کھودے گئے ہین۔ دو مدفونہ چاہ بھی نکلے ہین۔ ان مین سے ایک کو اندر سے مٹی نکالکر آبنوشی کے قابل بنایا گیا ہے۔ چند سال ہوئے کہ اس چاہ سے اکثر ہندو ناستک کا کنوان کہکر پانی نہین پیتے تھے۔ اب یہ تعصب رفع ہوگیا ہے۔ حال مین یہان ایک میلہ ہونے لگا ہے۔ جس مین اب بہت لوگ آتے ہین۔ خاصی رونق ہونے لگی ہے۔ گویا آب در جوۓ آمد۔ ذرا سے فاصلہ پر بدھ بھگوان کے ایستادہ حالت کی مورتی بھی جو برآمد ہوئی تھی قرینہ سے نصب کی گئی ہے۔ اسے یہان کے لوگ کنویاتر کی مورتی بیان کرتے ہین۔ جو بدھ بھگوان کے شاگردون مین سے تھا۔ بلکہ یہ مندر کنوریاتر کے نام سے یہان مشہور ہے۔ ہمین کسی قسم کا شبہہ اس مورتی کے بدھ بھگوان کی مورتی ہونے مین نہین۔ کھنڈرات کی مزید کھدوائی اب بند ہے۔ ان کھنڈرات سے کسی قدر فاصلہ پر کسی برمی رئیس نے ایک دھرم سالہ بنوادیا ہے۔ اسمین ایک چاہ بھی ہے۔ اس کے ایک کمرہ مین سنگ مرمر اور پیتل کے بدھ بھگوان کی مورتیان ایک تخت پر رکھی ہوئی ہین جن کی جاتری پوجا کرتے ہین۔ ہندوستان سے باہر کے بودھی مت کے لوگ یہان کثرت سے جاترا کو آتے ہین۔ ہمارے وہان پہونچنے سے قبل بہت جاتری آئے ہوئے تھے۔ ہم نے صرف تین جاتری اراکان کے باشندے وہان دیکھے۔ دہرم سال برآمدہ مین اس دہرم سال کے بانی کی تصویر آویزان ہے۔ علاوہ اس کے ایک اور باشندہ صوبہ آگرہ کا فوٹو بھی آویزان ہے جو جزیرہ لنکا مین جاکر بھکشو ہوگیا تھا ایک بودھی بھکشو یہان عرصہ سے رہتا ہے جو برما کا رہنے والا معلوم ہوتا ہے۔ ہم نے اُسے اسٹراسن صاحب کی کتاب بدھ اور اُس کا مت کا اُردو ترجمہ پیشکش کیا اور اُس کے ساتھ خوب بات چیت کی وہ ہمارے نام سے ناآشنا نہ تھا۔ نہایت ملنسار اور متبرک شخص ہے۔ دروازہ کے باہر ایک گھنٹہ مرکب دھاتون کا برمی ساخت کا آویزان ہے جس کی آواز نہایت دلاویز بلکہ موسیقی ہے۔ فرط شوق سے ہمنے تبرکاً دونون کنوون کا پانی پیا۔

بودھون کے چار تیرتھ ضروری سمجھے جاتے ہین۔

(۱) کپل وستو۔ جنم بھوم

(۲) بدھ گیا۔ جہان عرفان حاصل ہوا۔

(۳) سارناتھ جہان اول وعظ کما گیا۔

(۴) کس آما - جہان بدھ کی وفات ہوئی - اب اسکو کسیا کہتے ہین -
کپل وستو جانے کا راستہ دشوار گذار ہے - کوئی کوئی جاتری وہان پہونچتا ہے - بدھ گیا - سارناتھ کسیا - آسانی سے دیکھے جا سکتے ہین - کپل وستو کی سڑک بھی درست ہو رہی ہے - ان مین سے بدھ گیا اور سارناتھ تو ہم دیکھ چکے تھے - اس کرسمس مین کسیا بھی دیکھ لیا - اگر حیات مستعار باقی ہے تو آیندہ کسی سال کپل وستو بھی جانے کا ارادہ ہے -

ہم اوس دوست کے نہایت ممنون ہین جنھون نے ہمکو کسیا جانے کی تحریک کی - اگر ایک مسلم پر ایک روحانی محویت طاری ہوئی تھی - تو ایک بودھی مت والے کی طبیعت کی کیا کیفیت ہوگی - الفاظ اس حالت کو بیان نہین کرسکتے -

جس میلہ کا ہم نے اوپر ذکر کیا - اوس کا حال ٹریبون لاہور مین حسب ذیل شایع ہوا تھا :-

ایک مقام کشن نگر (کاسیا) ضلع گورکھپور مین واقعہ ہے - جہان بدھ بھگوان کو پری نروان حاصل ہوا تھا یعنی اون کا انتقال ہوا تھا - مدتون سے یہ جگہہ ویران اور کھنڈر پڑی تھی - ۱۸۷۶ء مین محکمہ آثار قدیم نے یہان کھدوائی کی تو ایک مندر جس مین بدھ کا بت ٹکڑے ٹکڑے ہوا ملا - ایک سٹوپا نروانا سٹوپا نام ملا - اردگرد عبادت خانون کے کھنڈر نکلے - بت کے ٹکڑے جوڑے گئے - ۴۰ سال تک کسی نے خبر نہین لی - گاہے گاہے یہان پر ماہران علم صناوید دیکھنے آجاتے تھے - ۱۹۲۴ء مین تجویز ہوئی کہ یہان میلہ سالانہ لگا کرے - چنانچہ آس پاس کے لوگون نے دلچسپی لی - کانگرس اور ہندو سبھا کی مجلس بھی ہوئی - میلہ بھی پندرہ دن لگتا رہا -
پھر تجویز ہوئی کہ امسال یہان پوری رونق سے میلہ ہو - چنانچہ بیرون ضلع کے اصحاب کو بھی بلایا گیا - دیوریا کے سب ڈیویزنل بورڈ نے ایک روز تعطیل بھی کردی ۸ مئی کو برسی منائی گئی - جلوس نکلا - ایک مصنوعی مندر کی شکل مین بدھ کی ایک ہشت دہاتی مورتی نکالی گئی - شام کو بدھ کی سوانح اور اون کے کارنمایان پر تقریرین ہوئین - مقامی بھکشو چندرمن جی نے اور چند اور بھکشوؤن نے جو باہر سے آئے تھے - اپنی ہمراہی سے جلوس کو رونق بخشی - ہندو سبھا کا جلسہ بھی ہوا جس مین ہندو سنگٹھن - دھارمک تعلیم ہنود - حفاظت گئو ماتا - اچھوت قومون کی ناقابلیت کے دور کرنے کے متعلق تجویز پاس ہوئی - علاوہ ازین چرخہ بھی خوب چلا اور کشتیون کا دنگل بھی لگا دو ہفتہ برابر میلہ جاری رہا یعنی اس سال اس کار خیر پر رونق خوب ہوئی - لوگون مین سرگرمی اور چرچا پھیلا -
(چٹھی از سادھو سرنی ہندو سبھا ضلع گورکھپور ۱۹۲۵ء) منقول از ٹریبون لاہور -

تمام شد

دلشکن حادثے اور ہمارا فرض

ایک ہمدرد دوست کا خط

پانچ برس ہوئے کہ ایک خورد سال بچے کی موت کا غم اوٹھانا پڑا تھا۔ علاج معالجہ مین تو اپنی طرف سے کوئی دقیقہ باقی نہ رہا تھا لیکن مشیت ایزدی کے سامنے کوئی تدبیر کارگر نہین ہوتی۔ ہمارے دلی دوست پریم چند صاحب نے اس حادثہ کی خبر پاکر ایک تعزیتی خط لکھا تھا جو حسن اتفاق سے ہمارے پاس اتبک محفوظ رہ گیا ہے۔ پچھلے ماہ ایک اور خانگی واقعہ نے اس خط کے ہمدردانہ فلسفہ کی یاد دل مین تازہ کردی۔ چنانچہ آج ہم اس محبت نامے کو اس امید پر ہدیۂ ناظرین کررہے ہین کہ دیگر احباب کے لیے بھی جنکو دنیا کے نشیب و فراز سے سابقہ پڑتا رہتا ہے۔ اسکا مطالعہ مفید ثابت ہوگا۔ دنیوی حادثات مرگ و زیست فتح و شکست کے متعلق ہمارے دوست کے خیالات ہمارے دلی جذبات کی بہترین ترجمانی کررہے ہین۔ اور واقعی یہی خیالات ہین جن سے ہمیشہ اور ہر حالت مین انسان کو سکون حاصل ہو سکتا ہے۔

(د ا ن)

آشا بھون۔ بنارس۔

۲۳ اپریل سنہ ۱۹۲۳ء

بھائی جان۔ تسلیم۔ کل صبح ایک خط لکھا۔ شام کو آپ کا کارڈ ملا۔ پڑھکر نہایت صدمہ ہوا بیماریان اور پریشانیان تو زندگی کا خلاصہ ہین۔ لیکن بچے کی حسرتناک موت ایک دلشکن حادثہ ہے۔ اور اسے برداشت کرنے کا اگر کوئی طریقہ ہے تو یہی کہ دنیا کو ایک تماشہ گاہ یا کھیل کا میدان سمجھ لیا جائے کھیل کے میدان مین وہی شخص تعریف کا مستحق ہوتا ہے جو جیت سے پھولتا نہین، ہارسے روتا نہین۔ جیتے تب بھی کھیلتا ہے۔ ہارے تب بھی کھیلتا ہے۔ جیت کے بعد یہ کوشش ہوتی ہے کہ ہار نہین۔ ہار کے بعد جیت کی آرزو

ہوتی ہے۔ ہم سب کے سب کھلاڑی ہین۔ مگر کھیلنا نہین جانتے ایک بازی جیتی، ایک گول جیتا تو ہپ ہپ ہُرّے کے نعرون سے آسمان گونج اُٹھا، ٹوپیان آسمان مین اُچھلنے لگین۔ بھول گئے کہ یہ جیت دائمی فتح کی گارنٹی نہین ہے۔ ممکن ہے کہ دوسری بازی ہار ہو۔ علی ہذا ہارے تو پست ہمتی پر کمر باندھ لی۔ رو دیئے کسی کو دھکّے دیئے، فاول کھیلا اور ایسے پست ہو گئے گویا پھر جیت کی صورت دیکھنی نصیب ہو گی۔ ایسے اوچھے تنگ ظرف آدمی کو کھیل کے وسیع میدان مین کھڑے ہونے کا کوئی مجاز نہین اسکے لیے گوشہ تاریک ہے۔ اور فکرِ شکم، بس یہی اسکی زندگی کی کائنات ہے! ہم کیون خیال کرین کہ ہمسے تقدیر نے بیوفائی کی خدا کا شکوہ کیون کرین! کیون اس خیال سے ملول ہون کہ دنیا ہماری نعمتون سے بھری تھالی کو ہمارے سامنے سے کھینچ لیتی ہے۔ کیون اس فکر سے متوحش ہون کہ قزاق ہمارے اوپر چھاپہ مارنے کی تاک مین ہے۔ زندگی کو اس نقطۂ نگاہ سے دیکھنا اپنے اطمینان قلب سے ہاتھ دھونا ہے۔ بات دونون ایک ہی ہے۔ قزّاق نے چھاپا مارا تو کیا؟ ہار مین گھر کی ساری دولت کھو بیٹھے تو کیا؟ فرق صرف یہ ہے کہ ایک جبر ہے دوسرا اختیار۔ قزّاق زبردستی جان اور مال پر ہاتھ بڑھاتا ہے۔ لیکن ہار زبردستی نہین آتی کھیل مین شریک ہوکر ہم خود ہار اور جیت کو بلاتے ہین۔ قزاق کے ہاتھون لوٹا جانا زندگی کا معمولی واقعہ نہین حادثہ ہے۔ لیکن کھیل مین ہارنا اور جیتنا معمولی واقعے ہین جو کھیل مین شریک ہوتا ہے وہ خوب جانتا ہے کہ ہار اور جیت دونون ہی سامنے آئینگی۔ اسلئے اُسے ہار سے مایوسی نہین ہوتی نہ جیت سے پھولا نہین سماتا۔ ہمارا کام تو صرف کھیلنا ہے۔ خوب دل لگا کر کھیلنا، خوب جی توڑ کر کھیلنا۔ اپنے کو ہار سے اسطرح بچانا گویا ہم کونین کی دولت کھو بیٹھینگے لیکن ہارنے کے بعد پٹخنی کھانے کے بعد گرد جھاڑ کر کھڑا ہو جانا چاہئے۔ اور پھر خم ٹھونک کر حریف سے کہنا کہ ایک بار اور!

کھلاڑی بنکر آپکو واقعی بڑا اطمینان ہوگا۔ مین خود نہین کہہ سکتا کہ مین اس معیار پر پورا اُترونگا یا نہین مگر کم سے کم اب مجھے کسی نقصان پر اتنا رنج نہ ہوگا جتنا آج سے چند سال قبل ہو سکتا تھا مین اب شاید یہ نہ کہونگا کہ ہائے زندگی اکارت گئی کچھ نہ کیا۔ زندگی کھیلنے کیلئے ملی تھی کھیلنے مین کوتاہی نہین کی آپ مجھ سے زیادہ کھیلے ہین۔ ہار اور جیت تو دونون دیکھی ہین۔ آپ جیسے کھلاڑی کیلئے شکوۂ تقدیر کی ضرورت نہین، کوئی گولف اور پولو کھیلتا ہے۔ کوئی کبڈّی کھیلتا ہے بات ایک ہی ہے۔ ہار اور جیت دونون ہی میدانون مین ہین۔ کبڈی کھیلنے والے کو جیت کی خوشی کچھ کم نہین ہوتی اس ہار کا غم نہ کیجئے! آپنے خود ہی نہ کیا ہوگا۔ آپ مجھ سے شاکی ہین۔ مین ۵ یا ۶ مئی تک کانپور آنے والا ہون یہاں کوئی چیز درکار ہو تو بے تکلف لکھئے گا۔ دیگر حالات میرے پہلے خط سے معلوم ہوئے ہونگے۔

آپ کا

دھنپت رائے

کربلا

پانچواں ایکٹ

پہلا سین

(نو بجے دن کا وقت ۔ دونوں فوجیں لڑائی کے لیے تیار ہیں)

رُ ۔ یا حضرت مجھے میدان میں جانے کی اجازت ملے ۔ اب شہادت کا شوق بے قابو کئے ہوئے ہے ۔

سینؑ ۔ ابھی آئے ہو اور ابھی چلے جاؤ گے ۔ مہمان نوازی کا یہ تقاضا نہیں کہ ہم تمہیں آتے ہی آتی

صت کر دیں ۔

رُ ۔ یا فرزند رسول ، میں آپ کا مہمان نہیں غلام ہوں ۔ آپ کے قدموں پر نثار ہونے کے لیے

ا ہوں "

سینؑ ۔ (چشم نم حر سے گلے ملکر) اگر تمہاری خوشی اسی میں ہے تو جاؤ

ا کو سونپا

دنیا کے شہدوں میں ترا نام ہو بھائی		عقبےٰ میں تجھے راحت و آرام ہو بھائی

(حرؔ میدان کی طرف چلتے ہیں ۔ حضرت حسینؑ خیمے کے دروازے تک اُنھیں پہونچانے آتے

ہیں ، خیمے سے نکلتے ہوئے حُرؔ حسینؑ کے قدموں کو بوسہ دیتے ہیں اور چلے جاتے ہیں ۔)

را ۔ (میدان میں جاکر)

غلام حضرت شبیر رن میں آتا ہے		وہی جو دین کا ہے بندہ ، وہ میرا آقا ہے

وہ آئے ٹھونک کے خم جس کی موت آئی ہے		اُسی کا پینے کو خون میری تیغ آئی ہے

(سفیان اودھر سے جھومتا ہوا آتا ہے)

لہ سلسلہ کیلئے دیکھئے زمانہ نومبر ۲۴ء ۔

حُر۔ صفوان کتنے شرم کی بات ہے کہ تم فرزند رسول سے جنگ کرنے آئے ہو؟

صفوان۔ ہم سپاہیون کو مال و دولت اور جاگیر چاہیئے۔ ہمین دین اور عاقبت سے کیا سروکار؟ ہوشیار ہو جاؤ۔

(دونون پہلوانون مین چوٹین چلنے لگتی ہین)

عباسؑ۔ وہ مارا، صفوان کا سینہ ٹوٹ گیا۔ زمین پر تڑپنے لگا۔

حبیب۔ صفوان کے تینون بھائی دوڑے چلے آتے ہین۔

عباس۔ واہ میرے شیر؟ ایک کو تلوار سے لیا۔ دوسرا بھی گرا۔ تیسرا بھی گرا جاتا ہے۔

حبیب۔ یا خدا خیر کر، حُر کا گھوڑا گر گیا۔

حسینؑ۔ فوراً ایک گھوڑا روانہ کرو

(ایک آدمی حُر کے پاس گھوڑا لیکر جاتا ہے)

عباس۔ یہ پیرانہ سالی اور یہ دلیری! ایسا بہادر آجتک نظرون سے نہین گذرا۔ تلوار بجلی کے مانند کوندرہی ہے۔

حسینؑ۔ دیکھو دشمن کا لشکر کیسا پیچھے ہٹا جاتا ہے۔ مرنے والون کے سامنے کھڑا ہونا آسان نہین ہے دلیری کی انتہا ہے۔

عباسؑ۔ حیف اب ہاتھ نہین اُٹھتے۔ تیرون سے سارا جسم چھلنی ہو گیا۔

شمر۔ تیرون کی بارش کرو مارلو، حیف ہے تمپر کہ ایک آدمی سے اتنے خائف ہو۔ وہ گرا۔ کاٹ لو سر۔ اور حسینؑ کی فوج مین پھینکدو۔

(کئی آدمی حُر کا سر قلم کرنے کو جاتے ہین کہ حسینؑ میدان کی جانب دوڑتے ہین)

ایک۔ وہ حضرت امام حسینؑ دوڑے چلے آتے ہین۔ بھاگو نہین تو جان نہ بچیگی۔

حسینؑ۔ (حُر کی نعش سے لپٹ کر)

ٹکڑے ہے بدن زخم بہت کھائے ہین بھائی

اب ہوش مین ہو نعش پہ ہم آئے ہین بھائی

حُر۔ حُر آنکھیں کھول کر دیکھتے ہیں اور اپنا سر ان کی آغوش میں رکھ دیتے ہیں)

حُر۔ یا حضرت آپ کے قدموں پر نثار ہو گیا۔ زندگی ٹھکانے لگی۔

تکیہ تیرے زانو کا میسّر ہوا آقا
ذرّہ تھا یہ اب مہر منوّر ہوا آقا

حسینؑ۔ ہائے! میرا جانباز رفیق جہان سے رخصت ہو گیا۔ یہ وہ دلاور تھا جس نے حق پر اپنے رتبہ اور دولت کو نثار کر دیا۔ جس نے دین کے لیے دنیا پہ لات ماری۔ یہ حق پر جان دینے والے ہیں۔ جنہوں نے اسلام کے نام کو روشن کیا ہے۔ اور ہمیشہ روشن رکھیں گے۔ جا۔ محمدؐ کے پیارے جنت تیرے لیے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہے۔ جا اور حیات ابدی کے لطف اُٹھا۔ میرے نانا سے کہدینا کہ حسینؑ بھی جلد ہی سارے کنبے کو ساتھ لیے ہوئے حاضر خدمت ہونے والا ہے قابل تعظیم ہیں وہ مائیں جو ایسے بیٹے پیدا کرتی ہیں۔!!

دوسرا سین

(میدانِ جنگ۔ سعد کی جانب سے دو پہلوان آتے ہیں۔ یسار اور سالم)

یسار۔ کون نکلتا ہے۔ حُر کا ساتھ دینے کے لیے۔ چلا آوے جسے موت کا ذائقہ چکھنا ہو۔ ہم وہ ہیں جنکے تیغ سے قضا کی روح بھی لرزتی ہے۔

(عبداللہ کلبی حضرت شبیرؑ کے لشکر سے نکلتے ہیں)

یسار۔ تو کون ہے؟

عبداللہ۔ میں عبداللہ بن امیر کلبی ہوں جسکی تلوار ہمیشہ بیدینوں کے خون کی پیاسی رہتی ہے۔

یسار۔ تیرے مقابلے میں تلوار اُٹھاتے ہمیں شرم آتی ہے۔ جا، حبیب یا ظہیر کو بھیج۔

عبداللہ۔ تو، جس کی زندگی زیاد کی غلامی میں گذری اُن سرداران فوج سے کیا لڑیگا؟ تجھے ان رئیسوں کو للکارتے ہوئے شرم بھی نہیں آتی۔ تجھ جیسوں کے لیے میں ہی کافی ہوں۔

(یسار تلوار لیکر جھپٹتا ہے عبداللہ ایک ہی وار میں اُسکا کام تمام کر دیتے ہیں تب سالم

اُن پر ٹوٹ پڑتا ہے۔ عبداللہ کی پانچون انگلیان کٹ جاتی ہین۔ تلوار زمین پر گر پڑتی ہے۔ وہ بائین ہاتھ مین نیزہ لے لیتے ہین اور سالم کے سینے مین نیزہ چبھا دیتے ہین وہ بھی گر پڑتا ہے۔ زیاد کی فوج سے نکلکر لوگ عبداللہ کو گھیر لیتے ہین ادھر سے قمر لکڑی لیکر دوڑتی ہے۔)

قمر۔ میری جان تمپر فدا ہو رسول کے نواسے کے لیے لڑتے لڑتے جان دیدو۔ مین بھی تمہاری مدد کو آئی۔

عبداللہ۔ نہین! نہین قمر۔ میرے لئے تمہاری دعا کافی ہے ادھر مت آؤ۔

قمر۔ مین ان شیطانون کو لکڑی سے مار کر گرا دونگی ایک کے لئے دو بھیجے جب دونون ہم مین بچ گئے تو ساری فوج نکل پڑی۔ یہ کونسی جنگ ہے؟

عبداللہ۔ مین ایک ہی ہاتھ سے ان سب کو مار گراؤنگا۔ تم خیمے مین جا کر بیٹھو۔

قمر۔ مین جب تک زندہ ہون۔ تمہارا ساتھ نہ چھوڑونگی۔ تمہارے ساتھ ہی رسول کی خدمت مین حاضر ہونگی۔

حسینؑ (قمر سے) اے نیک خاتون۔ تجپر اللہ تعالے رحم کرے تم وہان جاؤگی تو یہان مستورات کی خبر گیری کون کریگا۔ عورتون کو جہاد کرنا ناجائز ہے۔ لوٹ آؤ اور دیکھو تمہارا جانباز شوہر ایک ہاتھ سے کتنے آدمیون کا مقابلہ کر رہا ہے۔ آفرین ہے تمپر میرے شیر! تمنے رسول کی جو خدمت کی ہے اُسے ہم کبھی فراموش نہین کر سکتے خدا تمہین جزائے نیک دیگا۔ آہ ظالمون نے تیر مار کر غریب کو گرا دیا! خدا اُسے جنت دے۔

قمر۔ یا حضرت اسکا غم نہین۔ وہ آپ پر نثار ہو گئے۔ اس سے بہتر اور کونسی موت ہو سکتی تھی؟ کاش مین بھی اُن کے ساتھ چلی جاتی! میرے جانباز سپہ دلاور۔ جا اور جنت مین آرام کر! تو وہ تھا جسنے کبھی سائل کو نہین پھیرا۔ جس کی نیت کبھی خراب اور نگاہ کبھی بُری نہین ہوئی۔ جا اور جنت مین آرام کر۔

حسینؑ تم صبر کرو کہ اس کے علاوہ کوئی چارہ نہین ہے۔

قمر۔ مجھے اُن کے مرنے کا غم نہین ہے۔ مین خوش ہون کہ انھون نے حق پر جان دی۔

اسوقت اگر میرے سو بیٹے ہوتے تو مین اسی طرح انھین بھی آپ کے قدمون پر نثار کر دیتی۔
کاش وہب اتنا زن پرست نہوتا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

(وہب کا آنا)

وہب ۔ السلام علیک یا حضرت حسینؑ۔

قمر ۔ (وہب کو گلے لگاکر) ذرا دیر پہلے ہی کیون نہ آگئے بیٹا کہ اپنے باپ کا آخری دیدار کر لیتے نسیمہ کہان ہے ؟

وہب ۔ اِسی خیمے کے پیچھے کھڑی ہے۔

قمر ۔ مین ابھی تمہارا ہی ذکر کر رہی تھی ۔ کیون بیٹا اپنے باپ کا نام روشن نہ کروگے ؟ میرا تمہارے اوپر بڑا حق ہے ۔ اِتنے میرے جگر کا خون پی کر پرورش پائی ہے ۔ میرا دودھ حلال نہ کروگے ۔ ؟ میری تمنا ہے کہ حسینؑ پر اپنی جان نثار کردو ۔ تاکہ جہان مین قمر کا نام قمر کی طرح چمکے ۔ جبکا شوہر اور بیٹا دونون ہی حق پر شہید ہوئے۔

وہب ۔ امان جان ۔ میری بھی دلی تمنا یہی تھی اور ہے ۔ مین اپنے والد کے نام کو داغ نہین لگانا چاہتا ۔ مگر نسیمہ کو کیا کرون ؟ اُس کی مصیبتون کا خیال ہمت کو پست کر دیتا ہے ۔ جاتا ہون اگر اُس نے اجازت دے دی تو میرے لئے اس سے بڑھکر اور کیا خوشی ہو سکتی ہے ۔

قمر ۔ بیٹا تم اُسکی عادت سے واقف ہو کر پھر اُسی سے پوچھنے جاتے ہو ۔ اسکا مطلب اسکے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ تم خود میدان مین جاتے ہوئے ڈرتے ہو ۔

(وہب نسیمہ کے پاس جاتا ہے)

نسیمہ ۔ کاش ہم ذرا دیر قبل آجاتے تو ابا جان کی آخری دعائین ملجاتین ؟

وہب ۔ ہماری بدنصیبی !

نسیمہ ۔ مین جانتی ہون تم مجھے ہمیشہ کے لیے خیرباد کہنے آئے ہو ۔ جاؤ ۔ پیارے ایک سپوت بیٹے کی طرح اپنے والد کا نام روشن کرو ، کاش عورتون پر جہاد حرام نہوتا تو مین بھی تمہارے ساتھ حق کی حمایت مین نثار ہو جاتی ۔ جب سے مین نے فرزند رسول کی پاک صورت دیکھی ہے مجھے ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ میرا دل روشن ہو گیا ہے ۔ اور اُس روشنی مین زندگی کی تمنائین

اور خواہشین نظر سے مٹی جاتی ہین۔ جاؤ پیارے جاؤ۔ اور حق پر قربان ہو جاؤ۔ نسیمہ جبتک زندہ رہے گی۔ تمہارے مزار پر فاتحہ اور درود پڑھے گی۔ جاؤ جنت مین مجھے بھول نہ جانا۔ مین نے بوس کے دام مین پھنسکر تمھین فرض کی راہ سے ہٹا دیا تھا۔ رسول پاک سے کہنا۔ میرا گناہ معاف کرین جاؤ ان آنسوؤن کا خیال نہ کرنا۔ ورنہ یہ آنسو تمہارے جوش کو بجھا دینگے۔ مین ابھی بہت دنون تک دوؤن گی۔ تم اسکا غم نہ کرو۔ جاؤ نکاد بیر مین دیر نہ کرو۔ تمھین خدا کو سونپا۔ آہ! دل ٹکڑے ٹکڑے ہوا جاتا ہے۔ کیسے صبر کرون۔ ؟

(وہب آنسو پونچھتا ہوا باہر جاتا ہے)

قمر - (اندر آکر) بیٹی آ! تجھے گلے سے لگا لون اور تجھپر اپنی جان فدا کرون۔ تو نے خاندان کی لاج رکھ لی۔

نسیمہ - امّان جان۔ رسول پاک نے اگر کوئی بے انصافی کی تو یہی کہ عورتون پر جہاد حرام کر دیا۔ ورنہ اسوقت نسیمہ وہب کے پہلو مین ہوتی۔ دیکھئے دشمن اُن پر چارون طرف سے کتنی بیدردی کے ساتھ نیزے اور تیر کی بارش کر رہے ہین۔ کسی کی ہمت نہین ہے کہ ان کے سامنے خم ٹھونک کر آئے۔ آہ دیکھئے ان کے ہاتھ کتنی تیزی سے چل رہے ہین۔ جسپر ان کا ایک ہاتھ پڑ جاتا ہے وہ پھر نہین اُٹھتا۔ دشمن بھاگے جاتے ہین۔ ہائے بزدلو۔ نامردو۔ ارے وہب زخمی ہو گئے ہین۔ سارا بدن لہو سے تر ہے۔ سر پر بھی زخم لگے ہین۔

(وہب آکر خیمے کے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے)

وہب - امّان جان۔ مجھ سے خوش ہوئین ؟

قمر - بیٹا تجھپر ہزار جان سے نثار ہون۔ تو نے باپ کا نام روشن کر دیا لیکن مین چاہتی ہون کہ جبتک تیرے ہاتھون مین طاقت ہے تب تک دشمنون کو آرام نہ لینے دے۔

وہب (دلمین) آہ حق پر جان دینا بھی اُتنا آسان نہین ہے جتنا لوگ خیال کرتے ہین۔ (ظاہر) امّان جان یہی میرا ارادہ ہے۔ لیکن نسیمہ کے آنسوؤن کی یاد مجھے کھینچ لائی۔ (قریب جاتی ہے) پیاری نسیمہ معاف کرنا۔ تمہارے آخری دیدار کی تمنّا مجھے میدان سے کھینچ لائی ہے۔ صنم کا پجاری صنم ہی پر قربان ہو سکتا ہے۔ دین اور ایمان۔ حق اور انصاف سب اُسکی نظرون مین

کھلونے ہین۔ محبت دنیا کی سب سے مضبوط بیڑی ہے۔ سب سے سخت زنجیر ہے (چونک کر) کوئی پہلوان میدان مین آکر للکار رہا ہے، ہائے لعنت ہو ان پر جو حق کو پامال کر کے ہزارون کو نامراد مرنے پر مجبور کرتے ہین۔ نسیمہ ہمیشہ کے لیے رخصت، میری طرف ایک مرتبہ محبت کی نگاہون سے دیکھ لو ان مین محبت کا ایسا جام ہو کہ ان کا نشہ قیامت تک میرے سر سے نہ اُترے۔

نسیمہ۔ میری جان آہ، دل بیٹھا جاتا ہے۔

(وہب میدان کی طرف چلا جاتا ہے)

خدایا کاش مجھے موت آجاتی کہ یہ دلخراش نظارہ آنکھون سے نہ دیکھنا پڑتا۔ میرا جوان۔ دلیر جانباز شوہر موت کے منھ مین چلا جا رہا ہے۔ اور مین بیٹھی دیکھ رہی ہون۔ زمین تو کیون نہین پھٹ جاتی کہ مین اُسمین سما جاؤن۔ بجلی آسمان سے گر کر کیون میرے مصیبتون کا خاتمہ نہین کر دیتی۔ وہ دیو اُن پر تلوار لیے جھپٹا۔ یا خدا مجھ نامراد پر رحم کر، دور ہو ظالم، سیدھا جہنم کو چلا جا۔ اب کوئی آگے نہین آتا۔ وہ ملعون شمر اپنی جمعیت لیے ان کی طرف دوڑتا ہوا آرہا ہے۔ ہائے ظالمون نے گھیر لیا۔ خدا تو یہ بے انصافی دیکھ رہا ہے اور ان موذیون پر اپنا قہر نہین نازل کرتا۔ ایک کے لیے ایک فوج کو بھیجنا کونسا آئین جنگ ہے، ہائے! ہائے غضب ہو گیا۔ یا خدا اب نہین دیکھا جاتا (چھاتی پیٹ کر رونے لگتی ہے شمر وہب کا سر کاٹ کر پھینکدیتا ہے۔ قمر دوڑ کر سر کو گود مین اُٹھا لیتی ہے اور اُسے آنکھون سے لگاتی ہے)

قمر۔ میرے سپوت بیٹے مبارک ہے یہ گھڑی کہ مین تجھے اپنی آنکھون سے حق پر شہید ہوتے ہوئے دیکھ رہی ہون۔ آج تو میرے قرض سے ادا ہو گیا۔ آج میری مراد پوری ہو گئی۔ آج میری زندگی کامیاب ہو گئی۔ مین اپنی ساری تکلیف کا صلہ پا گئی۔ خدا تجھے شہیدون کے پہلو مین جگہ دے۔ نسیمہ میری جان آج تو نے سچا سہاگ پایا ہے۔ جو قیامت تک تجھے سہاگن بنائے رکھے گا۔ اب حورین تیرے تلوؤن کے نیچے آنکھین بچھائینگی۔ اور فرشتے تیرے قدمون کی خاک کا سرمہ بنائینگے۔

(وہب کا سر نسیمہ کی گود مین رکھدیتی ہے۔ نسیمہ سر کو گود مین رکھے ہوئے بین کر کے روتی ہے)

کاجل بنا بنا کے تیری خاکِ در کو مین … روشن کرونگی اپنی سوادِ نظر کو مین
آنسو بھی خشک ہو گئے اللہ ری سوزِ غم … کیونکر بجھاؤن آتشِ داغِ جگر کو مین
تیرے سوا ہے کون جو لیکس کی لے خبر … آتی نہ تیرے در پہ تو جاتی کدھر کو مین

تلوار کہہ رہی ہے، جوانان قوم سے　　مدت سے ڈھونڈتی ہون تمہاری گرکو مین
بعض آئی ہین دعا ہی سی یارب کہ کب تلک　　کرتی پھرون تلاش جہان مین اثر کو مین
گر تیری خاک ویسے نہ لتا یہ افتخار　　کرتی نہ مین بلند کبھی اپنے سر کو مین

ہائے پیارے تم کتنے بیوفا ہو۔ مجھے اکیلے چھوڑکر چلے جاتے ہو۔ لو مین بھی آتی ہون۔ اتنی جلدی نہین ذرا ٹھیرو۔

(ساہس رائے کا آنا)

ساہس رائے۔ ستی تمہین نمسکار کرتا ہون۔

نسیمہ۔ صاحب آپ خوب آئے۔ آپکا شکریہ، تہ دل سے شکریہ آپ نے مجھے آج اس درجہ پر پہنچایا! سُنا ہے کہ آپ کے وطن مین عورتین اپنے شوہرون کے مرنے کے بعد زندہ نہین رہتین۔ وہ بڑی خوش نصیب ہوتی ہین۔

ساہس رائے۔ ستی ہم لوگون کو اشیرباد دو۔

نسیمہ۔ (ہنسکر) یہ درجہ! اللہ رے مین۔ یہ وہب کی بدولت، اسکی شہادت کا طفیل خدایا تجھ سے میری یہی دُعا ہے۔ میری قوم مین کبھی شہیدون کی کمی نہ رہے۔ کبھی وہ دن نہ آئے کہ حق کو جانبازون کی ضرورت ہو۔ اور اُسپر سر کٹانے والے نہ ملین۔ اسلام میرا پیارا۔ اسلام شہیدون سے ہمیشہ سرسبز رہے!

(اپنے دامن سے ایک سلائی نکالکر وہب کے لہو مین ڈبانی ہے)

کیون ساہس رائے تمہارے یہان ستی کے جسم سے آگ نکلتی، اور وہ اُسمین جلجاتی ہے کیا بغیر آگ کے جان نہین نکلتی؟

ساہس۔ نسیمہ تو دیوی ہے، ایسی عورتون کے دیدار مشکل سے ہوتے ہین۔ آکاش کے دیوتا تجھپر پھولون کی بارش کر رہے ہین۔

(نسیمہ آنکھون مین سلائی پھیر لیتی ہے اور ایک آہ کے ساتھ اُسکی جان نکلجاتی ہے)

پریم چند

بے زبان لڑکی

جب لڑکی کا نام سوبھاشنی (شیرین سخن) رکھا گیا۔ تو کسے معلوم تھا کہ وہ بڑی ہوکر گونگی ہوگی۔
اسکی دو بڑی بہنین تھین جن کے نام سوکیشنی (حسین زلف) اور سوہنسینی (خوش تبسم) تھے۔ اسلیے
ان کے نامون مین یگانگت کا سلسلہ قایم رکھنے کے لیے باپ نے اپنی سب سے چھوٹی بیٹی کا نام
سوبھاشنی رکھا۔ گھر والے پیار سے سوبھا کہا کرتے تھے۔

اُس کی دونون بڑی بہنون کی شادی ہوچکی تھی۔ لیکن بے زبان سوبھا ابتک کنواری بیٹھی تھی
والدین کو تردد تھا کہ یہ بیڑہ کیونکر پار لگیگا۔ کیونکہ سوبھا کی بہنون کی شادی مین بڑی بڑی زحمت کا سامنا
ہوا تھا پھر سوبھا جیسی لڑکی کے لیے بر کا تلاش کرنا کچھ آسان نہ تھا۔ سب جانتے تھے کہ وہ بولتی نہین اور غالباً ذوق
سماعت سے بھی محروم ہے۔ اسی لیے وہ اُسکی موجودگی مین موجودہ مشکلات اور آیندہ پریشانیون کا ذکر
کرتے ہوئے ہچکچاتے نہ تھے۔ سوبھاشنی بچپن ہی سے یہ سمجھنے لگی تھی کہ خدا نے اُسے والدین کے لیے آفت
جان اور قہر الٰہی بناکر بھیجا ہے۔ اسلیے وہ ہر شخص سے دور رہا کرتی اور کوشش کرتی تھی کہ اپنا وقت تنہائی
مین گذار دے۔ وہ یہ بھی چاہتی تھی کہ لوگ اُسے بھول جائین اور اسکی طرف سے بے فکر ہوجائین۔ لیکن مصیبت
کو کوئی نہین بھول سکتا۔ دن ورات ماں باپ متفکر رہا کرتے اور لڑکی کے انجام پر غور کیا کرتے تھے۔ عام طور
پر مائین لڑکیون سے بہت محبت کرتی ہین۔ لیکن سوبھا کی ماں ہمیشہ اُس سے نفرت کرتی تھی۔ گویا کہ وہ اس
کے جسم پر ایک بدنما داغ کی طرح تھی۔ حالانکہ بانی کنہتہ سوبھا کا باپ اُسے دونون لڑکیون سے زیادہ عزیز رکھتا تھا
سوبھا قوتِ گویائی سے محروم تھی۔ لیکن وہ بڑی بڑی سیاہ غزالی آنکھون سے محروم نہ تھی۔ جب اُس کے
نازک دماغ مین کوئی خیال پیدا ہوتا تو اوس کے ہونٹ گلاب کی پنکھڑیون کی طرح تھرتھرانے لگتے تھے۔

جب ہم اپنا خیال لفظون مین ظاہر کرتے ہین تو ان خیالات کو لفظون کا اصلی جامہ نہین پہنا سکتے۔
کسی خیال کو لفظون مین ظاہر کرنا اسی طرح ہے جیسے ہم اپنی مادری زبان کا ترجمہ کسی غیر زبان مین کرین۔ ترجمہ مین

اصل خیالات کی خوبصورتی زایل ہوجاتی ہے۔ کیونکہ ترجمہ بالکل صحیح صحیح نہین ہوتا اور اسلیے ہم غلطی مین مبتلا ہوجاتے ہین۔ لیکن نگاہون کو کسی ترجمانی کی ضرورت نہین ہوتی۔ آنکھین سب کچھ اشارے اشارے مین کہہ جاتی ہین اور سمجھنے والے سمجھ جاتے ہین۔ جو لوگ بچپن ہی سے ہونٹونکو حرکت دینے کے سوا قوت گویائی سے واقف نہین ہوتے وہ لوگ بھی خاموشی کی زبان سیکھتے ہین۔ جو اظہار کی حد سے بعید سمندر کی طرح عمیق اور آسمان کی طرح صاف ہوتی ہے۔ جس کے آغوش مین فطرت کے تمام مناظر کھیلا کرتے ہین۔ گونگے انسانونمین نیچر کی عظمت کی طرح رعب اور متانت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بچے سوبھا سے ڈرتے تھے اور کوئی اُس کے ساتھ نہ کھیلتا تھا۔ وہ تنہا تھی اور خاموش۔ اس کا کوئی دوست نہ تھا جس طرح دوپہر کی لہر۔

سوبھا جس چھوٹے سے گاؤن مین رہتی تھی اس کا نام چاندی پور تھا۔ وہ ندی جس کے کنارے یہ آباد تھا بنگال کی دوسری ندیون کی بہ نسبت چھوٹی تھی۔ اُس کے بہاؤ کا راستہ تنگ اور محدود تھا۔ اس مین کبھی سیلاب نہ آتا تھا۔ وہ بدستور گاؤن کے پاس سے اُسی طرح بہا کرتی تھی گویا وہ ان بہاتون کے گھرون سے کوئی خاص تعلق رکھتی ہے جو اس کے کنارے پر بسے ہوئے تھے۔ ندی کے دونون کنارون پر مکانات جھونپڑیان اور سایہ دار درخت لگے ہوئے تھے۔ بانی کنٹھ کے مکان سے ندی دکھائی دیتی تھی۔ ندی پر گذرنے والون کو جھونپڑیان اور گھر نظر آتے تھے۔ مین نہین کہہ سکتا کہ ان دنیاوی جاہ و حشم۔ مال و دولت کی موجودگی مین کسی نے اُس چھوٹی لڑکی کا بھی خیال کیا ہو۔ جو اپنے کامون سے فارغ ہوکر ندی کی طرف نکل جاتی اور وہان بیٹھی رہتی تھی۔ لیکن یہان خود نیچر کو اُس کا خیال تھا۔ اور وہ اُس سے بولتی تھی۔ ندی کے لہرون کی آواز۔ گاؤن والون کا شور و غل ملاحون کی گیت۔ پرندون کی نغمہ سنجی اور درختون کے جھومنے کی کھڑکھڑاہٹ اُسکے قلب کی حرکت مین گم ہوکر ایک ہوجاتی تھی اور وہ سب ملکر ایک خوفناک اور زور دار آواز بنکر اُسکی نازک و بیچین روح کو ٹھیس لگایا کرتی تھین۔ ندی کی سناٹ اور نیچر کی رنگینیان اس لڑکی کی زبان تھی۔ اُن لمبی۔ گھنی پلکون والی سیاہ آنکھون کی زبان۔ ساری کائنات کی زبان تھی۔ ٹھیک دوپہر مین جب ملاح کھانے کیلئے اپنے اپنے گھرون کو جا چکے تھے۔ چڑیان ساکت تھین۔ کشتیون کی آمد رفت کم ہوچکی تھی۔ ہنگامہ آفرین دنیا سکون پذیر ہوکر ایک ہیبتناک دیو کی ہیئت اختیار کرچکی تھی۔ اس وقت لامتناہی فضائے آسمان کے نیچے صرف ایک گونگی لڑکی تھی اور ایک بے زبان نیچر، ایک دھوپ کی روشنی مین اور دوسری ایک سایہ دار درخت کے نیچے۔

سوبھا سہیلیون کی ہم جلیسی سے بالکل محروم نہ تھی۔ تھان مین دو گائین تھین۔ سرپ بھاشی اور
بنگولی۔ انھون نے کبھی سوبھا کی زبان سے اپنے نام نہ سنے تھے۔ لیکن اُس کے قدمون کی آہٹ سے واقف
ہو گئی تھین۔ گو سوبھا صاف لفظون مین نہ بول سکتی تھی۔ لیکن اپنی آواز مین پیار سے گنگنایا کرتی تھی
اور گائین اوسکی اس پریم بھری گنگناہٹ کو خوب سمجھتی تھین۔ جب وہ ان کو تھپتھپاتی۔ ان کے منھ
چومتی یا اپنے ہاتھ منھ پر پھیرتی۔ تو وہ اُسے محبت بھری نگاہون سے دیکھا کرتی تھین۔ سوبھا تھان
مین جاتی اپنے نازک بازو۔ سرپ بھاشی کی گردن مین حمایل کرتی اور بنگولی اپنی مہربان آنکھین اُٹھا کر
اُسے تکتی تھی۔ سوبھا دن بھر مین تین مرتبہ اُن کے پاس جاتی تھی اور اکثر اوقات بلا وقت معمول۔ جب
وہ کسی سے ایسی بات سنتی جس سے اُسے صدمہ پہونچتا تو وہ ان گونگی سہیلیون کے پاس چلی آتی تھی۔
خواہ وقت ہو یا نہین۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گائین اُسکے خاموش اور افسردہ چہرہ کو دیکھکر اُسکی
بیقراری قلب کا اندازہ کر لیتی تھین۔ اور اُس کے قریب آکر اُس کے ہاتھون سے اپنے سر اور
سینگ ملا کرتین۔ اور اپنی گونگی زبان اور حیوانی طرز محبت سے اُسکو تسلی دینے کی کوشش کرتین
تھین۔ ان کے علاوہ گھر مین ایک بلی اور بکری کے بچے بھی تھے۔ لیکن سوبھا کو ان سے گایون کے
برابر محبت نہ تھی۔ حالانکہ وہ اُس سے زیادہ محبت کا اظہار کیا کرتے تھے۔ جب کبھی دن یا رات کو
بلی کے بچہ کو موقع ملتا۔ تو وہ کود کر سوبھا کی گود مین بیٹھ جاتا اور جب سوبھا اُس کے سر اور پیٹھ پر
انگلیان پھیرتی تو وہ سونے کی کوشش کرتا تھا۔

سوبھا کا ایک دوست اشرف المخلوقات مین بھی تھا۔ اور یہ مشکل سے کہا جا سکتا ہے
کہ سوبھا کے اُس سے کس قسم کے تعلقات تھے۔ کیونکہ وہ بول سکتا تھا اور سوبھا چینی کی مورت کی
طرح گویائی سے محروم تھی۔ اور یہ ایک ایسی خلیج تھی جو اُن دونون کے درمیان حائل تھی۔ گایون
اور سوبھا کی صرف ایک ہی نظری زبان تھی جس سے وہ ایک دوسرے سے بولتی تھین۔ لیکن یہ
نیا دوست اُس نظری زبان سے واقف نہ تھا۔ وہ گوسائین کا سب سے چھوٹا لڑکا پرتاپ تھا۔
متواتر اور انتہائی کوششون کے بعد والدین اُس سے بالکل نا اُمید ہو گئے تھے اور سمجھنے لگے تھے۔
کہ پرتاب [illegible]ن روزی پیدا کرنے کے قابل نہیں ہو سکتا۔ لیکن بیکار لوگون کو یہ فائدہ ضرور ہوتا ہے کہ
گو اُن کے اعزا و اقربا۔ والدین اور رشتہ دار اُن سے دل برداشتہ اور ناراض ہو جائین۔ لیکن وہ

هزمجسٹی شاہ امان اللہ والی افغانستان
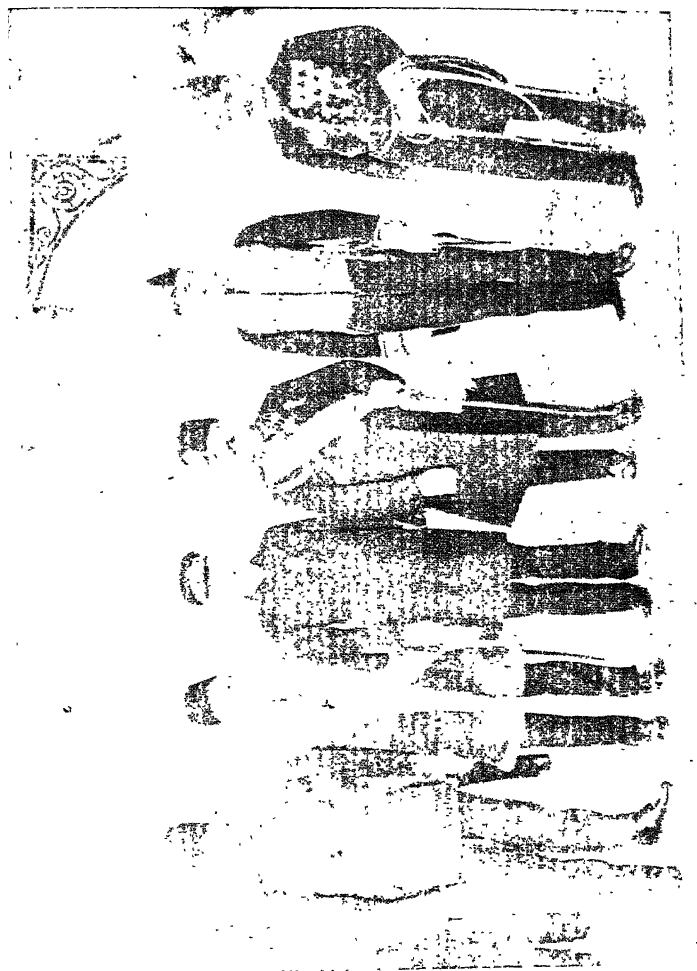
سفیران ممالک غیر متعلقه دوست افغانستان

عموماً ہر دلعزیز ہوتے ہین۔ کسی کام یا فرض کی قید نہ ہونے سے وہ عوام کی ملکیت بنجاتے ہین۔ جس طرح ہر شہر کو ایک کشادہ اور وسیع فضا کی ضرورت ہوتی ہے۔ جہان لوگ تفریح کرسکین یا تازہ ہوا کھا سکین۔ اسی طرح ایک گاؤن کو بھی دیہاتین آوارہ گرد۔ اور بیکار لوگون کی حاجت ہوتی ہے۔ جو ہر شخص کے لیے اپنا وقت صرف کرسکین۔ تاکہ اگر کسی رفیق یا مددگار کی ضرورت ہو تو کوئی ایسا شخص مل سکے۔

پرتاپ کا اہم مشغلہ مچھلی کا شکار تھا۔ وہ اس مین اپنا زیادہ وقت ضایع کرتا تھا۔ اور تقریباً ہر شام کو وہ اس شکار مین مصروف دیکھا جاتا تھا۔ اور اس طرح وہ اکثر اور عام طور سے سوبھا سے ملاقات کا موقع پاتا تھا۔ وہ خود چاہے جیسا ہو۔ لیکن اُسے دوستون کی تمنا ضرور تھی۔ اور جب کوئی شخص مچھلیان پکڑنے کی کوشش کرتا ہے تو اوسکو ایک خاموش دوست ہی کی سب سے زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ پرتاپ اس خاموشی کی وجہ سے سوبھا کی عزت کرتا تھا۔ چونکہ ہر شخص اسے سوبھا کہا کرتا تھا۔ اس لیے وہ اپنی محبت اور عقیدت کا اظہار کرنے کے لیے صرف "سو" کہکر پکارتا تھا۔ سوبھا ایک نیم کے درخت کے نیچے بیٹھی رہتی اور پرتاپ اُس سے چند قدم کے فاصلہ پر اپنی ڈگن ڈالکر بیٹھ جاتا تھا۔ وہ اپنے ساتھ پان لیجایا کرتا۔ اور سوبھا اُسے پان لگاکر دیا کرتی تھی۔ وہ اکثر دل ہی دل مین سوچا کرتی کہ پرتاپ کا ہاتھ بٹائے۔ لیکن ہان کوئی ایسا کام نہ تھا۔ تاہم وہ خدا سے ایک غیر معمولی طاقت حاصل کرنے کی دعا کرتی۔ تاکہ وہ کسی طرح پرتاپ کو متحیر اور متعجب بناکر یہ کہنے پر مجبور کردے "کہ میرے خیال مین بھی یہ بات نہ تھی کہ میری سو" ایسا کرسکیگی"۔

اگر سوبھا سمندر یا دریا کی پری ہوتی تو ممکن تھا۔ کہ ندی سے کوئی قیمتی پتھر لیکر آہستہ آہستہ نکلتی۔ اور پرتاپ مچھلی کی ڈگن وغیرہ چھوڑ کر ندی کی گہرائیون مین کود پڑتا۔ اور نیچے کی دنیا مین پہونچ جاتا۔ جہان وہ ایک سنہرے بستر پر۔ چاندی کے محل مین صرف "سو" بانی کنٹھ کی بیٹی کو دیکھتا اور یہ خیال کرتا۔ "ہان ہماری سو۔ جواہرات کے درخشان شہر کے بادشاہ کی اکلوتی بیٹی ہے"۔ لیکن یہ بالکل ناممکن تھا۔ کیونکہ سوبھا ایک غریب گھرانے مین پیدا ہوئی تھی اس طرح اس کے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہ تھا کہ وہ گوسائین کے لڑکے کو متعجب کردیتی۔

وہ بڑی ہو گی۔ اور آہستہ آہستہ اپنی زندگی کو سمجھنے اور اس کا احساس کرنے لگی۔ اُس کے سینہ مین ایک ناقابل اظہار۔ پرتموج اضطراب کا دریا لہرین لینے لگا۔ وہ اپنے آپکو حسرت سے دیکھتی اور دل ہی دل مین بہت سے سوال کرتی۔ لیکن کوئی تسکین بخش جواب اوسکو نہ ملتا تھا۔

ایک رات جب چاند اپنی پوری آب و تاب سے آسمان پر جلوہ فگن تھا۔ سوبھا نے آہستہ سے دروازہ کھولا اور دبے پاؤن باہر نکل گئی۔ حسین نیچر چودھوین رات کا چاند بنی ہوئی۔ خاموش اور تنہا سوبھا کی طرح خوابیدہ اور پرسکون دنیا پر محو نگاہین ڈال رہی تھین۔ سوبھا کا جوان۔ اور تر و تازہ دل سینہ مین دھک دھک کر رہا تھا۔ مسرت اور غم نے اس کی زندگی مین نیا ہیجان پیدا کر دیا تھا۔ اُسکی نازک ہستی انبساط و الم سے نہتا درجہ لبریز ہو گئی۔ اُس نے اپنے تنہائی کا پہلے بھی احساس کیا تھا۔ لیکن اس وقت اسے تنہائی کا عالم سوہان روح معلوم ہوتا تھا۔ اُس کا دل غم سے بھرا تھا اور منھ سے کوئی بات نہ نکلتی تھی۔

اس وقت چپ اور ساکن دھرتی ماتا کی گود تھی۔ اور ایک ساکت دکھیاری کنیا۔

شادی کے خیال نے اُس نے والدین کو بیحد پریشانیون مین مبتلا کر دیا تھا۔ لوگ ان کی برائیان کرتے تہمتین لگاتے اور ذات باہر کر دینے کی دہمکیان دیتے تھے۔ بانی کنتھ کی روزمرہ زندگی اطمینان اور خوش حالی سے بسر ہوتی تھی۔ اور اس کے گھر والے روزانہ دو مرتبہ مچھلی کی کڑھی کھاتے تھے۔ اسلیے لوگ اور بھی جلتے تھے۔ جب عورتون نے شادی کے متعلق زیادہ زور دیا۔ تو بانی کنتھ کچھ دنون کےلیے باہر چلا گیا۔ واپس آنے کے بعد کہا۔ اب ہملوگ کلکتہ جائینگے۔ لوگون نے نئے مقام کے سفر کی تیاری شروع کر دی۔ سوبھا کا غمگین دل کہرہ آلود صبح کی طرح آنسوون کی بارش سے بہت زیادہ تاریک ہو گیا۔ اسکی روح پر کئی دن سے ایک خوف اور دہشت غالب تھی۔ وہ اپنے والدین کے ہمراہ جانیکے لیے تیار ہو گئی۔ لیکن اس کی بیقرار نگاہین مستفسرانہ انداز مین والدین کے چہرے کی طرف جمی ہوئی تھین۔ جیسے وہ ان سے کسی جواب کی خواہشمند ہے۔ لیکن وہ کبھی کوئی لفظ نہ کہتے تھے۔ اس اثنا مین ایک دن شام کے وقت جب پرتاب مچھلیون کے شکار مین منہمک تھا۔ اس نے سوبھا سے ہنستے ہوئے کہا "سو! تمھارے پتا نے تمھارے لیے پتی ڈھونڈھ لیا ہے۔ اب تم بیاہ دی جاؤ گی۔ لیکن کہین مجھے نہ بھول جانا۔" اور پھر وہ اپنے شکار کی طرف متوجہ ہو گیا۔ جس طرح ایک زخمی ہرنی شکاری کے چہرہ پر حسرت سے دیکھکر درد کی حالت مین اظہار کرتی ہے۔ کہ "مین نے تمکو کیا ضرر پہونچایا تھا" اسی طرح سوبھا پرتاب پر

اپنی معصوم نگاہیں دوڑا رہی تھی۔ اُس دن وہ درخت کے نیچے زیادہ نہ ٹھہری اور چلی گئی۔ بانی کنتھ سو کر اٹھا تھا اور ابھی کمرہ میں بیٹھا حقہ پی رہا تھا۔ کہ سوبھا آئی اور باپ کے قدموں پر گر کر زار و قطار رونے لگی۔ بانی کنتھ نے اُسے تسلی دینے کی کوشش کی۔ لیکن اس کا دل بھی بھر آیا اور چہرہ آنسوؤں سے تر بتر ہو گیا۔

یہ بات معلوم ہو جانے کے بعد کہ کل کلکتہ روانہ ہونگے۔ سوبھا تھان میں اپنے بچپن کی سہیلیوں کو آخری الوداع کہنے کے لیے گئی۔ اُس نے اُن کو اپنے ہاتھوں سے کھلایا۔ ان کی گردن سے لپٹی۔ اُن کے چہروں کو پیار او محبت کی نگاہوں سے دیکھا اور اُس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب رواں ہو گیا۔ یہ سیلاب اُسکی بیکسی اور مجبوری کا اظہار کر رہا تھا۔ چاند کی دسویں رات تھی۔ سوبھا گھر سے باہر نکلی۔ اور ندی کے کنارے آکر ہری گھاس کے فرش پر بیساختہ لیٹ گئی۔ اُس نے اپنے نازک ہاتھ زمین پر پھیلا دیے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ یہ کہنے کی کوشش کر رہی ہے "ماتا مجھے اپنے پاس سے الگ نہ ہونے دو جس طرح میں نے اپنے ہاتھوں سے تمھارے گرد ہالہ بنا لیا ہے۔ ویسے ہی مجھے بھی اپنے طاقتور بازوؤں سے مضبوط پکڑ لو"۔

ایک دن کلکتہ میں سوبھا کی ماں نے اُسے نہایت اچھے اور زریں ملبوسات سے آراستہ کیا۔ اُس کے بال گوندھ کر موباف سے چوٹی باندھی۔ تمام زیورات پہنائے اور اس کو ان مصنوعی چیزوں سے زینت دیکر اُس کے حقیقی حسن کو زائل کرنیکی حتی الامکان کوشش کی۔ سوبھا کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔ اُسکی ماں نے یہ خیال کر کے کہ روتے روتے اسکی آنکھیں سوج جائینگی۔ اُسے سختی سے ڈانٹ کر منع کیا۔ لیکن آنسوؤں کے رفتار میں کوئی کمی نہ ہوئی۔

نوشہ دلہن کو دیکھنے کے لیے اپنے ایک دوست کے ہمراہ آیا۔ اُس کے ماں باپ یہ دیکھکر دیوتا اپنی قربان گاہ کی بھینٹ کے لیے چوپائے کے انتخاب کو آ گیا ہے۔ خوف سے متوحش۔ سراسیمہ اور پریشان ہو رہے تھے۔ ماں پردہ کے پیچھے سے نصیحتیں کر رہی تھی۔ اس طرح اُسکی آنسوؤں میں اور اضافہ ہو رہا تھا۔ نوشہ نے اُسے چند لمحوں تک دیکھنے کے بعد مطمئن لہجہ میں اپنی رضامندی اظہار کیا۔ سوبھا کے آنسوؤں نے اسکے دل پر بہت زیادہ اثر کیا۔ اس نے خیال کیا کہ جو دل آج والدین کی جدائی سے اس قدر غمزدہ ہو گیا ہے۔ وہ آیندہ نہایت وفادار ثابت ہوگا۔ گویا موتیوں کی طرح آنسوؤں کی چمک نے سوبھا کی قیمت اور زیادہ بڑھا دی۔

جنم پترا دیکھا گیا۔ اور ایک مقررہ دن سوبھا کی شادی ہوگئی۔ اپنی گونگی لڑکی دوسروں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر سوبھا کے والدین گھر واپس چلے گئے۔ تھوڑے دن کے بعد شوہر اپنی بیوی کو لیکر اپنی ملازمت پر چلا گیا۔

چند ہی روز میں ہر شخص کو معلوم ہو گیا کہ دولہن گونگی ہے۔ لیکن اسمیں سوبھا کا کچھ قصور نہ تھا۔ کیونکہ اُس نے خود کسی کو دھوکا نہ دیا تھا۔ اس کی نظریں اُن لوگوں سے ہر امر کا اظہار کر دیا کرتی تھیں۔ آہ! اب سوبھا اُن لوگوں کی شکلیں دیکھنے سے بھی محروم ہو گئی تھی۔ جن سے بچپن سے واقفیت تھی۔ اور جو ایک گونگی لڑکی کی گفتگو سمجھ سکتے تھے۔ اُس کے خاموش دل میں ایک نامعلوم اشک افشانی کی آواز پنہاں تھی۔ جسے صرف دل کے اسرار جاننے والی ہستی سن سکتی تھی۔

(ترجمہ رابندر ناتھ ٹیگور) محشر کانپوری

کیا زنگ خوردہ لوہا زیادہ بھاری ہو جاتا ہے؟ اس کا جواب دینے کے لیے اوّل یہ دیکھنا چاہیئے کہ زنگ کیا چیز ہے۔ زنگ لگنے کے یہ معنی ہیں کہ لوہے کی سطح ہوا کے اثر سے "آکسائڈ" میں تبدیل ہو جاتی ہے جو آکسیجن اور دیگر عناصر سے مرکب شے ہے۔ اس تبدیلی کو دوسرے الفاظ میں جلنا کہتے ہیں۔ یعنی لوہے کا بیرونی حصّہ جل جاتا ہے۔ اسکا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ آکسیجن جو ہوا میں شامل ہے اسکی ایک مقدار لوہے میں شامل ہو جاتی ہے۔ چونکہ آکسیجن وزن دار چیز ہے اسلئے ضرور ہے کہ اسکا وزن آکسیجن کے اضافہ کی وجہ سے گراں تر ہو جاتا ہے۔ لیکن چونکہ زنگ ٹوٹنے اور جھڑ جانے والی چیز ہے اسلئے زنگ خوردہ لوہا ہوا۔ پانی یا کسی اور چیز کی رگڑ سے نہ صرف اُسی آکسیجن کو ضائع کر دیتا ہے جو اسمیں شامل ہو گیا ہے۔ بلکہ لوہے کا بھی ایک حصہ جل جانے کی وجہ سے اس سے جدا ہو جاتا ہے۔ اسلئے سوال کا جواب نفی میں ہونا چاہیئے یعنی زنگ کے سبب سے لوہے کا وزن کم ہو جاتا ہے۔ اور نہ صرف وزن بلکہ اسکی قوت اور پائداری بھی گھٹ جاتی ہے یہی سبب ہے کہ اسلئے آہنی پل۔ کرسی وغیرہ پر روغن کر دیا جاتا ہے تاکہ حریف آب و باد بن سکیں۔

حامد حسن قادری
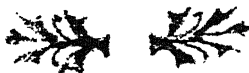
بابو

ایک تازہ ولایت یورپین کے نظر سے

(بنگال کے مشہور مصنف مسٹر کمار گھوش کے ایک پُرمذاق مضمون کا ترجمہ)

مین نے پہلے پہل بنگال کے عجیب وغریب جانور بابو کا نام کانپور مین سنا تھا لیکن اب تو
اس کے متعلق بہت کچھ معلوم ہو چکا ہے۔ ایک دن مین اپنے ایک دوست کے انتظار مین کمرہ مین بیٹھا ہوا
تھا کہ وہ جھلائے ہوئے آئے اور آرام کرسی پر دراز ہو گئے۔ مین نے ان سے پوچھا۔ آج آپ کیون غصہ
مین بھرے ہوئے ہین"؟ انھون نے جواب دیا، میرا بابو' میری جان لیکر چھوڑے گا"۔ مجھے حیرت
ہوئی کہ یہ بابو کون بلا ہے۔ مین نے افریقہ کے "ببون" جانور کو دیکھا تھا۔ لیکن بابو کا نام تک سنا
نہ تھا دیکھنے کا کیا ذکر ہے۔ مین نے اپنے دوست سے دریافت کیا "کیون جی بابو کون جانور ہے
میرے دوست میرے اس سوال پر اتنا ہنسے کہ ان آنکھون سے آنسو نکل آئے بڑی مشکل سے
ہنسی روک کر بولے۔ بھائی صاحب کیا آپ نے 'بابو' کو کبھی نہین دیکھا" بابو ایک عجیب الخلقت
اور خوفناک جانور ہے"! یہ سنکر مجھے اس عجیب غریب جانور کے دیکھنے کی بڑی خواہش ہوئی۔ مین نے
دوست سے کہا کہ اس کے پالنے والے سے کہئے کہ وہ بابو کو لا کر مجھے دکھا دے۔ اس پر انھون نے
کہا، بابو کو پالنے والے کی ضرورت نہین ہوتی وہ تو بڑی آزادی سے ملک بھر مین گھومتا پھرتا
ہے"۔ یہ معلوم کرکے مجھے اور بھی تعجب ہوا۔ مین نے بڑی لجاجت سے کہا۔ بھائی جان آخر وہ جانور
کہان رہتا ہے۔ میرے دوست نے جواب دیا۔ یہ جانور بنگال مین زیادہ پایا جاتا ہے۔ اسکی وجہ سے
مجھے بہت تکلیف اُٹھانی پڑتی ہے کبھی کبھی تو مجھے اتنا غصہ معلوم ہوتا ہے کہ مین اپنے آپے مین نہین
رہتا ہون یہ ایسا عجیب وغریب جانور ہے کہ ہمیشہ بن بلائے آپ کے پاس چلا آئیگا اور پھر آپکا پیچھا
اسوقت تک نہ چھوڑے گا جب تک کہ آپ کو اُلّو نہ بنا ے"۔

مجھ سے اب خاموش نہ رہا گیا۔ قطع کلام کرکے بول اُٹھا۔ آپ نے اس جانور کو [illegible]

جواب ملا کہ "جھک مار کر رکھنا پڑا، ہر ایک صاحب کے پاس ایک بابو رہتا ہے کیونکہ بابو کے بغیر اس ملک مین ہلوگون کا کوئی کام ہی نہین ہو سکتا۔ بابو کی وجہ سے کام بھی بہت سستا ہوتا ہے۔ سچ پوچھئے تو بابو بڑے کام کا جانور ہے۔ لیکن ذرا خطرناک ہوتا ہے۔" ان کی بات میرے سمجھ مین بالکل نہ آئی اور مین نے بیچین ہو کر پوچھا۔ جب بابو خطرناک جانور ہوتے ہین تو وہ مار کیون نہین ڈالے جاتے۔

دوست۔ خطرناک تو وہ ضرور ہوتے ہین لیکن ان کو مارے کون؟ مجھ مین تو اتنی ہمت نہین بابو کو معمولی جانور نہ سمجھو ان کے پنجے اور دانت بھی ہوتے ہین اور وہ ... کاٹتے بھی ہین۔

مین۔ کیا وہ بنگال کے چیتا اور افریقہ کے شیر ببر سے بھی زیادہ خونخوار اور خوفناک ہوتے ہین؟

دوست۔ جی نہین بابو بڑا سیدھا سادھا جانور ہوتا ہے۔

مین۔ آپ تو مذاق کرتے ہین۔ کبھی بابو کو آپ خطرناک کہتے ہین اور کبھی سیدھا۔ اگر سیدھا ہے تو موقع پاکر اسکو گولی کیون نہین مار دیتے۔

دوست۔ گولی مار دون!!! مین اپنا داہنا ہاتھ بخوشی کاٹ سکتا ہون لیکن بابو کو چابک سے مارنے کی بھی ہمت نہین کر سکتا۔ جناب والا کبھی کبھی تو بابو کی خوشامد بھی کرنی پڑتی ہے۔ اس سے اپنے دوستون کی طرح برتاؤ کرنا پڑتا ہے گولی مارنا!!! بابو کو!!! امر محال ہے۔ آپ نہین جانتے کہ ایسے خطرناک کام کا کیا نتیجہ ہوگا۔ اسمین کوئی شک نہین کہ گولی سے بابو مر تو ضرور جائیگا لیکن ملک کے اور بابو ہزارون اور لاکھون کا دل بنا کر ایسی خوفناک اور دل ہلا دینے والی چنگھاڑ مارینگے کہ بڑے سے بڑے سخت دل انسانون کا کلیجہ کانپ اُٹھے گا۔ کلکتہ سے لیکر بمبئی تک شور و غل سے آسمان سر پر اُٹھا لینگے۔

مین۔ اب مین سمجھ گیا بابو ایک قسم کے بندر ہین جن کو مین نے امریکہ مین دیکھا تھا انھین وہان شور کرنے والا بندر Howling Monkey کہتے ہین۔

دوست۔ نہین صاحب بابو ہولنگ منکی نہین ہین وہ تو انسانون سے بہت کچھ ملتے جلتے ہین لیکن کتنون کو صاحب لوگ بندر ہی سمجھتے رہتے ہین۔ گھبرایئے نہین آپ کلکتہ جاتے ہی ہین وہان بابو کی بہت بڑی منڈی ہے۔ ریل کے اسٹیشنون پر بھی بہت سے بابو دیکھنے مین آئین گے کیونکہ ریل گاڑی کے چلانے مین بھی بابو کی ضرورت پڑتی ہے۔ لیکن بھائی صاحب میری یہ نصیحت یاد رکھئے کہ بابو سے ہمیشہ بچتے رہیے گا۔

دوسرے روز سویرے ہی مین کانپور سے کلکتہ کے لیے روانہ ہوگیا۔ لیکن گاڑی مین بیٹھنے سے پہلے انجن کو اچھی طرح دیکھ لیا کہ بابو کس طرف جوتا گیا ہے لیکن انجن ٹھیک اسی طرح تھا جیسا کہ مین نے انگلینڈ مین دیکھا تھا کہین بھی بابو کا پتہ نہ چلا مین نے انجن ڈرائیور سے پوچھا لیکن وہ بھی میری بات کا اچھی طرح جواب نہ دیسکا بلکہ دفتر کیطرف اشارہ کر دیا اسی وقت گھنٹی بجی اور مجھے گاڑی مین بیٹھ جانا پڑا مین جس ڈبہ مین بیٹھا تھا اسمین اور بھی کئی صاحب لوگ تے مین اپنا اسباب رکھ ہی رہا تھا کہ ایک صاحب گھبرائے ہوئے ڈبہ مین داخل ہوئے دھڑسے کھڑکی بند کرلی اور بلند آواز سے کہا "ایک غول بابو اندر چلا آتا تھا" اتنا سنتے ہی میرے ہوش وحواس گم ہوگئے صاحب بہادر سے میری جان پہچان تھی پھر بھی مین نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔ جناب والا مجھے خوف معلوم ہوتا ہے۔ کیا آپ نے کھڑکی اچھی طرح بند کرلی ؟ صاحب نے جواب دیا۔ کھڑکی تو اچھی طرح بند ہے لیکن چابی نہین لگی۔ مین نے مکرر دریافت کیا کہ اب بابو کہان ہے" مین چاہتا تھا کہ چھپکر بابو کو کہین سے دیکھ لون" صاحب نے جواب دیا۔ معلوم نہین شاید وہ کسی دوسرے ڈبہ مین گھس گیا ہوگا"

بیٹھے بیٹھے مین نے سوچا کہ ہو نہ ہو بابو وہی جانور ہوگا جسکو سونٹ[1] نے "یاہو" کے نام سے لکھا ہے لیکن اس خیال بھی مجھے تسکین نہ ہوئی مین بہت بیچین تھا کہ جس طرح بھی ممکن ہو، بابو کو دیکھ لون کہ کس طرحکا ہوتا ہے اور ریل کے کھینچنے اور چلانے مین کس طرح سے مدد دیتا ہے۔ لیکن افسوس کہ مجھے اسمین کامیابی نہ ہوئی۔ ہر اسٹیشن پر گارڈ بابو، بابو کی آواز لگاتا تھا اور فوراً گاڑی چل دیتی تھی اس سے مین نے نتیجہ نکالا کہ بابو، کو اسلیئے پکارا جاتا ہے کہ وہ کام مین مستعد رہے اور اسکی ہمت نہ کم ہو۔ ڈبہ مین ایک مجسٹریٹ صاحب میرے پاس بیٹھے تھے مین نے ان سے آہستہ سے کہا کہ مجھے بابو کو دیکھنے کی بڑی خواہش ہے۔ لیکن صاحب نے جواب دیا۔ اس خیال سے باز آؤ۔ بابو کو چھونا ہی گناہ ہے۔ مین ہمیشہ اس سے پیچھا چھڑانا چاہتا ہون اور امید رکھتا ہون کہ اسمین کامیاب ہوجاؤن" اس پر مین نے کہا" اگر ایسا ہے تو آپ بابوؤن کو اپنے پاس ہی کیون آنے دیتے ہین۔

---

[1] سونٹ انگریزون مین ایک مشہور ادیب ہوا ہے اپنی مشہور کتاب "گلیورس ٹریولس" مین اس نے ایک جانور "یاہو" کا ذکر کیا ہے جس کی شکل انسانون کی سی اور مزاج جانورون کا سا لکھا ہے۔

مجسٹریٹ صاحب نے جھنجھناتے ہوئے جواب دیا۔ "انکو روکنا میری طاقت سے باہر ہے"

اسی ڈبہ مین ایک پادری صاحب بھی تھے' بابو' کا نام سنتے ہی وہ بول اُٹھے "خدا پناہ مین رکھے انھین کی وجہ سے مین عیسائی مذہب کی اچھی طرح تبلیغ نہین کرسکتا"۔

مجسٹریٹ صاحب نے کہا " بابو سول افسرون کے تو سب سے بڑے دشمن ہین۔ لیکن کچھ بھی ان کو ضرور دبانا چاہئے"۔

کمرہ مین ایک ڈاکٹر صاحب بھی تشریف رکھتے تھے فرمانے لگے " مین بھی بابوؤن سے سخت نفرت کرتا ہون کیونکہ ایک بابو نے میرا بھی ناک مین دم کر رکھا ہے وہ میری زندگی کو خراب کر رہا ہے" اس پر اسی کمرہ مین بیٹھے ہوئے انجنیر صاحب جامہ سے باہر ہوگئے کہ بابوؤن کو گالی دیتے دیتے کھڑکی کو گھونسون سے پیٹنے لگے لیکن خیریت یہ ہوئی کہ شیشہ ٹوٹنے سے بچگیا۔

المختصر مجسٹریٹ۔ پادری۔ ڈاکٹر۔ انجنیر ہر ایک بابو سے نفرت رکھتا تھا اور سب لوگ اس سے دور رہنا چاہتے تھے۔

میرے لئے یہ معلومات بہت کافی تھی بدقسمتی سے میرا ریوالور بگڑا ہوا تھا ورنہ ایسے موقع پر مین کبھی بابو کا سامنا کرنے سے نہ ڈرتا۔ مین اسی خیال مین غرق تھا کہ مجسٹریٹ صاحب نے فرمایا۔ "جناب والا ہاوڑہ اسٹیشن پر آپ کو بہت سے بابو ملین گے"۔ یہ سنتے ہی مین کانپ اُٹھا گویا مجھ پر بجلی گر پڑی ہے اب مجھکو بڑی فکر ہوئی کہ بابوون سے بچنے کی تدبیرین سوچ ہی رہا تھا کہ ہاوڑہ کا اسٹیشن آگیا۔ میرے ساتھی تو دروازہ کھولکر فوراً اُتر پڑے لیکن مین ان لوگون کی بات چیت سنکر اتنا ڈر گیا تھا کہ یکبارگی بابو کے سامنے جانے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ اسلئے تھوڑی دیر تک ڈبہ مین ٹہلتا رہا۔ مین نے چارونطرف آنکھین پھاڑ پھاڑ کر دیکھا کہ کہین بابو دکھائی دے۔ اس عرصے مین قلی بہت تنگ کرنے لگے۔ مین نے اُن سے انگریزی مین پوچھا کہ کیا کوئی بابو یہان ہے۔ بابو کا نام سنتے ہی قلی دوڑکر ایک ہندوستانی کو بلالایا اس شخص نے جیسا کہ ان لوگون کا برتاؤ صاحب لوگون کے ساتھ ہمیشہ ہوتا ہے نہایت ادب کے ساتھ جھک کر مجھے سلام کیا اور کہا آپ کو کیا چاہیئے"۔ مین جواب ہی کیا دیتا آخر مین نے کہا۔ "مین یہان اُتر ونگا"۔ وہ شخص ادب کے ساتھ میرا اسباب کمرہ سے نکالکر پلیٹ فارم پر رکھنے لگا لیکن مین کمرہ ہی کے اندر رہا اور گھبرا گھبرا کر ادھر اودھر دیکھتا رہا۔

اس شخص نے پھر پوچھا "آپ کو کیا چاہئے" مین نے گھبرا کر جواب دیا "ارے ابھا... بھا.... بھائی کیا سب با — با — باب — بابو چلے گئے؟" اس نے اطمینان سے کہا "نہین صاحب سب نہین گئے"

مین کمرہ سے باہر نکلا اور اسکے کان کے پاس اپنا منھ لیجا کر آہستہ سے دریافت کیا "وہ کہان ہین"

اس نے پھر کہا "آپ چاہتے کیا ہین"

مین نے کہا "ا — ارے بھائی! آہستہ سے بولو - مین یونہی پوچھتا ہون با — با — بابو کا نام زور سے نہ لو - اس نے جواب دیا کہ مین ہی بابو ہون" اتنا سنتے ہی میری زبان سے نکلا آپ - با - با - بابو! اس سے زیادہ مین نہ بول سکا میرا سر چکرانے لگا اور مین بیہوش ہو کر پلیٹ فارم پر گر پڑا -

اعظم کریوی

پنجرقعہ ولایت

اس مختصر سے رسالہ کے مصنف جناب محمد عزیز اللہ شاہ صاحب عزیز معروف بہ منشی ولایت خان صاحب صفی پوری ضلع اوناؤ کے رہنے والے ہین، منشی صاحب موصوف نے ارادت خان واضح کے پنجرقعہ کے جواب مین یہ کتاب تصنیف فرمائی ہے - اس پنجرقعہ کی خوبیون کے متعلق حضرت غالب کے نامہ گرامی کا یہ فقرہ بہت بڑا ثبوت ہے - "خوشامد فقیر کا شیوہ نہین - پنجرقعہ سابق کی تحریر سے لفظاً و معناً بڑھکر ہے - اسمین یہ معنی نازک اور الفاظ آبدار کہان"

کتاب کے اخیر مین سید اشرف علی صاحب بی - اے ڈپٹی کلکٹر گورکھپور نے جناب ولایت کے مختصر حالات تحریر فرمائے ہین، اور اسی سلسلہ مین حضرت غالب مولانا حالی - مولانا شبلی اور حضرت امیر مینائی کے خطوط بھی شائع کئے ہین جنمین مصنف پنجرقعہ کے کمال کا اعتراف موجود ہے - امید ہے کہ فارسی انشا پردازی سے مذاق کرنے والے اصحاب پنجرقعہ ولایت کی قدردانی فرمائینگے

تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۲ صفحہ قیمت - شائقین حضرت مصنف سے طلب فرمائین -

تنقید و تبصرہ

تاریخ ادب اردو (زبانِ انگریزی)[۱]

یہ تاریخ نہ صرف انگریزی زبان مین اپنی قسم کی پہلی تاریخ ہے بلکہ درحقیقت اس موضوع پر اپنی نوع کی پہلی تصنیف ہے جس کے ذریعے سے قدردانانِ اردو کے لیے تنقیدی لٹریچر کا ایک بیش بہا سرمایہ فراہم کیا گیا ہے اور خالص انگریزی دان حضرات کے لیے ایسے دروازے کھول دیے گئے ہیں جن کے ذریعے سے داخل ہو کر اس دلکش زبان اور لطیف ادب کے ساتھ ہمدردی کر سکتے ہین - اسکے مصنف مسٹر رام بابو سکسینہ نہ صرف انگریزی زبان کے ایک اچھے عالم ہین بلکہ آپ نے انگریزی ادب قدیم و جدید - تاریخ تمدن و معاشرت اور فن تنقید کو ایسے استاد یگانۂ روزگار (مسٹر جونس انجہانی پرنسپل آگرہ کالج) سے پڑھا ہے جس کا ادبی شغف عشق کے درجے پر تھا - پھر اگر یہ کتاب حسن تحریر - دقت نظر اور اصابت رائے کا ایک دلکش مرقع ہے تو کوئی تعجب کا مقام نہین - فی الحقیقت لائق مصنف نے جس ذوقِ سلیم اور بصیرت ادبی سے کام لیا ہے وہ تحسین کا مستحق ہے آپ کی یہ کوشش ادبی حلقون اور مجالسِ علمیہ مین بنظر احسان مندی دیکھی جائیگی - اس کتاب مین علاوہ محاسن معنوی کے جو تاریخ تحقیق اور تنقید سے متعلق ہین سب سے بڑا حسن اسکی ترتیب ہے اسکے ابواب کی ترتیب نفس مضمون کو اور زیادہ واضح بنا دیتی ہے - ہر ایک تحریک اور ہر اتفاقی حادثہ کو بالکل جدا جدا لکھا گیا ہے - اس سے ہر دور اور زمانے کے حالات پر جداگانہ حیثیت سے روشنی پڑتی ہے اور ترقی و تنزل کا حال قطع نظر دوسرے عہد کے حالات کے معلوم ہوتا ہے چنانچہ ہر باب مین اپنے مقام پر تکمیل کی شان موجود ہے جو شعرا مثلاً نظیر اکبرآبادی - اور نصیر دہلوی کسی خاص گروہ سے متعلق نہین - انھین بالکل علحدہ رکھا گیا ہے - درمیانی عنوانات نے نفس مضمون کو زیادہ واضح اور دلچسپ بنا کر کتاب کی شان بڑھا دی ہے

[۱] مصنفہ مسٹر رام بابو سکسینہ ایم اے ایل ایل بی - ممبر ہندوستانی اکیڈمی - قیمت مجلد ... ملنے کا پتہ رام نرائن لال پبلشر و بک سیلر الہ آباد

چنانچہ اس میں انیس ابواب ہیں۔ ابتدائی تین باب تمہیدی ہیں۔ چوتھا باب شعرائے دکن پر ہے۔
یہ زمانہ اُردو کی تخلیق کا ہے اسلئے اسکی بابت ایک علیحدہ باب ہونا ضروری تھا۔ پانچواں چھٹا اور ساتواں باب
دہلی کے شعرا کے متعلق ہیں اور آب حیات کی تقلید میں بحیثیت اعتبار عہد تقسیم کیا گیا ہے۔ آٹھواں باب
لکھنؤ کے شعرا سے متعلق ہے جس عنوان ناسخ اور آتش بتائے گئے ہیں۔ نواں باب عہد واجد علیشاہ مختصر ادبی
تاریخ ہے۔ اور چونکہ یہ زمانہ ایک خاص اہمیت رکھتا ہے اسلئے اسکو علیحدہ لکھنا ضروری تھا۔ دسواں باب
مرثیہ اور مرثیہ گوئی پر ہے۔ اُردو میں یہ طرز سخن اور اسکے ماہرین ایک مخصوص شان و امتیاز کے مالک ہیں
لہٰذا یہ ایک ایسا جزو ہے جو سب سے علیحدہ نظر آتا ہے اور اپنی تاریخ بھی علیحدہ رکھتا ہے۔ گیارھویں باب میں
نظیر اکبرآبادی اور نصیر دہلوی پر تبصرہ ہے یہ دونوں اپنے اپنے رنگ کے خود ہی موجد اور استاد ہیں نظیر
کی شاعری نہ متقدمین میں سے کسی سے متاثر ہوئی اور نہ متاخرین میں سے کسی کو متاثر کر سکی اس لیے ترتیب
میں بھی علیحدگی ضروری تھی۔ بارھویں اور تیرھویں باب کا موضوع دہلی رامپور اور حیدرآباد کی سلطنتیں ہیں
چودھواں باب اُردو شاعری میں تحریکات کے متعلق ہے اور آزاد و حالی کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا
گیا ہے۔ یہ عہد اُردو کے نشاۃ ثانیہ کی ابتدا ہے اسلئے اسکا خاص طور پر نمایاں کرنا ضروری تھا۔ پندرھواں
سولھواں اور سترھواں باب نثر کی ابتدا اور ترقی کے متعلق ہیں اور میر امن، فورٹ ولیم کالج کلکتہ، غالب و سرسید
سرشار و شرر یعنی اُردو نثر کے جملہ وجوہ و اسباب ترقی پر خوب خوب بحث کیگئی ہے اٹھارواں باب ڈرامہ پر ہے
اور انیسواں ادب اُردو کی ترقی و اکتسابات سے بحث کرتا ہے۔

اس تبصرے میں میں ہر باب پر علیحدہ علیحدہ بحث نہیں کرونگا۔ بلکہ صرف چند پر سرسری اظہار خیال کرونگا
یوں تو یہ کتاب اول سے آخر تک ادبی دلچسپیوں کا ذخیرہ ہے مگر میرے لیے تیسرا، چھٹا، دسواں، گیارھواں، بارھواں
اور چودھواں باب خصوصیت کیساتھ دلچسپ ہیں انھیں پر تبصرہ کرتا ہوں۔

تیسرے باب میں اُردو کی نمایاں اور مختلف النوع خصوصیات سے بحث کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ قدیم اردو
شاعری میں موضوعات، زبان، اسلوب، خیالات اور عروض و قوافی کے اعتبار سے ایرانی شاعری کا اتباع
کیا گیا ہے پھر اس اتباع کے نتائج جو عیوب کی شکل میں ظاہر ہوئے پیش کئے گئے ہیں ظاہر ہے کہ اردو شاعری
میں صنائع بدائع کا بمقابلہ انگریزی کے بہت زیادہ اہتمام کیا گیا ہے اس سلسلے میں موضوعات کی فرسودگی اور جدت کے فقدان کو عدم
اثر کا سبب قرار دینا واقعی حقیقت حال اور نفس الامر کا اظہار ہے اس موقعہ پر لائق مصنف کی نکتہ سنجی کی

داد دینی پڑتی ہے۔ اسکے علاوہ فارسی کی کورانہ تقلید سے جو مختلف معائب مثلاً تصنع وغیرہ اردو شاعری میں پیدا ہوئے ان پر بھی علیحدہ علیحدہ بحث کی گئی ہے۔ اس عہد بھاشا اور اردو کے طرز تخاطب کا مقابلہ کیا گیا ہے۔ اور بھاشا کی نزاکت و شگفتگی اور قدیم اردو کے ثقل و کرختگی کے اسباب نہایت دلکش گر نا قدانہ پیرایے مین بیان کیے ہین اسکے بعد اردو کے غیر فطری طرز تخاطب کے تاریخی وجوہ بتائے ہین۔ فارسی کی تقلید اور معاشرت کے معائب کو اس کا ذمہ دار قرار دیا ہے۔

اسکے بعد یہ بتایا گیا ہے کہ اردو شاعری مین غزل قصیدہ مرثیہ مثنوی۔ قطعہ اور رباعی کی کثرت ہے غزل مین عموماً عشق اور تصوف کے مضامین کا غلبہ ہوتا ہے۔ اس سلسلہ مین تصوف اور اسکے اثرات کا بیان ہے اور پھر اردو شاعری کے عاشقانہ عنصر پر روشنی ڈالی گئی ہے یہ سب باتین ایسے دلچسپ اور مدلل پیرایہ مین لکھی گئی ہین جنکا دلپر اثر ہوتا ہے اور جنھین قبول کرنے مین ذرا پس و پیش نہین ہوتا۔ آگے چلکر دہلی۔ لکھنو۔ حیدرآباد اور رامپور کے درباروں اور اردو شاعری پر ان کے مراعات اور اثرات کا ذکر ہے۔ اسکے بعد مناظر قدرت اور دیہاتی زندگی کے متعلق اردو مین نظمون کی عدم موجودگی پر اظہار افسوس ہے۔ یہ ایک ایسی کمی ہے جس پر شرح و بسط کے ساتھ قلم فرسائی کی ضرورت تھی لائق مصنف نے صرف چند سطرون پر اکتفا کی ہے۔ اس سلسلے مین میر انیس اور نظیر اکبرآبادی کا حوالہ ضروری تھا۔ گو ان دونون کی شاعری کو ورڈ سورتھ کی شاعری سے زیادہ لگاؤ نہین۔ تاہم انیس کے یہان کم اور نظیر کے یہان زیادہ ایسے مقامات پائے جاتے ہین جنھین اس قسم کی شاعری کا پیش خیمہ کہا جا سکتا ہے۔ اسکے بعد اردو شاعری کی غم پسندی کا نوحہ ہے اور پھر قصیدہ۔ مثنوی ۔ مرثیہ۔ قطعہ۔ رباعی۔ کو علیحدہ علیحدہ عنوان بنا کر لکھا ہے۔ اسکے بعد استاد اور شاگرد کے تعلق پر نہایت سبق آموز بحث کی ہے جس مین بے مثال ادبی بصیرت کا اظہار کیا گیا ہے۔

چھٹا باب دہلی کے شعرا اور اس عہد کے متعلق ہے جس مین میر و سودا جیسے شعرا گذرے ہین۔ اس عہد مین اردو کا غیر معمولی نشو و نما اور مہتم بالشان ترقی ہوئی خواجہ میر درد و سوز اور میر حسن بھی اسی عہد کے نامور شعرا ہین۔ ابتدا مین اس عہد کی خصوصیات بیان کی گئی ہین مثلاً یہ کہ بہت سے اصناف سخن اس عہد مین درجۂ کمال کو پہونچ گئے چنانچہ مثنوی سحر البیان جس کا جواب آجتک اردو مین پیدا نہ ہوسکا اسی عہد کی تصنیف ہے۔ سودا نے قصائد اور ہجویات اور میر اور میر درد نے غزلون کا معیار مقرر کیا جو آجتک قایم ہے اور غالب ذوق و ناسخ وغیرہ نے بھی جس کا اعتراف کیا ہے زبان کے

معاملے مین بھی میرا اور سودا نے متقدمین کا کام جاری رکھا تھی یہ کہ ترکیبین محاورات اور الفاظ فارسی سے اُردو مین منتقل کرکے اس طرح کھپادئے کہ اونکی علیحدگی کا کوئی اندیشہ باقی نہ رہا۔ اس کے علاوہ نئے اوزان اور اصناف بھی اردو مین داخل کیے۔ واسوخت مثلث اور مربع کو سب سے پہلے میر نے استعمال کیا۔ حشو و زوائد سے بھی ان ہی لوگون نے اردو کو پاک کیا۔ میر اور سودا کی ہجوگوئی سے جو معائب ان کے اشعار مین پائے جاتے ہین ان کے نہایت معقول وجوہ نہایت عمدہ پیرائے مین بیان کیے ہین میر کے نکات الشعرا اور حسن کے تذکرۃ الشعرا کا بھی مناسب طریقہ سے ذکر موجود ہے۔

اس کے بعد درد کے سوانح۔ دیوان۔ اسلوب۔ حیثیت۔ معاصرین اور شاگردان پر تفصیلی بحث کیگئی ہے پھر اُنکی موت اور شاعرانہ حیثیت کا ذکر ہے۔ اسی طور پہ سوز اور سودا کا ذکر ہے سودا کا لکھنو جانا اور اُنکی تصانیف کا حال بھی تفصیل کے ساتھ درج ہے سودا کی شاعرانہ حیثیت اور اُن کی ادبی خدمات کا جائزہ اعتراف کیا گیا ہے اس کے بعد قصیدہ اور ہجو پر نہایت عالمانہ انداز مین تنقید کی ہے۔ سودا نے متاخرین پر اپنا گہرا اثر چھوڑا امیر اور غالب اسکے اثر سے خالی نہین۔ ذوق نے اپنے قصائد اور غزلین سودا کے طرز پر ڈھالی ہین۔ اسپنسر کی طرح سودا ہندوستان مین شاعرون کا شاعر گذرا ہے۔

اس کے بعد میر حسن کے خاندان۔ اسلوب۔ اولاد اور تصانیف کا تفصیلی ذکر ہے۔ سحرالبیان پر مختصر مگر نہایت پاکیزہ تنقید کی گئی ہے۔ گلزار ارم اور رموز العارفین پر بھی مختصر نوٹ موجود ہین میر حسن کے متعلق آخری چند فقرے ادب اردو مین انکا درجہ ظاہر کرتے ہین میر کے متعلق بھی سودا کی طرح شرح و بسط کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ دوسرے لفظون مین یون کہنا چاہیے کہ میر کا جو درجہ اردو شاعری مین ہے اسے خصوصیت کے ساتھ نمایان کیا گیا ہے۔ آب حیات مین مولانا آزاد نے میر کے متعلق جو غلطیان کی ہین اونھین تنقیدی اور تحقیقی روشنی مین صاف کیا گیا ہے۔ اسکے بعد میر کی فطرت پر نہایت دلچسپ بحث ہے اور اونکی تصانیف کا سودا کی طرح تفصیلی ذکر ہے۔ پھر میر کی دیگر خصوصیات درج کی گئی ہین میر کی غزلون پر جو تنقید ہے وہ تنقید عالیہ، تغزل سے لطف اندوزی۔ صحت مذاق اور سخن سنجی کا اعلی نمونہ ہے اس مقام پر لائق مصنف نے اپنی شعر فہمی کی خوب خوب داد دی ہے۔

دسوان باب مرثیہ اور مرثیہ گوئی پر لکھا گیا ہے اور چونکہ اردو مین یہ طرز سخن ایک ممتاز حیثیت رکھتا ہے

اس لیے۔ سکے لیے ایک جداگانہ باب وقف کرنا ضروری تھا اور سچ پوچھیے تو یہ موضوع باوجود موازنہ انیس و دبیر" "المیزان" اور "حیات انیس" وغیرہ کتب کی موجودگی کے ابھی ایک مستقل اور معتم بالشان تصنیف کا محتاج ہے جو جدید اصول تنقید کی بنا پر مرتب کیجانی چاہیے۔ اور اس مین انیس کی شاعری پر خصوصًا نفسیات کے تحت مین بحث کی جائے تو بڑی بڑی دلچسپ باتین ظاہر اور پوشیدہ رموز عریان ہون کیا اچھا ہو کہ یونیورسٹیون کے لکچرار صاحبان مین سے کوئی صاحب اس طرف متوجہ ہون اور اس ذیل مین اپنی تحقیقی تصنیف کو ڈاکٹری کی ڈگری کا تخصص قرار دین۔ اس قسم کی مساعی کے لیے یہ باب مبادیات کا کام دے سکتا ہے۔

اس باب کا افتتاح مرثیے کی تعریف سے ہوتا ہے اور پھر اسکی قدامت کی تاریخ پیش کی گئی ہے پھر یہ بتایا ہے کہ اردو مین مرثیہ کیونکر منتقل ہوا۔ میر ضاحک اور میر حسن کی کوشش ناقابل ذکر نہین ہان سودا نے سب سے پہلے مرثیہ مسدس مین لکھا اسکے بعد ضمیر نے نفس مضمون کی طرف توجہ کرکے اس کام کی ابتدا کی جسے آخرکار انیس و دبیر نے مکمل کر دیا میر خلیق کا ذکر تفصیل کے ساتھ کیا گیا ہے اور نہ صرف یہی بلکہ صوری اور معنوی حیثیات سے جو جو ترمیمین اور ترقیان خلیق نے فن مرثیہ گوئی مین کین انکا تاریخی حیثیت سے خوب خوب ذکر کیا ہے۔ اسکے بعد انیس کو لیا ہے اور انکی تعلیمی خصوصیات. خاندانی اور نسبی حالت۔ عادات و خصائل شہرت و اعزاز تہذیب و تربیت کا حال درج کرکے بحث کی ہے کہ ان جملہ خصوصیات کا ان کی شاعری پر کیا اثر ہوا اس بحث مین لائق مصنف کو پوری کامیابی ہوئی ہے اور وہی اثر پیدا ہوا ہے جس کی ایسی بلیغ انشاپردازی کے ذریعے سے کوشش کی ہے۔ اسکے بعد مرثیے کی مقبولیت کے وجوہ ہین اور پٹنہ و حیدرآباد کے سفر کا حال مختصرًا درج ہے پھر یہ بتایا ہے کہ انیس خاندانی شاعر تھے۔ تصانیف کے تحت مین انیس کی شاعری پر جو کچھ لکھا گیا ہے ایسے مہتم بالشان استاد کے لیے اس سے زیادہ تفصیلات مین داخل ہونیکی ضرورت تھی۔

البتہ زبان و محاورے کی خدمت کا جو انیس کی خصوصیات سے ہے ایک مستقل عنوان کے تحت مین کسیقدر وضاحت کے ساتھ اعتراف کیا گیا ہے جسکو پڑھ کر بجا طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ خدمت سوائے انیس کے کوئی دوسرا شاعر انجام دے ہی نہ سکتا تھا۔ اسلیے کہ انیس کے جو مراسم فیض آباد کی مخدرات سے تھے وہ کسی دوسرے کو کیونکر میسر آسکتے تھے۔ اسکے بعد ادب اردو کی خدمت۔ مناظر کی مصوری۔ جذبات نگاری میدان

جنگ اور اسپ و تیغ کو علیحدہ علیحدہ عنوان بنایا گیا ہے اور ہر مقام پر موضوع کی منصفانہ داد دی گئی ہے ان اسکے علاوہ اخلاق شجاعت صبر و تحمل اور بہت سے ایسے پہلو ہیں جنھیں عنوان تحریر بنایا جا سکتا تھا مگر غالباً طوالت کے ڈر سے نظر انداز کیا گیا ہے۔ انیس کے اسلوب اور شاعرانہ حیثیت پر جو کچھ لکھا گیا ہے وہ سخن فہمی اور وسیع النظری کا نمونہ ہے اسکے بعد مرزا دبیر کا تفصیلی ذکر ہے اور انیس کی طرح ان پر بھی ہر حیثیت سے تنقید کی گئی ہے۔ انیس و دبیر کا تقابل نہایت دلچسپ ہے۔ اس سے قبل اس موضوع پر لکھنے والوں نے اپنے ہیرو کو بڑھانے اور دوسرے کو گھٹانے کی کوششیں کی ہیں لیکن اس کتاب کے فاضل مصنف نے بالکل غیر جانبداری سے کام لیا ہے۔ آخر میں انیس و دبیر سے نیچے درجے کے مرثیہ گو حضرات یعنی مونس، نفیس، عارف، انس، عشق، تعشق، صابر، رشید اور اوج کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

گیارھویں باب میں اُن شعرا کا ذکر ہے جو اپنے رنگ میں یکتا اور ہر اعتبار سے آپ اپنی مثال ہیں یہ نظیر اکبر آبادی اور نصیر دہلوی ہیں۔ پہلے نظیر کو لیا ہے اور اول کی چند سطروں میں بتایا ہے کہ نظیر میں برخلاف شعرائے ہمعصر کے ایک ایسی جدت و ندرت ہے جو اُن سے پہلے کسی میں نہیں دیکھی گئی اور جس کی وجہ سے وہ سب سے زیادہ معزز اور ممتاز ہیں۔ ان کا شمار بقول مصنف متقدمین شعرائے دلی میں اسلیے نہیں کیا جا سکتا کہ ان میں ایک جدت ہے جو سب سے علیحدہ ہے متاخرین میں اسلیے نہیں کیا جا سکتا کہ اُن کا موضوع اور انداز بیان سب سے الگ تھا۔ اور نیز اسلیے کہ ان میں اہل لکھنؤ کا سا تصنع و تکلف اور برخلاف غالب ذوق مومن وغیرہ کے انھیں سادگی سے محبت اور فارسی ترکیبوں اور مغلق الفاظ سے نفرت ہے اس کے بعد نظیر کے واقعات زندگی اور سوانح مختصر طور پر دکھلائے ہیں اور پھر ان کے کلام پر بہ حیثیت ایک معلم اخلاق کے نظر ڈالی ہے اور بتایا گیا ہے کہ نظیر اپنی سادگی، تصوف، عاشقانہ جذبات اور تلقین اخلاق کے اعتبار سے ہندوستان کے سعدی کہے جانے کے مستحق ہیں۔ آگے چلکر بتایا ہے کہ ہندو اور مسلمان دونوں فرقے نظیر کو گرو سمجھتے تھے اور نانک کی طرح وہ فقیروں اور قلندروں کے محبوب شاعر تھے اسکے بعد ثابت کیا ہے کہ نظیر کو ہندوستان سے خاص واسطہ تھا یعنی وہ ہمہ وجوہ ایک مکمل ہندوستانی شاعر تھے مگر اس عنوان کے تحت میں جو بحث ہے وہ اپنے موضوع سے کسقدر علیحدہ ہے صرف آخر کے چند فقرے نفس مضمون سے متعلق ہیں زبان کی خدمت کے سلسلے میں توجہ دلائی ہے کہ نظیر نے تین قسم کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ اس کے ساتھ اُن اعتراضات کے بھی معقول جواب دیے ہیں جو نظیر پر اُنھوں اور ... نے سوت

کی جانب سے کیے جاتے ہین لائق مصنف نے نظیر کو اس تحریک کا ہراول قرار دیا ہے جو اُردو شاعری مین آزاد حالی اور سرشار نے شروع کی مین سمجھتا ہون کہ اس ادبی رمز کو اس سے پہلے غالباً کسی کی نظر نہ دیکھ سکی تھی۔ آگے چلکر نظیر کی ظرافت کا انشا سے مقابلہ کیا ہے اور دکھایا ہے کہ نظیر مین برخلاف انشا کے کیسی ہمدردی عالی ہمتی اور شرافت موجود تھی۔ پھر دونون کی مشترک خصوصیات دکھائی ہین دونون کے یہان سخت اوزان وقوافی اور عربی فقرون کا استعمال موجود ہے دونون کے کلام مین لوکل کلر۔ ہندی الفاظ اور ہندوستانی موضوعات پائے جاتے ہین دونون نے مختلف زبانون مین لکھا ہے اور دونون کے عاشقانہ جذبات مین تصوف کی چاشنی موجود ہے اور زبان تصنع سے خالی ہے بہ حیثیت ایک آرٹسٹ کے نظیر کو بہت مکمل قرار دیا ہے اور الفاظ کے انتخاب کے معاملے مین اوٹھین ٹینیسن کا ہم پلہ گردانا ہے۔ سب سے آخر مین ایک علیحدہ عنوان قائم کر کے یہ بحث کی ہے کہ ہندستانی شعرا مین شیکسپیر کہے جانے کا سب سے زیادہ کون مستحق ہے اس بحث مین اردو زبان کے سارے عظیم الشان شعرا کی خصوصیات مختصر طور پر بطور تبصرہ بیان کردی ہین۔ اس مین شک نہین کہ نظیر پر اول تا آخر تک جو بحث کی گئی ہو وہ اس کتاب کے اُن بہترین مقالات مین سے ہے جہان لائق مصنف نے انتہائی زور قلم صرف کیا ہے۔ مگر نظیر کے متعلق مجھے لائق مصنف کی رائے سے بعض مقامات پر اتفاق نہین مثلاً یہ کہ نظیر مین فلسفہ اور علمیت کا فقدان صاف طور پر تو نہین مگر ضمناً ظاہر کیا ہے یہ مسئلہ بحث طلب ہے مگر یہان اسقدر اشارہ کافی ہے "ریچھ کا بچہ" بنجارہ نامہ آدمی نامہ۔ اس کے علاوہ اور بہت سی نظمین نظیر کے یہان ایسی موجود ہین جو باعتبار نفس مضامین کے اعلیٰ درجہ کی فلسفیانہ کہی جاسکتی ہین۔ "ریچھ کا بچہ" بظاہر بچون کے بہلانے کے لیے معلوم ہوتا ہے مگر یہ باطن وہ ایک الیگری ہے جس مین نفس کو ریچھ کا بچہ قرار دیا ہے

اس باب کا اول حصہ نظیر سے متعلق ہے اور دوسرا نصیر دہلوی سے نصیر پر بھی ایسے ہی عالمانہ انداز مین تنقید کی گئی ہے اور حق سخن فہمی ادا کیا گیا ہے۔

بارھوین باب مین الشمس نشاۃ الثانیہ کا ذکر ہے جو دہلی مین غالب ذوق۔ مومن۔ ظفر جیسے اساتذہ کی بدولت ہوا۔ ان شعرا پر اہل لکھنو کے تصنع کا کوئی اثر نہین پڑا غالب کے یہان فارسی الفاظ اور تراکیب کا استعمال بہت کثرت سے ہے جو اُن کے عالم ہونیکی وجہ سے ہے غالب اور مومن کے بعد فارسی الفاظ کا استعمال نمایان طور پر کم ہوگیا ان کے شاگردون کو سادگی زیادہ پسند تھی چنانچہ سالک۔ حالی۔ ظہیر انور اور مجروح

کے کلام مین یہ خصوصیت صاف ظاہر ہوتی ہے۔

اس باب مین سب سے پہلے مومن کو لیا ہے اور اُن کے خاندانی حالات وغیرہ بیان کرکے اُنکی غیر معمولی ذہانت اور ذکاوت علمی لیاقت۔ خصوصاً نجوم اور طب کی مہارت اور دوسرے کمالات کا ذکر کیا ہے۔ اور آخر مین اسلوب اور شاعرانہ حیثیت پر نظر ڈالی ہے۔ مومن کو اُنکی حیثیت سے کم حصہ دیا گیا ہے اور اُن کی شاعری پر بالکل تنقید نہین کی گئی۔ اسکے بعد شیفتہ۔ تسکین۔ نسیم اور ذوق پر خامہ فرسائی کی ہے ذوق پر مومن سے زیادہ بحث کیگئی ہے اور دلچسپ عنوانات کے تحت مین ہے جن سے ذوق کے متعلق دلچسپی بڑھتی ہے اور اُنکی شاعرانہ اہمیت ظاہر ہوتی ہے اسکے بعد ظہیر اور انور شاگردان ذوق کا ذکر ہے۔

اس کے بعد غالب پر قلم اٹھایا گیا ہے اور یہ باب نصف سے زیادہ غالب ہی کے لیے لکھا گیا ہے ابتدا مین خاندان۔ تعلیم و تربیت۔ سفر اور زندگی کے مختلف حالات و سوانح کا ذکر ہے پھر ایک علیحدہ عنوان کے مین بتایا ہے کہ انسانی حیثیت سے غالب کن کن محاسن کا حامل اور کس درجہ کا شخص تھا۔ پھر علمیت اردو فارسی تصانیف اور مناظرون کا ذکر ہے شاعرانہ حیثیت سے غالب کو خسرو۔ فیضی۔ نظیری۔ بیدل اور حزین کا مرتبہ قرار دیا گیا ہے یہ نسبت درحقیقت غالب کے لیے کوئی فخر کی بات نہین بلکہ اُسکے درجہ کا بجا اظہار ہے غالب بیان مین سب سے زیادہ بلند مرتبہ اور خالص تنقیدی وہ مقام ہے جہان اس اُستاد فن کے آرٹ کے تین درجے قایم کیے ہین۔ ہر عہد پر اُسکی مختص النوع خصوصیات کے اعتبار سے نظر ڈالی ہے اور پھر ایک عہد سے ترقی کرکے دوسرے مین داخل ہونیکا طریقہ بتایا ہے اس مقام پر گویا شاعر کے ذہن کے ارتقائی مدارج دکھلائے ہین اسکے بعد غالب کی شاعرانہ عظمت پر بحث کی ہے اور جدت کو اُن کی خصوصیت اولین بتایا ہے۔ اس بحث مین بعض نہایت دقیق و پُر مغز نکات جو غالب کو غالب بناتے ہین۔ بیان کیے گئے ہین۔ ایک یہ ہے کہ غالب کے یہان خیال کے لیے الفاظ تلاش کیے جاتے ہین نہ کہ الفاظ کے لیے خیالات اور آخر الذکر طریقے کو مصنوعی طریقہ کا بتا کر اردو مین بدمزہ لٹریچر کی کثرت کی وجہ قرار دیا ہے اسکے بعد بتایا ہے کہ غالب کے کلام مین کنایہ کی کثرت ہے وہ جو کچھ کہتا ہے اپنے نفس کا مطالعہ کرنے کے بعد کہتا ہے اسی لیے اُسکا کلام مسرت و الم کی مختلف کیفیات کا نتیجہ نمایندہ ہوتا ہے اسکے بعد کلام کی روشنی مین غالب کی تخیل کی بلندی دکھائی ہے۔ اس کے بعد جذبات نگاری پر بحث ہے اور اس سلسلے مین غالب کو اسکے ہمعصر انگریزی شاعر شیلی کا ہمرنگ و ہم رتبہ بتایا ہے۔ پھر ظرافت شگفتگی اور آرٹ کا ذکر ہے آرٹ کے ذیل مین مصوری کی مثال جس شعر سے دی گئی ہے اسکے انتخاب کی داد نہین دیجا سکتی۔

اس باب کا اختتام غالب کے شاگردان رشید کے ذکر کے ساتھ ہے جن مین مجروح۔ سالک ذکی۔ درخشان اور آزردہ پر علٰحدہ علٰحدہ نظر ڈالی گئی ہے۔

چودھوان باب۔ اردو شاعری مین نئی تحریک کی ابتدا اور اصلاحات سے بحث کرتا ہے اس عہد کا نام آزاد اور حالی کا عہد رکھا گیا ہے۔ لائق مصنف نے بتایا ہے کہ نئی تحریک کے جراثیم مرثیہ گو شعرا و خصوصًا نظیر اکبرآبادی مین موجود تھے مگر ان کے زمانے مین اس رنگ کو شرف قبول حاصل نہین ہوا بلکہ یہ رنگ کفر ادب سمجھا جاتا تھا اس رنگ کی ترقی انگریزی سلطنت کی ترقی کے ساتھ ساتھ شروع ہوئی حالات کی تبدیلی نے پرانی اردو شاعری پر بہت بڑا اثر کیا دہلی اور اودھ کی سلطنتین تباہ ہونے سے شاعری بھی تباہ حال ہو گئی اور روپیہ کی طرف سے وہ بےفکری جو اس گروہ کو پہلے حاصل تھی اب عنقا ہو گئی۔ اسکے علاوہ لوگونکے مزاج اور طبائع مین بھی بہت زیادہ فرق واقع ہو جانے سے غزل کا مذاق اس قدر باقی نہ رہا جتنا کہ پہلے تھا غدر ۱۸۵۷ء کے غدر۔ اس کے اثرات مابعد انگریزون کے روزافزون تسلط نے لوگون کی آنکھین کھولدین اور انھین خواب غفلت سے بیدار کر دیا یہانتک کہ ریاستون کا بھی وہ حال نہ رہا جو پہلے تھا ان تمام اسباب کا شعرا کی قدر و منزلت اور تنخواہون پر بہت بڑا اثر پڑا پھر یہ کہ لوگون کو انگریزی ادبیات کی ہر ایک قسم نظم نثر اور ڈرامہ سے دلچسپی ہونے لگی۔ حالی۔ آزاد۔ سرسید احمد نے ترجمون کے ذریعے سے انگریزی خیالات سے استفادہ کیا اور پھر اپنے ادبیات کو بھی پرواز پر ڈھالنے کی کوششون مین مشغول ہو گئے۔

اس تحریک کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ غزل کے میدان کو بہت تنگ سمجھنے لگے اور مسدس اور مثنوی کیطرف زیادہ توجہ کی شاعری نے رنگ بدلا پہلے فطرت کو ایک ضمنی شے سمجھا گیا تھا۔ اب فطرت سے براہ راست خطاب ہونے لگا قسم قسم کی نظمین لکھی جانے لگین اور ان مضامین اور موضوعات کو لیا گیا جنھین ابتک چھوا بھی نہ گیا تھا یہانتک کہ غزلون مین اصلاح شروع ہوئی اور جذبات نگاری کی طرف توجہ بڑھی۔ اس ذیل مین حسرت موہانی اور عزیز کو پیش کیا ہے لائق مصنف کی رائے کا احترام کرتے ہوئے یہ بتانا ضروری ہے کہ عزیز لکھنوی کو غزل سے زیادہ قصیدے کے میدان شہرت حاصل ہے کیا اچھا ہوتا اگر حسرت موہانی کے ساتھ ماکی جائسی۔ صفی لکھنوی۔ جوش ملیح آبادی۔ آزاد انصاری (جو غزل مین ایک خاص رنگ کے استاد ہین) کے اسمائے گرامی پیش کیے جاتے نہ صرف یہی بلکہ انگریزی کے اصناف سخن اردو مین جاری کیے گئے یہانتک کہ نظم معریٰ لکھنے کی بھی کوششین ہوئین اور ان اصناف کے ساتھ ساتھ موضوع مین بھی تبدیلی ہوئی مغلق بیان اور پیچیدہ استعارات کو ترک کر کے سادگی مفلق

اختیار کی گئی - اور نظموں مین ذاتی جذبات نظر آنے لگے بعد نئی تحریک کے اکتسابات کا ذکر ہے اور پھر جدید شاعری کو تین حصوں مین تقسیم کیا ہے۔

پہلا حصہ ان لوگون پر مشتمل ہے جنکی نظرین پستی کی طرف مائل رہتی ہین یہ نہایت قدامت پسند اور اگلے دنون کے لوگ ہین اس گروہ کی بہت سی خصوصیات بیان کرکے بتایا ہے کہ یہ لوگ سوائے بھونڈی تقلید کے اور کچھ نہین جانتے انکی حیثیت بازیگرون کی سی ہے جن کے پاس سوائے الفاظ اور جملون کی ڈبیون کلھیون کے اور کچھ نہین ہے ان کے اوزان اصناف - اور موضوعات سب فرسودہ ہین ان کے پاس کوئی پیغام پہونچانے کے لیے نہین آگے چلکر اس گروہ کی شاعری پر اور نہایت دلچسپ معنی تنقید کی گئی ہے۔

دوسرا گروہ ان کے برخلاف دوسری حد پر ہے اور اس مین سوائے مغرب پسندی کے اور کچھ نہین آگے چلکر بتایا ہے کہ ایسی گروہ مین اس قسم کے خیالات کیون پیدا ہوے اور پھر اسی گروہ کو انگریزی کے بھونڈے ترجمون کا ذمہ دار قرار دیا ہے - تیسرے گروہ کو زیادہ معتبر اور مقتدر بتایا ہے اسلیے کہ تخلیق ادب نئی اور دلکش روایات کو وجود مین لانے کا فخر اسی کو حاصل ہے اس ذیل مین آزاد - حالی - سرور - اقبال - اثر - افسر - حسرت - اکبر سرشار اور شرر کا حوالہ ہے اس مین بعض کا نام غالباً تعجب سے پڑھا جائیگا

اس کے بعد پر تفصیلی بحث ہے پہلے ان کے سوانح لکھے گئے ہین اور پھر بہ حیثیت ایک انسان کے ان پر نظر ڈالی گئی ہے - پھر یہ دکھایا گیا ہے کہ غالب شیفتہ اور انگریزی ادبیات نے حالی پر کیا اثر کیا سر سید احمد کے اثر کو علیحدہ عنوان کے تحت مین لکھا گیا ہے - اسکے بعد حالی کے کلام کو لیا ہے اور مختلف نظمون پر علیحدہ علیحدہ اور ہر مقام پر انصاف کی روشنی مین تنقید کا حق ادا کیا ہے -

حالی کے بعد آزاد پر مختلف عنوانات کے تحت مین تفصیلی بحث کی ہے اسکے بعد مولوی اسمٰعیل کا ذکر ہے مگر اس تفصیل کے ساتھ نہین جتنی ضروری تھی - سرور پر تفصیلی بحث ہے اور ان کی پوری داد دیگئی ہے سب کے آخر مین اکبر کو لیا ہے - اور بہت تفصیل کے ساتھ لکھا ہے - اکبر کی ہستی دنیائے اردو مین عجیب و غریب ہستی ہے - سچ تو یہ ہے کہ ایران مین جس روح نے سعدی کا قالب اختیار کیا تھا - ہندوستان مین وہی روح دو مرتبہ - پہلے نظیر اکبرآبادی اور پھر اکبر الہ آبادی کے قالب مین ظہور پذیر ہو چکی ہے البتہ وقت اور زمانے کے اقتضا کے مطابق رنگ کا فرق ہے لیکن اگر گہری نظر سے دیکھیے تو دونون ایک تلقین اور ایک پیغام کے حامل ہین - اکبر پر جس حیثیت سے نظر ڈالنی چاہیے تھی ڈالی گئی ہے - ان کے فلسفے اور پیغام کے ساتھ پورا انصاف

کیا گیا ہے۔ اس باب کے تین باب نثر پر ہیں اور اٹھارھواں باب ڈرامہ پر ہے جو ایک نئی چیز ہے آخر باب اردو کی ترقی اور اکتسابات سے متعلق ہے اور بہت ہی خوب لکھا گیا ہے غرض تاریخی حیثیت سے بھی یہ کتاب ایک مکمل تصنیف ہے جس میں مورخانہ شان پائی جاتی ہے۔ جا بجا معلوم ہوتا ہے کہ لائق مصنف نے واقعات کی تحقیق میں بڑی کاوش اور دماغ سوزی سے کام لیا ہے اور فارسی اردو اور انگریزی کے بہت سے تذکروں کا مطالعہ کیا ہے جہاں تک اظہار رائے کا تعلق ہے لائق مصنف نے غیر جانبدار رہنے کی کوشش کی ہے تاہم یہ ضروری نہیں کہ لائق مصنف کی ہر ایک رائے سے اتفاق ہی کیا جائے۔ مجھے خود بعض مقامات پر اختلاف ہے۔ لازمۂ بشریت سے کہیں کہیں غلطیاں بھی رہ گئی ہیں مگر ہم کو امید ہے کہ آیندہ ایڈیشن میں لائق مصنف انکی نظر ثانی کریں گے۔ آخر میں یہ بتانا ضروری ہے کہ یہ تحریر تبصرہ ہے تنقید نہیں اسلیے صرف سرسری اظہار خیال پر اکتفا کی گئی ہے شروع میں مصنف کے دیباچے کے بعد جناب ڈاکٹر سپرو مدظلہ کا ایک مختصر معنی خیز اور عالمانہ دیباچہ ہے جس سے ادب اردو کی موجودہ حالت اور ابنائے وطن کی غفلت اور بدمزاجی پر روشنی پڑتی ہے

مخمور اکبرآبادی

رنگ زمانہ رنگ زمانہ منشی برج بھوکھن لال صاحب محب دریابادی کے دیوان کا نام ہے جو تعلقدار پریس لکھنؤ سے ۱۵۱ صفحات پر چھپکر شائع ہوا ہے اس میں غزلوں کے علاوہ اکثر وقتی نظمیں بھی ہیں جو اس سے پہلے بعض اخبارات و رسائل میں شائع ہو چکی ہیں۔ محب صاحب کے کلام میں چونکہ ظرافت کی چاشنی غالب ہے۔ اسلیئے ہر غزل اور ہر نظم میں ایک نیا لطف ہے۔ مثلاً

کہتا ہے ہم سے شوق ہوائی جہاز کا ۔۔۔ بیکار ہے خیال نشیب و فراز کا
اُن سے باتیں کریں تصور میں تو یہ ہم پر کھُلا ۔۔۔ کشورِ الفت میں ٹیلیفون کا دفتر کھُلا
کیا اعتبار زندگی مستعار کا ۔۔۔ چھپر سیر چھکہ ہتا ہے آٹا جوار کا
محب چلنے لگے مغربی ہیں اب بجلی کے پنکھے بھی ۔۔۔ بنا سکتے نہیں ہم خود بیاں وانتو کا منجن بھی

ان مثالوں سے حضرت محب کی ظریفانہ غزلوں کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ لیکن مسلسل نظموں اور قطعات کا لطف مطالعہ پر منحصر ہے۔ نیز رنگ زمانہ میں اکثر شعروں پر مفید نوٹ دیے گئے ہیں جن میں ضروری تلمیحات کی تشریح کی گئی ہے۔ کتابت و طباعت اچھی ہے۔ لیکن کاغذ بہت خراب ہے امید ہے کہ دوسرے ایڈیشن میں اسکی تلافی ہو جائیگی قیمت درج نہیں۔ پتہ۔ برج بھوکھن لال صاحب محب تحصیلدار دریاباد ضلع بارہ بنکی

آئینۂ ادویات ہومیوپیتھی

متمدن ممالک مین ہومیوپیتھک طریقۂ علاج کا رواج عام ہوتا جاتا ہے اسکا بے ضرر اور سریع التاثیر ہونا مسلّم ہو چکا ہے۔ اب تک اس کے متعلق بہت زبانون مین بہت سی کتابین لکھی جا چکی ہین جن مین ماہر علاج بالمثل نے اپنے اپنے وسیع و مفید تجربات قلمبند کئے ہین انھین ماہرین فن مین ہمارے مکرم دوست ڈاکٹر شمبھو دیال صاحب بھی شامل ہین جنکی مساعی جمیلہ سے اُردو جیسی کم مایہ زبان کے کتبخانے مین اس فن کے متعلق ایک بیش بہا کتاب کا اضافہ ہوا ہے۔

اس کتاب کا نام "آئینۂ ادویات ہومیوپیتھی ہے" اس مین ڈاکٹر صاحب موصوف نے اپنے تجربات کی بنا پر ادویات کے خواص اور امراض کی علامات پر مفصل تبصرہ کیا ہے۔ کتاب کے شروع مین مولوی حامد حسن قادری کا ایک زبردست مقدمہ ہے جس مین موصوف نے علاج بالمثل کے بانی ڈاکٹر سیموئیل ہنیمن کے مختصر حالات اور اس علاج کے فوائد تحریر کئے ہین اسکے بعد ڈاکٹر شمبھو دیال صاحب نے ایک ضروری دیباچہ لکھکر دواؤن کی ایک فہرست پیش کی ہے۔ اور آگے چلکر ایک ایک دوا کی تحت مین ان کے اثرات و خواص تحریر فرمائے ہین۔ کتاب کے آخر مین ایک مختصر سی فہرست ان دواؤن کی بھی شامل ہے جن کے اثرات باہم مخالف ہین یعنی ایک کے بعد دوسرے کا استعمال سخت مضرت رسان ہے۔ اس فہرست کے بعد ایک اور فہرست ہے جسکو ساری کتاب کا خلاصہ سمجھنا چاہیے۔ اس مین مرض کے لحاظ سے ہر دوا کا نام مع نشان صفحات درج ہے۔ یہ چند صفحات اس طریقۂ علاج کے جاننے والون کے لیے عموماً اور مبتدیون کے لئے خصوصاً مفید ہین۔

ہومیوپیتھک کی ہمہ گیری اُسکی خوبیون کی ایک زبردست دلیل ہے اور سچ یہ ہے کہ جس طریقۂ علاج مین وہم اور عشق کی ناقابل برداشت زحمتون اور کلفتون کی شرطیہ دوا موجود ہو اُسکی خوبیون سے کسکو انکار ہو سکتا ہے یورپ اور امریکہ مین ہومیوپیتھک کو خاص مقبولیت حاصل ہو چکی ہے۔ ہندوستان مین بھی کثرت سے ہومیوپیتھک دواخانے کھلتے جاتے ہین اکثر تہذیب یافتہ گھرون مین ہومیوپیتھک کی دواؤن کے بکس رکھے ہین جس سے فوری تکالیف اور امراض کے علاج مین آسانی ہو جاتی ہے۔ ان حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے ایسی مفید کتابون کی ضرورت کا خاص احساس ہوتا ہے جس مین ہومیوپیتھی کے رموز و اسرار بیان کیے جائین۔

ہم ڈاکٹر صاحب کو اس مفید کتاب کی تصنیف پر مبارکباد دیتے ہین اور اردو دان حضرات کو ضرور اس کتاب کے مطالعہ کی طرف توجہ دلاتے ہین تاکہ ضرورت کے وقت کسی فوری تکلیف یا مرض کا ازالہ بہ آسانی ہو سکے۔ ضخامت ۴۴۴ صفحہ۔ کتابت و طباعت عمدہ۔ قیمت ۲ مرتبہ ڈاکٹر شمبھو دیال۔ مال روڈ۔ کانپور۔

اندھیری رات

(۱)

ہر سو تاریکی چھائی ہے ، ہر شے پر غفلت طاری ہے
سب اپنے گھروں میں سوتے ہیں ، نیند اپنی سب کو پیاری ہے
ہاں میری قسمت میں شاید ، بیخوابی ہے بیداری ہے
ڈوبا ہوں غم کے سمندر میں ، اور آنکھ سے ندّی جاری ہے
جس سمت نگاہیں اُٹھتی ہیں ، اندھیاری ہی اندھیاری ہے

(۲)

اے ننھے تارو جاؤ ، تم کیوں دیر لگاتے ہو
چاند اب سوتا ہے غفلت میں ، ہاں تم بھی کیوں نہیں جاتے ہو
کیوں دور سے مجھ کو تکتے ہو ، کیوں آنکھیں مجھکو دکھاتے ہو
اچھا آجاؤ ، پاس میرے ، ہاں آؤ کیوں نہیں آتے ہو
جس سمت نگاہیں اُٹھتی ہیں ، اندھیاری ہی اندھیاری ہے

(۳)

اے باغ کے سونے والو پھولو ، آنکھیں اپنی کھولو تم
بس اُٹھو کتنا سوؤ گے اب ، شبنم سے منھ دھولو تم
میں دل بہلانے آیا ہوں ، اے غنچو منھ سے بولو تم
کچھ لے نہ اُڑی ہو بادِ صبا ، اب جیبیں اپنی ٹٹولو تم
جس سمت نگاہیں اُٹھتی ہیں ، اندھیاری ہی اندھیاری ہے

(۴)

اے پیارے چمکیلے جگنو ، کیون دلمین آگ لگاتا ہے
تاریک فضا مین چنگاری ، کیون ہر سو آج اُڑاتا ہے
کیا تجکو نیند نہین آتی ، کیا تیرا دل گھبراتا ہے
آجا ہان پیارے آجا ، بتلادے کہان تو جاتا ہے
جس سمت نگاہین اُٹھتی ہین ، اندھیاری ہی اندھیاری ہے

(۵)

خاموش پپیہے پی پی کر ، کس کنج مین تو چپ بیٹھا ہے
اب کیون نہین پی کی سُمرن ہے ، کیون چپ ہے کیون نہین گاتا ہے
ہان چھیڑ دے سازِ محبّت کو ، پھر شوق کا طوفان اُٹھا ہے
مدہوش تو کردے بہر خدا ، نہین ضبط کا مجھ مین یارا ہے
جس سمت نگاہین اُٹھتی ہین ، اندھیاری ہی اندھیاری ہے

(۶)

اِن آم کے پیڑون کے کُنجون مین ، مجھکو وحشت ہوتی ہے
اُٹھ کوئل اُٹھ پھر کوُ کوُ کر ، کیا ظالم تو بھی سوتی ہے
کیون بھینی بھینی خوشبو کے ، پُرلطف فضا کو کھوتی ہے
اُٹھ دیکھ تو اس سنّاٹے مین ، کیون شبنم آکر روتی ہے
جس سمت نگاہین اُٹھتی ہین ، اندھیاری ہی اندھیاری ہے

(۷)

اے دریا تیری لہرین کیون ، اب ساحل پر نہین آتی ہین
اب کیون نہین چہلین کرتی ہین ، اب کیون نہین شور مچاتی ہین
ہو جس سے جوش طبیعت مین ، وہ نغمہ کیون نہین گاتی ہین
ساحل پہ کھڑا ہون تنہا مین ، وہ کیون نہین راگ سناتی ہین
جس سمت نگاہین اُٹھتی ہین ، اندھیاری ہی اندھیاری ہے

(۸)

یہ رات بھیانک جنگل کی ، تاریکی سے مین ڈرتا ہون
اِک پیڑ کے نیچے بیٹھا ہون ، اور ٹھنڈی سانسین بھرتا ہون
اکثر مین راتون مین پیارے ، بس تجکو ڈھونڈھا کرتا ہون
تاریکی مین چھپنے والے ، مین تیری ادا پر مرتا ہون
جس سمت نگاہین اٹھتی ہین ، اندھیاری ہی اندھیاری ہے

محمد زبیر روحی الہ آبادی

غزل

از جناب شیام سنگھ صاحب مجبور

پروانہ وار قصۂ ہستی تمام کر　　جانِ حزین گنوا کے شہیدون مین نام کر
تیری نگاہِ مہر کے ہم بھی ہین منتظر　　ساقی نہ قطع سلسلۂ دورِ جام کر
دل سے تمیز رنگ و نصب و نکال دے　　رسم و رواجِ عشق زمانے مین عام کر
پھر ہے جفائے یار کا منظور امتحان　　پھر بیٹھتا ہون آج کلیجے کو تھام کر
بہتر ہے زندگیٔ غلامی سے موت بھی　　زاہد اسے شراب سے پہلے حرام کر
کیا دیکھتا ہے قافلۂ تیز گام کو　　اٹھ تو بھی پائے شوق کو محشر خرام کر

ہو جائے تیری آہ نہ جبتک شرر فشان
اے دل نہ آرزوئے حصولِ مرام کر

شیام سنگھ

کلام اثر

(از جناب مرزا جعفر علیخان صاحب بی اے)

فروغ حسن دوست سے یہ رنگ ہے نقاب کا — کہ جیسے موج بحر میں ہو عکس آفتاب کا

حدیث رخ سے کم نہیں نکات زلف پر شکن — لکھا ہے ایک منتہی نے حاشیہ کتاب کا

حریم دل میں چار سو تڑپ رہی ہیں بجلیاں — کلیم طور بیخودی سبب ہے اضطراب کا

وہ جوش اشک الحذر، وہ ضبط گریہ الامان — وہ طیش پیش دست دل وہ شور موج آب کا

یہ خود فریب خود پسند زاہدوں سے پوچھئے — گنہ کا ذوق اگر نہیں تو ڈر ہے کیوں عذاب کا

خرید لو خرید لو دل شکستہ اے بتو — گرچہ یہ ٹوٹا ہے دل اس میں ذوق [illegible] کا

گلے پہ میرے تیغ ہو رواں نہو جدا نہو — مزہ ہے اتحاد کا حجاب اور عتاب کا

ملا تو اس طرح ملا کہ مجھکو مجھ سے کھو دیا — اثر ہوا تو یہ ہوا دعائے مستجاب کا

اثر کی یہ غزل ہے یا کھلا ہوا ہے میکدہ
ہر ایک شعر جام ہے دو آتشہ شراب کا

ادا سے اک شوخ کم نما کے ہے وعدے کا انتظار اب تک — رہین بیداد صد تغافل ہے جب سے یہ جان زار اب تک

لہو سے تر جیب و آستین ہے پلک ہے خونابہ بار اب تک — جنون میں حیران کے پھول کبتک نہ آیا وہ گلعذار اب تک

وہی ہے شوریدگی جنون کی وہی خلش ہے وہی تپش ہے — نہ سر سے سودا گیا کسی کا نہ دلکو آیا قرار اب تک

کہاں سے آئے ہو صبح ہوتے لبوں پہ خشکی ہے رخ پہ زردی — مئے شبینہ کا نرگسی آنکھوں میں ہے کچھ کچھ خمار اب تک

غموں نے لوٹا فلک نے پیسا عزیز چھوٹے وطن بھی چھوٹا
اثر کی جانب سے تیرے دل میں بھرا ہے لیکن غبار اب تک

اثر لکھنوی

آبشار اور مین

آ آبشار مل کے کرین ایک جا قرار — آ میرے پاس دونون ہون آپسمین ہمکنا

تجھ کو اداس تجھ کو سناؤن مین دردِ دل — حالت پہ ایک دوسرے کی روئین زار زا

ٹکرا رہی ہے سر تو کسی کے فراق مین — ہے کر رہی کسی کی مجھے یاد بیقرا

آئی ہے تنگ تو جو زمانے کے ہاتھ سے — آماجگاہِ غم ہون مین آشفتہ روزگا

وحشت سے دور بھاگ مرے پاس سے نہ تو — دستِ جنون سے مین ہون گریبان ہے

آتی ہین پیش دقتین ہر کام پر مجھے — تو ٹھوکرون پہ ٹھوکرین کھاتی ہے بے

بدبخت ہے تو اور ہون حرمان نصیب مین — تو خستہ حال ہے تو ہون مین بھی ذلیل و

تو میری رازدان مین ہون تیرا رازدان — شرمندہ مین نہ تجھ سے نہ تو مجھ سے شرمس

اک حال مین ہون دونون ستمدیدہ ہون بہت — غمخوار ہو تو میری مین ہون تیرا غمگ

سینے سے اپنے جلد لگا مجھکو تو کہین
تیرے بغیر میرا کوئی آشنا نہین

شکوہ ہے تجھ کو فرقتِ یار و دیار کا — دلدادہ مین کسی کے ہون روئے نگار

سر پر ہوا ہے بار کسی سنگدل کا عشق — ہمرنگ و ہمنوا ہون مین تجھ زیر بار

قابو نہین ہے ہائے تجھے اپنے آپ پر — خاک اُڑا ہے میرے بھی صبر و قرا

پابند تو نشیب و فراز زمانہ کی — مین ہون شکار گردشِ لیل و نہا

آتی نہین ہے بو عوض تجھے رنگینیٔ چمن — عاشق نہین مین شورشِ فصلِ بہار

مایوسی ہے اگر تجھے دیدارِ یار سے — مین کشتۂ ادا ہون کسی گلعذار

ہمدم ہے میری اسلئے تو رہ نہ مجھ سے دور — کچھ پاس ہے گر ایک غریب الدیا

نالان ہون رات دن مین تو ہے اشکبار تُو
گریان ہون صبح وشام [illegible] تو بیقرار تُو

رونے سے میرے روئے زمین سب پُر آب ہے	جانے شگوفہ شاخِ چمن پُر حباب ہے
وہ اشک ریز یان ہین تری اپنے حال پر	جس سے کہ بادلون کا بھی دل آب آب ہے
مین مبتلائے ہجر تو آوارۂ بلا	محبوس مین تو مائلِ صد پیچ و تاب ہے
بے اختیار ہین ہون تو ہے تو بھی بیقرار	سیماب وار مین ہون تجھے اضطراب ہے
میرے لیے زمانہ مین حرمان و یاس ہے	تو بھی اسی تماش سے حسرت مآب ہے
ہستی مری اک آمد و رفتِ حیات ہے	تیرا وجود بھی تو مدو جزرِ آب ہے
گویا غبار بن کے اُڑی تو ہوا مین خاک	دونون کی ایک طرح سے مٹی خراب ہے
بیکس ہے تو ہین لوگ تجھے شاد دیکھکر	بے بس ہون مجھکو دیکھ کے خوش شیخ و شاب ہے
پھر مجھ سے تو جدا ہو رہون تجھ سے مین [illegible]	افسوس اے دریغ عجب انقلاب ہے

بیماری فراق [illegible] شنیدم چہ شد ترا
ناآشنا برگ رسیدم چہ شد ترا

طالب کاشمیری

رُباعیات

دنیا تو وبال جان ہے پیری کیلئے
ہے خواہشِ پرواز اسیری کیلئے
طالب پیری مین کب کوئی ساتھ چلے
ہان ایک عصا ہے دستگیری کیلئے

خدمت ہے کونسی جو حکومت کی کی نہین
تھا کونسا وہ حکم کہ جان جسپہ دی نہین
ناحق شناس لوگ ہین طالب غضب ہے یہ
کرتے خطاب ہکو یہ ستی آئی ای نہین

طالب کاشمیری

چند پند

(ایک باپ کی اپنے بیٹے سے نصیحت)

ملک الشعراء شکسپیر کے مشہور ہملیٹ کے تیسرے سین سے ماخوذ

اپنا کوئی خیال کسی سے بیان نہ کر
ناقص خیال شکلِ عمل مین عیان نہ کر

ملتے جو آئین ان سے بہ اخلاق پیش آ
پر رکھ نہ ہر کسی کے لیے در کھلا ہوا

ہین آزمودہ جو ترے احباب اُن کو کر
دستِ قوی لطف سے اپنے قریب تر

پر جو نیا رفیق ترا خام کار ہو
اِسکی ضیافتون سے نہ کر سست ہاتھ کو

جھگڑہ سے دور رہ پہ وہ گر تیرے سر پڑے
کر اس طرح نبرد کہ تجھ سے عدو ڈرے

سن بات ہر کسیکی، مگر ہو نہ ہمنوا
لے رائے سبکی پر نہ سنا اپنا فیصلہ

ہو حسبِ مقدرت ترا جامہ گرانبہا
لیکن نہ ہو وہ مضحکہ انگیز وضع کا

جامہ ہو شاندار، نہ ہو شوخ رنگ کا
انسان کے حوصلہ کا ہے پوشاک آئینہ

ملکِ فرنگ مین وہ جو ہین مرتبت مآب
کپڑون کے انتخاب مین ہوتے ہین لاجواب

زنہار قرض لے نہ کسی کو تو قرض دے
مقراض قرض ہے زر و الفت کے واسطے

کاشانہ ہین یا قصر ہین ادبارِ قرض سے
قائم اصول رہتے نہین اقتصاد کے

مقبول سب سے افضل و اعلےٰ یہ پند ہو
خود اپنے کام مین تو صداقت پسند ہو

پیدا یہ وصف ہو تو کبھی کذب و افترا
غیرون کے واسطے بھی نہ رکھے گا تو روا

ہین خوبیان یہ لازم و ملزوم اِس طرح
ہر دن کے بعد رات کا آنا ہو جس طرح

رحمت خدا کی تیری رفیقِ سفر رہے
میری نصیحتون کا ترے دل مین گھر رہے

سید عبد الرؤف شاہ ناصحی